

HYDERABAD (A. P.)

Cl. No. 928 '91439

Acc. No.

MU3 DATE DUE

DURATION OF LOAN — Not later than the last date stamped below, falling which fine as per Library Rules will be charged.

will be charged.

Reference Book	
Not for circulation	



UR

UNIVERSITY OF HYDERABAD
L I B R A R Y
HYDERABAD (A. P.)

1. Books / Journals should be returned on the due date.
2. Borrowers are responsible for every book / journal taken by them and will be expected to pay for any book / journal damaged, defaced or lost.

Help to keep the book fresh and clean

گلشن سخن

تذکرہ شعراء اردو

مصنفہ مروان علی خاں مستمل لکھنوی

سال تصنیف ۱۹۲۷ء

مرتبہ سید مسعود حسن رضوی ادیب

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

۱۷۷، ڈیڑھ مہر، سید اسد اللہ شہید چارمنار حیدر آباد

فہرست عنوانات

۲	۱	مقدمے کے ماتخذ
۵	۲	فہرست شعرا
۱۵	۳	مقدمہ
۳۳	۴	ضمیمہ مقدمہ
۴۹	۵	متذکرہ شعرا
۲۷۷	۶	اشاریہ (۱) اشخاص کے نام
۲۸۰	۷	اشاریہ (۲) مقاموں کے نام
۲۸۲	۸	اشاریہ (۳) کتابوں کے نام
۲۸۳	۹	اشاریہ (۴) شعرا جن کا ذکر ایک جگہ سے
		زیادہ آیا ہے۔

نکاح کل ————— ایک ہزار

قیمت ————— ۵۵/۰۰
~~۵۵/۰۰~~

کاتب ————— ظہور احمد

نظامی پریس لکھنؤ

۱۹۶۵ء

فہرست شعرا

نمبر شمار	تخلص و نام	صفحہ	نمبر شمار	تخلص و نام	صفحہ
	الف				
۱	آبرو شیخ بنجم الدین	۵۱	۱۱	آزاد خواجہ زین العابدین	۵۷
۲	آخر .	۶۲	۱۲	آزاد میر ظفر علی	۵۸
۳	آٹمی خواجہ آٹمی	۵۹	۱۳	آزاد .	۵۸
۴	اجل محمد اجل	۶۴	۱۴	آشتیاق ولی اللہ	۵۷
۵	احتشام حسین	۶۷	۱۵	اشرف محمد اشرف	۶۲
۶	احسان میر شمس الدین	۶۶	۱۶	آشفہ مرزا رضا علی	۶۷
۷	احسن احسن اللہ	۵۳	۱۷	آشنا میوزین العابدین	۵۹
۸	احسن مرزا احسن علی	۶۵	۱۸	آشنا غلام بدیع اللہ	۵۸
۹	احمدی شیخ احمد	۶۴	۱۹	آشنا .	۶۶
۱۰	آرزو سلوک الدین علی خاں	۵۵	۲۰	آصف زبیبی خاں صفت اللہ	۵۱
			۲۱	اکبر میر غلام علی	۶۵

مقدمے کے ماخذ

(حروف تہجی کی ترتیب سے)

بزم سخن - سید علی حسن خاں سلیم مطبوعہ ۱۳۹۵ھ
 تذکرہ شورش - غلام حسین خاں شورش عظیم آبادی امرتسنگھ لدین احمد لیلیتو پریس، پٹنہ۔
 تذکرہ عشقی - شیخ وجیہ الدین عشقی عظیم آبادی اجلاہل ۱۹۵۹ء جلد دوم ۱۹۶۳ء
 روز روشن - مظفر حسین صبا - مطبع شاہ جہانی بھوپال، ۱۳۹۶ھ
 سخن شہرا - عبدالغفور خاں نساخ - مطبع ذل کشور، گھنٹو، ۱۳۸۶ھ
 سہرا سخن - سید محسن علی محسن - مطبع ذل کشور، گھنٹو، ۱۳۸۹ھ
 شمع انجمن - ذاب صدیقی حسن خاں - رئیس المطابع، بھوپال، ۱۳۹۳ھ
 طبقات سخن - غلام علی الدین عشق و مبتلا میرٹھی - قلمی - کتب خانہ گاندھی فیض عالم کالج،
 شاہ جہاں پور۔

طبقات الشعراء ہند - کریم الدین - مطبع العلوم، دہلی، ۱۳۴۸ھ
 فرست کتب خانہ ہاسٹلہ اودھ - ڈاکٹر اختر نگہ بیٹھٹ مشن پریس، مکتیہ، ۱۳۵۵ھ
 گلشن بے خار - مصطفیٰ خاں شہباز - مطبع ذل کشور، گھنٹو، ۱۳۸۶ھ
 گلشن سخن - مردان علی خاں مبتلا - قلمی - رضالا ٹبریری، رام پور و کتب خانہ سید
 مسعود حسن رضوی ادیب، گھنٹو۔

غضب الامتار - مردان علی خاں مبتلا - قلمی - پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔
 نثار لکھنؤ - قدرت اللہ خاں قدرت - مطبع سلطانی، بمبئی، ۱۳۵۶ھ
 فشر عشق حسین علی خاں عاشقی عظیم آبادی - قلمی - رضالا ٹبریری، رام پور۔
 لے متبادلہ خلد کے دو نام لکھتے ہیں ایک گزشتہ صفحہ اودھ دوسرا غلام سانی جو اس کا تازہ نسخہ نام ہے۔

۵۷	بینوا .	۶۹	۷۲	شاقب شجاعت اللہ خاں	۸۷
	پ		۷۳	شاقب شہاب الدین	۸۷
۵۸	پاکباز میر صلاح الدین	۷۰		ج	
۵۹	پاکباز شاہ کھو	۷۲	۷۴	جرات میر شیر علی	۹۷
۶۰	پردانہ سید پروانہ علی	۷۰	۷۵	جرات بکلی امان	۹۲
۶۱	پردانہ راجہ جیوت سنگھ	۷۰	۷۶	جگن .	۹۷
۶۲	پیام شرف الدین علی خاں	۷۱	۷۷	جنون .	۹۸
	ت		۷۸	جنون غنچ غلام مرتضیٰ	۹۷
۶۳	تاباں میر عبدالحی	۸۱	۷۹	جوان کاظم علی	۹۶
۶۴	تائید خواجہ محمد علی	۸۶	۸۰	جودت رائے ہرے نام	۹۷
۶۵	تجدد میر عبد اللہ	۸۲	۸۱	جوش محمد روشن	۸۷
۶۶	تصویر شاہ جواد علی	۸۳	۸۲	جولال میر رمضان علی	۹۷
۶۷	تقی برقی مٹو پیر گھاسی	۸۴	۸۳	جوہر مرزا احمد علی	۹۶
۶۸	تکین صلاح الدین	۸۴	۸۴	جوہری مولوی سیرت اللہ	۹۸
۶۹	تمنا .	۸۶	۸۵	جواندار مرزا بلال اختر جلال شاہ	۹۲
۷۰	تمنا مرزا علی رضا	۸۴		ح	
	ث		۸۶	حاتم غنچ محمد حاتم	۱۳۳
۷۱	ثنا بنت اصالت خاں	۸۶	۸۷	حامد میر حامد	۱۲۰

۶۲	انشاء الله تعالی	۴۰	۶۰	محمد اعظم	۲۲
۶۳	انصاف محمد نجفی	۴۱	۶۰	میر علی علی	۲۳
۵۹	آواره میر کاظم	۴۲	۵۰	آفتاب شاه عالم پادشاه	۲۴
۶۲	اولا میر اولاد علی	۴۳	۶۳	افسوس میر شیر علی	۲۵
۶۴	اولیا میر اولیا	۴۴	۵۸	افصح شاه فصیح	۲۶
۶۶	آه میر مهدی	۴۵	۵۹	آگاه محمد صلاح	۲۷
	ب		۶۲	آگاه نور خان	۲۸
۸۱	بسل	۴۶	۶۳	الم بسن خواجہ میر درد	۲۹
۷۱	بسل میر جبار علی	۴۷	۶۶	الهام شیخ شرف الدین	۳۰
۶۹	بقا بقا والد	۴۸	۵۸	امامی خواجه امام بخش	۳۱
۶۹	بکھاری دل	۴۹	۶۰	امانی میر لانی	۳۲
۷۰	بهار تمکین چند	۵۰	۶۲	امجد	۳۳
۶۸	بیان احسن انشد	۵۱	۶۲	امید میرانی	۳۴
۶۹	بتاب سنو کدراے	۵۲	۵۹	خواجه امیر انشد	۳۵
۷۴	بتاب محمد علیم	۵۳	۵۶	ایمنی خواجه امین الدین	۳۶
۷۴	بتاب میردن بهادر	۵۴	۶۱	انتظار علی نقی خاں	۳۷
۷۵	بیدار میر محمدی	۵۵	۵۱	انجام بیگلر محمد الملک	۳۸
۸۰	بیکل سید عبدالوہاب	۵۶	۶۸	انسان امید یار خان	۳۹

۱۳۹	زار مغل بیگ	۱۳۸	۱۳۱	ذاکر میر حسین دوست	۱۳۲
۱۳۹	زار میر منظر	۱۳۹	۱۳۱	ذاین میر مستند	۱۳۳
۱۳۸	زکی جعفر علی خاں	۱۴۰		ر	
	س		۱۳۵	راغب محمد جعفر خاں	۱۳۴
۱۵۸	ساقی میر حسین علی	۱۴۱	۱۳۶	راقم بندہ ابن	۱۳۵
۱۵۵	سجاد میر سجاد	۱۴۲	۱۳۷	نخشاں محمد چاند	۱۳۶
۱۵۶	سراج میر سراج الدین	۱۴۳	۱۳۸	نصرت میر قدرت اللہ	۱۳۷
۱۵۸	سرت مفتی غلام محمد دم	۱۴۴	۱۳۹	بیانی	۱۳۸
۱۵۷	سلوات میر سلوات اللہ	۱۴۵	۱۴۰	رستم رستم علی خاں	۱۳۹
۱۵۷	سعادت میر سعادت علی	۱۴۶	۱۴۱	رسوا متاب راے	۱۴۰
۱۵۸	سکندر	۱۴۷	۱۴۲	رشید	۱۴۱
۱۵۷	سلام نجم الدین علی خاں	۱۴۸	۱۴۳	رضا میر محمد رضا	۱۴۲
۱۵۷	سلیمان	۱۴۹	۱۴۴	رضا	۱۴۳
۱۵۸	سلیمان سلیمان خاں	۱۵۰	۱۴۵	رفعت شیخ محمد رفیع	۱۴۴
۱۵۸	سلیم میر محمد	۱۵۱	۱۴۸	زند ہرانی خاں	۱۴۵
۱۳۹	سودا مرزا محمد رفیع	۱۵۲	۱۴۲	زند میر ہمنزہ (ب) علی	۱۴۶
۱۴۹	سوز میر سید محمد	۱۵۳	۱۴۷	رنگین	۱۴۷

۸۸	حبیب الله	۱۰۳	خ	
۸۹	حزین میر محمد باقر	۹۹	۱۰۶	خلام خادم حسین
۹۰	حسرت جعفر علی	۱۱۳	۱۰۷	خاکسار محمد بار
۹۱	حسرت رحمت الله	۱۳۴	۱۰۸	خاکسار میر سیمال علی
۹۲	حسرت میر محمد حیات	۱۰۰	۱۰۹	خلیق میرزا ظہود علی
۹۳	حسرت مراد علی	۱۰۳	۱۱۰	خوب میر منظر علی
۹۴	حسن میر محمد حسن	۱۱۵	۱۱۱	خیالی راجہ خیالی رام
۹۵	حسن خواجہ حسن	۱۱۵	د	
۹۶	حسن میر غلام حسن	۱۱۵	۱۱۲	دانا شیخ فضل علی
۹۷	حشمت سید تقی علی خاں	۹۸	۱۱۳	داؤد داؤد بیگ
۹۸	حشمت محمد علی	۹۸	۱۱۴	دخائل مکتوب بیگ
۹۹	حضور	۱۱۴	۱۱۵	درد خواجہ میر درد
۱۰۰	حضور شیخ غلام یحییٰ	۱۱۰	۱۱۶	درد کرم الله خاں
۱۰۱	حیدری غلام حیدر	۱۰۰	۱۱۷	در دند فقیمہ
۱۰۲	حیدری شیخ غلام علی	۱۱۳	۱۱۸	دل فتح محمد
۱۰۳	جبران میر حیدر علی	۱۱۰	۱۱۹	دل محمد باد
۱۰۴	جبران میر منو	۱۱۲	۱۲۰	دوست غلام محمد
۱۰۵	جغت ہفتی دل	۱۱۶	۱۲۱	دیوانہ سرب مسک

۱۸۳	ظہور فیوسنگہ	۱۴۲	غ	۱۴۸
۱۸۵	عاجز عارف علی خاں	۱۴۶	ع	۱۴۸
۱۸۶	عارف محمد عارف	۱۴۳	غواص	۱۴۸
۱۸۷	مرزا عباس علی	۱۴۳	ف	۱۴۸
۱۸۸	عاشق میر بہان الدین	۱۴۸	فارغ	۱۴۷
۱۸۹	عاشق علی اعظم خاں	۱۴۷	فخر میر فرید الدین	۱۹۱
۱۹۰	عاشق میر محمد علی	۱۴۷	فدا سید امام الدین	۱۸۸
۱۹۱	عاصمی نور محمد	۱۴۶	فدوی	۱۹۰
۱۹۲	عزت عبدالوہابی	۱۴۲	فدوی مرزا محمد علی مشہور	۱۸۹
۱۹۳	عزیز بکھاری داس	۱۴۷	فراق مرتضیٰ خاں	۱۸۸
۱۹۴	عشق شاہ رکن الدین	۱۴۳	فرحت فرحت اللہ	۱۸۳
۱۹۵	عشقی سید ابوالحسن تانا شاہ	۱۴۶	فرخ فرخ علی	۱۸۷
۱۹۶	عطا محمد عطا	۱۴۳	فرست میرزا الف بیگ	۱۸۸
۱۹۷	عظیم محمد عظیم	۱۴۷	فروغ میر علی اکبر	۱۹۱
۱۹۸	عمدہ سیتا رام	۱۴۵	فریاد صاحب راے	۱۹۱
۱۹۹	عمر معتبر خاں	۱۴۶	فضل شاہ فضل علی	۱۸۷
۲۰۰	عیش مرزا محمد عسکری	۱۴۶	فغان اختر علی خاں	۱۴۹

ص	۱۵۳	سوزاں احمد علی خاں	۱۵۳
صادق میر جعفر خاں	۱۵۴	سید میر امام الدین	۱۵۵
صانع .	۱۵۴	سید میر باد علی	۱۵۶
صبر میر محمد علی	۱۵۷	شش	
صفدی .	۱۵۸	قلاوب الله خوش دقت رے	۱۵۹
صمصام الدوله خواجہ اعظم	۱۶۰	شاعر میر کھو	۱۶۱
صفت مثل خاں	۱۶۱	شانی ابن الدین	۱۶۲
ض	۱۶۲	شاکر محمد شاگر	۱۶۳
ضالک میر غلام حسین	۱۶۳	میر شاہ علی خاں	۱۶۴
ضیا میر ضیاء الدین	۱۶۴	شاہی شاہ قلی خاں	۱۶۵
ضیا مرزا ضیا بیگ	۱۶۵	شفا حکیم یار علی	۱۶۶
ط	۱۶۶	شفیع میر محمد شفیع	۱۶۷
طالع میر شمس الدین	۱۶۷	شورش میر غلام حسین	۱۶۸
طپش .	۱۶۸	شوق میر حسن علی	۱۶۹
طارگر گریہاری لال	۱۶۹	شہرت مرزا محمد علی	۱۷۰
ظ	۱۷۰	شہید مولوی غلام حسین	۱۷۱
ظاہر خواجہ محمد خاں	۱۷۱	شیدا میر فتح علی	۱۷۲
ظہور میر محمد باقر	۱۷۲		

۲۱۸	منظر مرزا جان جان	۲۲۲	۲۲۲	مخلص میر محمد باقر	۲۲۸
۲۳۱	مغز فطرت .	۲۲۳	۲۲۳	مخلص اندرام	۲۲۹
۲۲۷	معین شیخ معین الدین	۲۲۵	۲۲۵	مخلص دروغ لاراں خاں	۲۵۰
۲۳۸	مغوم رام جس	۲۲۳	۲۲۳	میر مدائش	۲۵۱
۲۲۸	لال .	۲۲۸	۲۲۸	مدعا میر عوض علی	۲۵۲
۲۲۹	ممتاز حافظ فضل علی ؟	۲۲۹	۲۲۹	مدلوش میر نبی جان	۲۵۳
۲۳۰	منبت میر قمر الدین	۲۲۷	۲۲۷	مرزا محمد حسن خاں	۲۵۴
۲۳۲	منظر محبت علی	۲۳۱	۲۳۱	مرزا مرزا علی رضا	۲۵۵
۲۲۶	منشی غلام محمد	۲۳۱	۲۳۱	مروت .	۲۵۶
۲۲۳	منعم .	۲۳۲	۲۳۲	مزل محمد مزل	۲۵۷
۲۲۲	موزوں خواجہ علی خاں	۲۳۲	۲۳۲	مستند یار علی خاں	۲۵۸
۲۲۳	موزوں راجا ایم زارن	۲۳۳	۲۳۳	مسکین خواجہ بخش اشہ	۲۵۹
۲۰۵	میر میر محمد تقی	۲۲۲	۲۲۲	مشاق میر حسن	۲۶۰
۲۲۳	میر میر خواجہ محمد میر	۲۲۹	۲۲۹	مشاق محمد قلی خاں	۲۶۱
۲۲۳	میر مدائش	۲۲۹	۲۲۹	مصطفی .	۲۶۲
۲۳۳	ناجی محمد شاکر	۲۲۵	۲۲۵	مصیبت خان غلام قطب الدین	۲۶۳
۲۳۳	نادر .	۲۲۹	۲۲۹	مضمون شیخ شرف الدین	۲۶۴
۲۳۴	نالاں میر ولف علی	۲۲۵	۲۲۵	مضمون سید امام الدین	۲۶۵
۲۳۳	نالاں میر احمد علی	۲۲۵	۲۲۵		
۲۳۳	نبی میر غلام نبی	۲۲۵	۲۲۵		

۲۰۳	گمان نظر علی خاں	۲۳۳	۱۴۸	فقیر میرزا لدین	۲۱۷
	ل		۱۹۱	فیض بیفوض علی	۲۱۸
۲۰۳	لسان میر کلیم الله	۲۳۳		ق	
۲۰۳	لطیف	۲۳۳	۱۹۸	قائم شیخ محمد قائم	۲۱۹
	م		۱۹۷	قدر محمد قدر	۲۲۰
۲۱۳	ایل محمدی	۲۳۵	۱۹۲	قدرت شاه قدرت الله	۲۲۱
۲۳۱	بستلا مولان علی خاں	۲۳۴	۱۹۸	قربان میر جون	۲۲۲
	متین	۲۳۷	۲۰۱	قرین شیخ برکت الله	۲۲۳
۲۲۸	مجنوب غلام حیدر	۲۳۸	۱۹۷	قلندر غلام قلندر	۲۲۴
۲۳۶	مخروح کشن چند	۲۳۹	۱۹۷	قلندر لاله بدہ سنگہ	۲۲۵
۲۱۹	مجنول میر سہایت علی	۲۴۰	۱۹۸	قناعت مرزا محمد بیگ	۲۲۶
۲۳۷	مجنول شاه مجنول	۲۴۱		ک	
۲۲۶	محبت مرزا حسن علی بیگ	۲۴۱	۲۰۳	کافر میر علی نقی مرزا بیگ	۲۲۷
۲۲۵	محب شیخ ولی الله	۲۴۲		کاکل شاه کاکل	۲۲۸
۲۳۶	محبت محبت خاں	۲۴۳	۲۰۳	کلیم شیخ محمد حسین	۲۲۹
۲۳۳	مخزول سید محمد حسین	۲۴۴	۲۰۱	ک	
۲۲۳	محسن (السا بادہ)	۲۴۵		کرتار	۲۳۰
۲۲۵	مختر	۲۴۶	۲۰۳	کریاں میر علی محمد	۲۳۱
۲۳۲	محقق	۲۴۷	۲۰۴		

مقدمہ

از سید مسعود حسن رضوی ادیب

اُردو و شہر و ادب کی تاریخ میں بارہویں صدی، ہجری کا نصف آخر
تذکرہ نویسی کی ہلکے کا موسم ہے، مقصد تذکرے اس زمانے میں لکھے گئے، جن میں
سے کچھ چھپ کر شائع ہو چکے ہیں، بعض کے قلمی نسخے کہیں کہیں موجود ہیں
اور بعض کا صرف نام باقی رہ گیا ہے۔ مثلاً کا تذکرہ گلشن سخن بھی اسی فصل کی
پیداوار ہے۔ اس عمدے دوسرے تذکروں کی طرح اس کی زبان بھی فارسی ہے
اور اس میں بھی شاعروں کے حالات کم اور ان کے کلام کا انتخاب زیادہ ہے۔
مثلاً اس کے دیباچے میں لکھتے ہیں :-

”چنانچہ بغاظر سید کہ از کلام زخمتہ گویان سابق و حال کہ برین زمان
کمال باشندہ قلم و ہندوستان دارند.... منتخب نمودہ صحیفہ جمع
عمید تلامذہ آن خیمستان محبوبان معنی حفظ وافر بردارند الحمد للہ
الحطایا کہ مانند ک زمین کہیاب گردیدہ و بہ مقصد رسید۔ چون مقدمہ نظر
بر ناخن جن انجلم الیغ کشود سنی بہ گلشن سخن نمود“

یعنی مجھے خیال آیا کہ سابق و حال کے زخمتہ گو جو اس زمانے میں ہندوستان میں
بہت شہرت رکھتے ہیں، ان کے کام کا انتخاب کر کے ایک کتاب تالیف کروں
تاکہ ”محبوبان معنی“ کے عاشق اس کے مطالعے سے بہت لطف اٹھائیں۔ خدا کا

۲۵۲	دلایت میروایت الله	۳۰۱	۲۴۳	نثار میر عبدالرسول	۲۸۳
۲۴۷	دلی شاه ولی الله	۳۰۲	۲۴۴	نثار سدا سکه	۲۸۴
۲۵۳	ولی مرزا محمد ولی	۳۰۳	۲۴۵	نجات شیخ حسن رضا	۲۸۵
۲۵۹	وہم میر محمد علی	۳۰۴	۲۴۶	نجف .	۲۸۶
۵			۲۴۷	ندیم شیخ علی قلی	۲۸۷
۲۶۲	باقف مؤامد ہاتف	۳۰۵	۲۴۸	نزار خواجہ محمد اکرم	۲۸۸
۲۶۱	بادی .	۳۰۶	۲۴۹	نظام شہا بلدین خاں	۲۸۹
۲۵۹	ہدایت شیخ ہدایت الله	۳۰۷	۲۵۰	نصیم نصیر الله	۲۹۰
۲۶۸	ہدایت ہدایت علی	۳۰۸	۲۵۱	نیاز میر افضل علی	۲۹۱
۲۶۱	ہمد .	۳۰۹	۲۵۲	نیرنگ دلا درخان	۲۹۲
۲۶۱	ہویدا میر محمد اعظم	۳۱۰		و	
۲۶۲	میر ہینگا .	۳۱۱	۲۵۳	دارث محمد وارث	۲۹۳
ی			۲۵۷	واصل محمد بن محمد	۲۹۴
۲۷۵	یار میر احمد	۳۱۲	۲۵۴	واقف میں ساجد خوری	۲۹۵
۲۷۵	یاس حسن علی خاں	۳۱۳	۲۵۶	والہ میر مبارک علی	۲۹۶
۲۶۴	یقین انعام الله خاں	۳۱۴	۲۵۷	دشت میر ابو الحسن	۲۹۷
۲۶۲	یکزنگ مصطفیٰ قلی خاں	۳۱۵	۲۵۸	دشت میر بادل علی	۲۹۸
۲۷۵	یکرو عبدالوہاب	۳۱۶	۲۵۸	مصل موٹا محاق	۲۹۹
۲۷۸	یونس .	۳۱۷	۲۵۹	دفا لافول داکے	۳۰۰

کے بعد اس کو مرتب کرنا ایک سال کے اندر ممکن ہے۔ گمان غالب ہے کہ ۱۹۲۳ء
مواد کی فراہمی کا نہیں، اس کی ترتیب کا سال ہے۔ اس تذکرے میں ایک واقعہ ایسا
بھی لٹا ہے جو ۱۹۲۳ء کے اختتام سے دس دن بعد پیش آیا یعنی مرزا مظہر کی وفات
جو ۱۰ محرم ۱۳۴۵ھ کو واقع ہوئی۔

تذکرے بالعموم غزل گو شعرا کے حالات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جن شاعروں نے
غزل کے ساتھ ساتھ کسی دوسری صنف سخن میں بھی طبع آزمائی کی ہو، ان کے حال
میں اس دوسری صنف کا بھی مثنیٰ ذکر آ جاتا ہے۔ گلشن سخن میں جن شاعروں کی نظمیں
قصیدوں، مساتی ناموں اور مرثیوں کا ذکر آتا ہے، ان کے نام اور کام حسب ذیل ہیں:-
مثنوی :

جعفر علی خاں ذکی : ”مثنوی ریختہ او مشہور (است)“
میر غلام حسین شورش : ”دیوانش چار ہزار بیت از قصیدہ و مثنوی و غزل است“
محمد قایم قایم : ”مثنویات متعددہ در سنگ نظم کشیدہ“
فدوی لاہوری : ”گویند یوسف وز لیلیا بزبان ریختہ نظم کردہ“

قصیدہ :

سودا : ”در جمیع فنون نظم خاصہ در قصائد دقت بسیار بہ کار بردہ“
شورش : ”دیوانش چار ہزار بیت از قصیدہ و مثنوی و غزل است“
مرزا جعفر علی حسرت : ”صاحب قصائد و غزلیات“

ساقی نامہ :

فقیہہ درو مند : ”ساقی نامہ ریختہ از زبان زدا نام است“
حمایت علی مجنون : ”ساقی نامہ حکم ذاب مبارک الدولہ ابن ذابا میر محمد جعفر
خاں مرحوم کا افضل نامہ بنگالہ است در سنگ نظم کشیدہ“

شکر ہے کہ تھوڑے سے وقت میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا اور جب یہ
 تالیف بخوبی انجام پاگئی تو اس کا نام گلشن سخن رکھا۔
 اس مقام پر مولف تذکرہ نے ایک قطعہ تاریخ لکھا ہے، جو حسب ذیل ہے۔
 اب وزنگ میں کاہی جو باغ ارم نہیں اس کے مقابل گلشن
 سال تالیف میں پوچھا ان سے جو تھیں فن کے سخن سنج کمن
 سب گئے کہنے کہ اک عمر کے بعد آج بھوٹا ہے سخن کا گلشن
 اس قطعے کا آخری مصرع مادہ تاریخ ہے، جس سے اس تذکرے کا سال تالیف ۱۱۱۹ھ
 نکلتا ہے۔ اس کے علاوہ پوری کتاب میں جاں جاں دوران تالیف کا کوئی واقعہ
 بیان کیا گیا ہے، وہاں تقریباً ہر جگہ الحال، الحال، تالیف زمان، کے ساتھ گیارہ
 سو چار انوے، ہجری لفظوں یا ہندسوں میں ضرور لکھا گیا ہے۔ اس سے بظاہر
 یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تذکرہ اسی سال میں شروع ہوا اسی میں ختم ہوا، جناب مرثی
 اس سلسلے میں کہتے ہیں:-

”یہ خیال کرنا ہے ہمارا ہو گا کہ اسی سال کے اندہ تالیف سے متعلق تاریخ
 ہو گیا تھا“

یہ تذکرہ تین سو اکیس شاعروں کے حالات اور ان کے منتخب اشعار پر مشتمل ہے۔ اتنے
 شاعروں کے حالات، وہ مختصر ہی سہی، فراہم کرنے اور ان کے کئی ہزار اشعار منتخب
 کرنے میں ایک سال سے بہت زیادہ وقت صرف ہوا ہو گا۔ کل مواد فراہم کرنے
 لئے سخن شہزادہ بزم سخن میں امداد شاعرانہ کے ہاں تذکرے کا ذکر ہے، مگر اس کا نام نہیں ہے۔ سربراہ سخن
 میں اس کا صحیح نام گلشن سخن تھا، لکھا ہے شہزادہ بزماد میں اس کا نام گلستان سخن لکھا گیا ہے، جو قطعاً غلط ہے۔
 گلستان سخن مرزا فاضل بخش مآثر کے تذکرے کا نام ہے۔

ملک دیباچہ دستور انصاف ص ۲

۷۲
اسی حالت میں بے ہوش ہو کر انتقال کر گئے۔

مرزا ظہور علی خلیق دہلوی کے والد مرزا ہوشیار اپنے عہد کے نامی مرثیہ گو تھے۔
ظہور علی بھی مرثیہ کہتے تھے اور مرثیے میں ظہور تخلص کرتے تھے۔ لیکن مجملہ نے ان کی
مرثیہ گوئی کا ذکر نہیں کیا ہے۔ ان کے بارے میں صرف یہ لکھا ہے:
”مرزا ظہور علی خلیق دہلوی خلیف مرزا ہوشیار در علم موسیقی و مرثیہ خوانی

دستگاہ تام دارد“

میر بجلی مخاطب بہ عاشق علی خاں عاشق متوطن دکن کا صرف ایک شعر نقل
کیا ہے اور لکھا ہے: ”این بیت او خون از گد دل می چکاند۔“ وہ شعر یہ ہے
ہیں شہید کر بلا سب سرخ پوش سسطے کی آل کا کیا رنگ ہے
یہ مرثیہ کا شعر معلوم ہوتا ہے۔

مبتلا نے ذیل کے شاعروں کی نثر نگاری اور انشا پردازی کی بھی تعریف
کی ہے:

میر جبار علی بسمل: ”در نثر سلیقہ دارد“

محمد روشن جو ششش: ”در نظم و نثر صاحب استعداد“

نوروش وقت رائے شاد آب: ”انشا خوب می نوشت“

میر عیوض علی مدعا: ”در طبابت و انشا پردازی قدرت داشتہ“

واضح ہو کہ مولف تذکرہ جب ”انشا“ کا لفظ ”رہختہ“ کے ساتھ لیتا ہے تو ”رہختہ“ کے
معنی اُردو و غزل اور ”انشا“ کا مفہوم لکھنا یا کہنا یعنی تصنیف کرنا ہوتا ہے۔ چند مثالیں
ملاحظہ ہوں:

نیک چہد بہار: ”گا ہے رہختہ ہم انشا نمود“

مرثیہ:

خواجہ امام بخش ہامی عظیم آبادی: ”در مرثیہ گوئی سید الشہداء کے وفات بسر

می برد“

خواجہ برہان الدین آٹمی دہلوی: ”مرثیہ ہندی خوب می گفت“
 خلیفہ سکندر: ”در مرثیہ گوئی سلیقہ درست دارد“
 محمد علی صبر: ”اکثر مرثیہ حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام انشائی کند“
 میرنول حیران عظیم آبادی: ”در مرثیہ گوئی مہارت خوب داشت و مظلوم غلص

می کرد“

شیخ حسن ضانجات دہلوی: ”مرثیہ سید الشہداء علیہ السلام بیشتر می گوید“
 شیخ علی قلی ندیم دہلوی: ”اکثر مرثیہ سلام حضرت سید الشہداء بزبان رنختہ می گفت“
 مرزا اسحاق وصل لکھنوی: ”اکثر مرثیہ سید الشہداء اقصیٰ می نماید“
 میر محمد اعظم ہویہ دہلوی: ”اکثر مرثیہ امام ہمام علیہ السلام می گوید“
 مصطفیٰ قلی خاں یک رنگ دہلوی: ”در مرثیہ سید الشہداء علیہ السلام گفتم
 زخمی بزرگ گل بن شہیدان کر بلا گلزار کی منظر بیابان کر بلا
 کھانے چلاہو تیغ ستم ظالموں کا دھوا تھ زندگی ستمی سہان کر بلا
 اندھیر ہو جہاں میں کاشا میوں کا ہر سر بریدہ شمع شبستان کر بلا“
 خواجہ آٹمی کے فرزند سیرامی دہلوی مرثیہ گو تھے، مگر ان کے متعلق مبتلانے
 مرت یہ لکھا ہے۔

”در مرشد آباد بہ تعزیرہ داری سید الشہداء علیہ السلام منتغال داشت۔

مشہور است کہ شبے دین تعزیرہ بے ہوش گردیدہ بہ بہشت خرامید“

یعنی مرشد آباد میں سید الشہداء کی عزاداری میں مشغول رہتے تھے۔ مشہور ہو کہ ایک رات کو

کو ایک خط لکھا۔ ۲۴ مارچ ۱۹۲۲ء کو ایک خط کے ذریعے سے یاد دہانی کی اور ۲۴ فروری ۱۹۲۳ء کو تذکرے کی نقل ان کو وصول ہو گئی۔ اس نقل کو مرحوم نے میرے پاس بھیج دیا۔ اس طرح اب اس تذکرے کے تین نسخے موجود ہو گئے، ایک کھنوی، دوسرا رام پوری اور تیسرا رام پوری نسخے کی نقل۔ ہم اختصار کی غرض سے ان نسخوں کا ذکر علی الترتیب نسخہ ۱، نسخہ ۲ اور نسخہ ۳ کے نام سے کریں گے۔

نسخہ ۱ بہت کچھ صحیح ہے اور کاتب کی دست برد سے بالکل محفوظ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن وہ دونوں طرف سے کم ہے۔ اس میں کل ۲۰۹ شاعروں کا حال ہے۔ پہلا شاعر آملہ دہلوی خلف خواجہ میر درد اور آخری شاعر حمایت علی مجنوں ہے۔ نسخہ ۲ کے بارے میں عرضی صاحب لکھتے ہیں:

”کتاب خانہ عالیہ رام پور میں اس تذکرے کا ایک قلمی نسخہ پایا جاتا ہے، جسے نہایت بدخط اور غلط نویس کاتب نے نقل کیا ہے۔“

اس نسخے میں آلم سے پہلے اٹھائیس شاعر اور مجنوں کے بعد اسی شاعر اور میں یہ نسخہ بظاہر مکمل، مگر حقیقت بہت ناقص ہے۔ اس نسخے کا مقابلہ نسخہ ۱ سے کیا گیا تو معلوم ہوا کہ مرزا الف بیگ فرحت الہ آبادی کے احوال و اشعار تک دونوں نسخے تقریباً یکساں ہیں۔ قابلِ لحاظ فرق صرف اتنا ہے کہ جنوں دہلوی اور محمد علی شہمت کا ذکر نسخہ ۱ میں ہے۔ پورے میں نہیں ہے۔ لیکن فردوسی دہلوی اور فردوسی لاہوری سے نسخہ ۱ میں شاعروں کے حالات مختصر کر دیے گئے ہیں اور ان کے بہت بہت سے شعر چھوڑ دیے گئے ہیں۔ اس حذف و اختصار کی سب سے نمایاں مثال میر کے ذکر میں ملتی ہے۔ میر کا حال نسخہ ۱ میں حسب ذیل ہے:-

۱۔ فردوسی جہانگیر کے تینوں خط رسالہ نقوش ۵، ۶ اور ۷ سال ۱۲۷۶ھ میں شائع ہو چکے ہیں۔

۲۔ دیباچہ دستور انصاف ص ۲۷

مغش علی حسنت: ”تختہ ہم گاہ ہے..... انشامی کند“

محمد علی حسنت: ”در انشائے تختہ سلیحہ نیکو داشت“

سبارک علی وآلہ: ”انشائے تختہ می نماید“

محمد اعظم ہویدا: ”گاہ ہے انشائے تختہ می پر طازد“

انشا کا لفظ اسی معنی میں غزل اور مرثیہ کے لیے بھی آیا ہے۔ مثلاً مرزا

علی رضا تنہا: ”گاہ گاہ غزلے انشامی کند“

محمد علی صبر: ”اکثر مرثیہ..... انشامی کند“

گلشن سخن سے پہلے اردو شاعروں کے کئی تذکرے لکھے جا چکے تھے، لیکن مبتلا نے فقط میر تقی میر کے تذکرے کا صرف دو جگہ ذکر کیا ہے۔ میر کے حال میں لکھا ہے: ”تذکرہ مختصر شمل بر جوال و اشعار تختہ گو یاں تالیف نمودہ“۔ جنوں دہلوی کے اشعار نقل کرنے سے پہلے لکھا ہے: ”ابیات کہ از تذکرہ میر محمد تقی میر نقل نمودہ بہ تحریری آرد“۔ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مبتلا نے میر کا تذکرہ دیکھا تھا اور گلشن سخن کی تالیف کے وقت وہ ان کے پیش نظر تھا۔ کسی اور تذکرے کا ذکر نہیں ہے، البتہ مرزا سودا کے شاگرد میر فخر الدین فخر کے والد اشرف علی خاں کو تذکرہ نویس لکھا ہے، لیکن معلوم نہیں کہ یہاں تذکرے سے تذکرہ شعر مراد ہے یا کچھ اور۔

گلشن سخن کا ایک قدیم قلمی نسخہ کھنڈو میں حکیم سید علی آشفق سے مجھ کو ملا اور میں نے اس پر ایک مضمون شعر اُردو کا ایک قدیم تذکرہ کے عنوان سے لکھا تھا جو اب سے تیس برس پہلے دسمبر ۱۹۳۳ء میں رسالہ ہمایوں لاہور میں شائع ہوا۔ اس کے چند سال بعد مولوی عبدالحق مرحوم نے مجھ سے اس تذکرے کو مرتب کرنے کی فرمائش کی۔ اس کا ایک قلمی نسخہ ضالہ بٹری، رام پور میں بھی تھا۔ اس کی نقل کے لیے مولوی عبدالحق نے ”دسمبر ۱۹۳۳ء کو لاہور بٹری کے ناظم مولوی امتیاز علی خاں عرشی

۲۳
و خلافت سخن دران معاصرین خویش است“

میرحایت علی مجنوں کا حال نسخہ ۷ میں یہ ہے :-

”میرحایت علی مجنوں ہلش دہلی و بالفعل از مدے مقیم مرشد آباد و شاگرد
شاہ قدرت اللہ است حراتی نادر بہ حکم نواب مبارک الدولہ ابن نواب
میر محمد جعفر خاں مرحوم کہ بالفعل ناظم بنگالہ است، درسلک نظم کشیدہ۔
میر مسعود در فن سخن پردازی نیسے دانا و ہوشیار است از دوست“

اور نسخہ ۷ میں صرف یہ ہے :- ”میرحایت علی مجنوں ہلش از دہلی و بالفعل از مدے
مقیم مرشد آباد است“ مرزا منظر کا حال نسخہ ۷ میں آٹھ نو سطوروں میں ہے اور نسخہ
۷ میں صرف ان کا نام لکھ دیا گیا ہے :- ”منظر دہلوی آتش مرزا جان جال“
نسخہ ۷ میں اسی طرح بہت سے شاعروں کے حال میں نسخہ ۷ کا صرف پہلا
جملہ نقل کر دیا گیا ہے۔ بعض شاعروں کا صرف نام لکھ دیا گیا ہے اور شعراے ذیل کا
ذکر بالکل نہیں کیا گیا ہے :-

میر فیض علی فیض، میر علی امجد گریاں، اگر قنار،

حایت علی مجنوں نسخہ ۷ کا آخری شاعر ہے۔ نسخہ ۷ میں مجنوں کے بعد اسی شاعر اور ہیں۔
قرینے ایسے موجود ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان شاعروں کے حالات اور اشعار
میں کمی ضرور کی گئی ہے۔ لیکن اس کمی کو پورا کرنے کا کوئی ذریعہ فی الحال موجود نہیں ہے۔
ابھی جن قرینوں کا ذکر کیا گیا ہے، ان کی کچھ تفصیل لکھی جاتی ہے۔ مولف تذکرہ
کے بار در نسبتی بدیع الزماں خاں مخلص ایک خوش حال آدمی تھے۔ میر حسن ان کے حال
میں لکھتے ہیں :-

”بدیع الزماں خاں مخلص بہ نعلین جوانست حسین عمدہ روزگار۔

اصل او از شاہ جهان آباد است۔ مدے در خدمت فراش خانہ سرکار

”میر محمد تقی تخلص بہ میر شاگرد سراج الدین علی خان آرزو مست۔ طوٹش

اکبر کلامد و نشوونما در دار الحکومت شاہ جهان آباد یافتہ۔ زکا، ذہن و علو
فطرت و درستی نظم و صفائے فکر از کلام دل نشینش سبب ہوا۔
الحی دین زبان سرآمد بخندہ گویان می توین شمر و۔ از اقام فنون سخن گسری
در غزل گوئی بے مثل، واحدے را بجال نسبت کہ دم از ہم سری او تو اندزد۔
بر فرد غزلش کہ دیشوخی و رعنائی برجستہ تر از غزلان سخن است، محرابے
دلہائے شکاربان بچیر معانی را لہر آگاہ خود ساختہ۔ مسموع شدہ کہ در شاہ
جهان آباد تا حالت خمر بر این گلشن سخن کہ نہ یک ہزار و یک صد و نو دو
چار ہجریست سلامت استقامت دارد۔ تذکرہ مختصر مثل بر احوال
و انتخاب اشعار بخندہ گویان تالیف نودہ۔ دیوان فصاحت بنیانش
چار پنج ہزار بیت و این ابیات زبدہ آنست :

اور نسخہ ۲ میں اس عبارت کا صریح پہلا فقرہ ہے یعنی ”میر محمد تقی میر شاگرد سراج الدین
علی خان آرزو مست“ نسخہ ۱ میں میر کے دو سو چوبیس شعر ہیں اور نسخہ ۲ میں صرف
تیس شعر ہیں۔ قدرت کا حال نسخہ ۱ میں حسب ذیل ہے۔

”قدرت دہلوی کا شہنشاہ قدرت اللہ زبدہ نکتہ سخنان و خلاصہ
سخنوران معاصرین خویش است۔ تنظیم بخندہ معنی بندی و فصاحت کند
نہ می دہد غرض سخن و صاحب اقتدار بلاغت شعار است از دہلی بہ
مرشد آباد رسیدہ توطن اختیار نمود۔ تاحال همان جا بہ ادا ناظم آن دیار
بسی رہا۔ اشارش از ہزار بیت تجاوز دیدہ شد۔ از سخن ہائے لطیف
و پاکیزہ اوست“

اور نسخہ ۲ میں صرف اتنا ہے : ”قدرت دہلوی کا شہنشاہ قدرت اللہ زبدہ نکتہ سخنان

یہ کونکر ہو سکتا تھا کہ مبتلا غلص کے استاد اور ان کے گھر کے ایک پروردہ
کا حال اس تفصیل سے لکھیں اور غلص کا صرت نام بتانے پر اکتفا کریں۔ اُن سے اپنی
قرابت تک کا ذکر نہ کریں۔

معصی کا مرتبہ شاعری گلشن سخن کی تالیف کے وقت سلم ہو چکا تھا میر حسن
اُن کا ذکر یوں کرتے ہیں :-

”بہارستان باغ سخن دانی و چہستان گلزار دانی شیخ ہمدانی المتخلص بہ معصی
صحیح روایت جدول کتاب فصاحت و فکر بیانش سطر بایض بلاغت
زنجینی نقش سرنخی باب گلستان و بچیدگی الفاظ چون سنبل بوستان
..... از دیوان او دوسہ جزو بہ نظر در آمد۔ قصیدہ و غزل و ثنوی
بہ خوب، کلامش بیشتر شاعرانہ“

لیکن گلشن سخن کے نسخہ ۱۷ میں معصی کے لیے صرت یہ لفظ ملتے ہیں ”معصی از شرف
امروہ است در دہلی“ اور ان کے صرت چار شعر نقل کیے گئے ہیں۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خود مولف تذکرہ مبتلا کے بارے میں صرت ایک
فہرہ مختار ہی مبتلا نے اپنے فارسی گو شعرا کے تذکرے میں اپنی ابتدائی زندگی کا حال
کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ تذکرہ اکیس بائیس برس کی عمر میں لکھا گیا تھا اس میں
ابتدائی زندگی ہی کا حال لکھا جاسکتا تھا۔ گلشن سخن اس کے تینتیس برس بعد چھپا
پچیس برس کی عمر میں لکھا گیا اس میں مولف نے اپنے حالات تفصیل سے ضرور لکھے ہوں۔
لیکن اس کے نسخے ۱۷ میں شعرا کے ذیل میں مبتلا کا ذکر صرف ان چند لفظوں میں ملتا ہے،
”مبتلا غلص ابن رافع آرم کہ سبے بہ مردان علی خان است“ ان چند مثالوں سے
ظاہر ہوتا ہے کہ گلشن سخن کے نسخہ ۱۷ میں آخر کے اسی شاعروں کے حالات اور شمار

نواب عالیہ سرفراز بود۔ از چندے معزول شدہ بہ وطن خود رفت۔
از شاگردان شاہ واقف۔ جستہ جستہ خوب می گوید۔ با فیر نیز گنناست

خدا سلامت دارد

گلشن سخن کے نسخے نمبر میں دو جگہ ضمنی طور پر مخلص کا ذکر ملتا ہے۔ مطلقہ عبارتیں
نقل کی جاتی ہیں :-

”ذکر امش حسین دوست، توطن مراد آباد بمبعل چند سال در شاہ جاں
آباد میر سرفراز خسرو کے راقم مرزا محمد رفیع مطلق و بدیع الزماں خاں
بود۔ مدد فرمایند و شعر فہم خوب۔ و در صرف و نحو فی الجملہ مہارت داشتند
بہ قدرت گاہے شعرے می گفت“

”واقف شاہ دہلوی نامش بیان عاشوری۔ از مغربن بامادر خود از
مسلمانان خسرو بن مولف بدیع الزماں خان و ہم کتب ایشان بودہ
و در ہان خانہ پیدوش یافت۔ بہ حسن تربیت میر حسین دوست مراد آبادی
کہ معلم خان ملکہ بود بہرہ از علوم رسمہ برداشت و در فیض آباد و خستہ پیدا
کرد و ترک لباس نمود۔ لیکن شب و روز بدیع الزماں خاں می بود۔
تا آنکہ بہ خواندن دعوت نایب شجاع الدولہ بہادر وارد پیرہ انداختند
در آن حالت غزلیے گفت کہ مخلص اینست :

دور یہ آیکہ میں شاہ و گدا پھر میں بے خطا پھر میں و اہل خطا پھر میں
آنا خوار قید ہائی یافت۔ اکنون در گھنہا قامت دارد و طرز گفتگویش
بہ آئین شایستہ و پسندیدہ شعر است۔“

اور مخلص کے حال میں صرف یہ فقرہ ملتا ہے ”مخلص امش بدیع الزماں خاں۔“

اعتبار کر کے اس ترتیب سے لکھا گیا ہے جس ترتیب سے ڈکشنری میں الفاظ درج کیے جاتے ہیں۔ کتاب کے آخر میں اشاریہ شامل کر دیا گیا ہے، جس میں تین فہرستیں ہیں یعنی آدمیوں کے نام، مقاموں کے نام اور کتابوں کے نام۔

مولف تذکرہ

تذکرہ گلشن سخن کے مولف مبتلا ایک ذی عزت اور عالی خاندان شخص تھے۔ شورش نے لکن کا نام پوچھا ہے، خان عزت نشان میر مردان علی خاں اور عشقی نے ان کو 'از عمدہ زادگان کریم النسب و صحیح الحسب' بتایا ہے۔ خود مبتلا نے فارسی گو شعرا کا جو تذکرہ لکھا ہے، اس میں اپنا حال اس طرح شروع کر دیا ہے: "مبتلا تخلص کا تب حروف است" اپنا نام نہیں لکھا ہے۔ لیکن اس تذکرے کا جو نسخہ پنجاب یونیورسٹی بلاہور کے کتب خانے میں موجود ہے اور جو اس کی تالیف کے صرف چلہ پانچ سال بعد نقل کیا گیا تھا، اس کے کاتب نے نسخے کے آخر میں مبتلا کا نام مردان علی خاں لکھا ہے۔ گلشن سخن میں خود مولف نے اپنا نام مردان علی خاں بتایا ہے۔ سخن شعرا (۱۲۸ھ) مجمع البحرین (غالباً ۱۲۹۲ھ) اور بزم سخن (۱۲۹۷ھ) میں بھی یہی نام ملتا ہے۔ تذکرہ شورش (۱۱۹۱ھ) میں اس نام کے شروع میں لفظ 'میر' اور "گلشن بے ظہر" (۱۲۵۰ھ) میں نام کے آخر میں لفظ بیگ، بر حاد یا گیا ہے۔ سراپا سخن (۱۲۶۹ھ) میں مراد علی خاں ہے، جو غالباً کتابت کی غلطی ہے۔ تذکرہ عشقی (۱۱۹۷ھ یا بعد) میں مبتلا کو مخاطب بہ مردان علی خاں لکھا ہے۔ روز روشن میں 'میرزا کاظم' مخاطب بہ مردان علی خاں ہے، جس کی تائید نشر عشق (۳۳-۱۲۲۲ھ) سے ہوتی ہے۔ اس تذکرے میں لکھا ہے کہ مبتلا کا اصلی نام میرزا کاظم ہے۔ ذاب منصور خاں صفدر جنگ نے لکن کو 'مردان علی خاں' خطاب دیا تھا۔ نتائج الامکار (۱۲۵۰ھ)

میں بہت کمی کر دی گئی ہے۔

یہ کیفیت نسخہ ملکی ہے۔ اب اس کا حال ہے۔ نسخہ ملائے کاتب نے جو جزئیات ملائے ساتھ کی تھی وہ اس کے کاتب نے اس کے ساتھ کی یعنی حالات اور اشعار جو پہلے ہی کم کیے جا چکے تھے ان میں اور کمی کر دی۔ یہ نسخہ فرحت کے حالات تک اس کے مطابق ہی۔ لیکن فرحت کے اشعار اور فراق کے حالات سے تخفیف و تعلیل کا عمل شروع ہو گیا ہے۔ بعض جگہ کئی کئی صفحے چھوٹ گئے ہیں۔ اس کے نتیجے میں بہت سے شاعروں کا ذکر تذکرے سے خارج ہو گیا ہے۔

نسخہ ۳ میں جو چیزیں کم کر دی گئی تھیں وہ اس سے متاثرہ کر کے بلوری کر دی گئیں۔ پھر اس کا مقابلہ ۱ سے کر کے وہ تمام عبارتیں اور اشعار بڑھا دیے گئے جو نسخہ ۱ میں چھوڑ دیے گئے تھے۔ اس طرح یہ تذکرہ مکمل کر لیا گیا، لیکن نسخہ ۱ کا جتنا حصہ غائب ہو گیا ہے اس کے لیے اس کے اندراجات پر قناعت کرنا پڑی ہے۔ جن میں یقیناً بہت کمی کر دی گئی ہے، مگر اس کمی کو پورا کرنے کا کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے۔

تذکرے کی امکانی تکمیل کے بعد تصحیح کی دشوار گزار منزل تھی۔ بدخط اور غلط نویس کاتب کی تحریر پڑھنے میں آنکھوں سے زیادہ دماغ سے کام لینا پڑتا ہے۔ اس تذکرے کی تصحیح میں بڑی دیدہ ریزی اور دماغ سوزی کرنا پڑی، پھر بھی کچھ الفاظ مشکوک رہ گئے۔

مولف تذکرہ نے شاعروں کے تخلصوں میں صرف پہلے حرف کے اعتبار سے اہمائی ترتیب قائم کی ہے اور جیم فارسی سے شروع ہونے والے تخلصوں کو جیم عربی کے تحت میں رکھا ہے۔ متن کتاب میں یہی ترتیب رہنے دی گئی ہے، لیکن کتاب کے شروع میں شاعروں کی جو فہرست دی گئی ہے اس میں تخلصوں کو ان کے تمام حرفوں کا

صفر جنگ بہادر نے محمد علی خاں کی مستعدی، دولت خواہی اور حسن خدمت کو دیکھ کر اُن کو حضور شاہ فردوس آرام گاہ سے بیچ ہزاری منصب اور بہادری کا خطاب دلوا یا اور اپنی نیابت میں الہ آباد کا صوبہ دار مقرر کر دیا۔ اُس مردم شناس وزیر (صفر جنگ) کے انتقال کے بعد محمد علی خاں نے بنگالے کا رخ کیا اور نواب جعفر علی خاں اور نواب عالی جاہ قاسم علی خاں والی بنگالہ کی سرکار میں بڑی عزت اور اعتبار کے ساتھ عمر بسر کی یہاں تک کہ ۱۱ جمادی الاول ۱۱۷۱ھ کو سفر آخرت اختیار کیا اور شاہ اربزان کی دگاہ میں دفن ہوئے۔ تذکرہ روز روشن میں محمد علی خاں کے یہی حالات کسی قدر اختصار کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔

مبتلا کے دادا امیر محمد شہیدی نواب برہان الملک سعادت خاں نیشاپوری کے ہمراہ محمد محرز الدین جلال دارشاہ کے عہد میں دہلی میں وارد ہوئے اور فرخ سیر بادشاہ کے زمانے میں ملازمان شاہی میں داخل ہوئے۔ خیمہ شاہ کے عہد میں ان کا انتقال ہوا۔
تذکرہ روز روشن میں ہے کہ مبتلا کے دادا کا نام میر کرم علی خاں شہیدی تھا۔ وہ بہادر شاہ ظفر عالمگیر بادشاہ کے آخر عہد میں ہندوستان آئے اور شاہی فشیوں کے زمرے میں داخل اور خطاب خانی سے متاثر ہوئے۔

مبتلا گھنٹوں میں پیدا ہوئے سُن کی پیدائش کا سال تذکرہ روز روشن میں ۱۱۴۴ ہجری بتایا گیا ہے۔ مبتلا نے فارسی گو شعرا کا تذکرہ ۱۱۶۱ھ میں تالیف کیا اور اُس وقت انھیں کے قول کے مطابق ”نہیں عمر از بست تجاوز کر دے“ یعنی ان کی عمر بیس سال سے اوپر تھی۔ اگر اس سے ان کی عمر اکیس برس مانی جائے تو ان کا سال ولادت ۱۱۴۳ھ قرار پاتا ہے۔ تذکرہ عشق سے معلوم ہوتا ہے کہ مبتلا کی نشوونما دہلی میں ہوئی۔ نشتر عشق میں ہے

۲۸
 سے اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ شاہ اودھ کے کتب خانوں کی فہرست (۱۷۵۰ء) میں ڈاکٹر اشپیرنگر نے مبتلا کا نام مرزا قاسم، خطاب میر مردان علی خاں اور وطن دہلی بتایا ہے۔ بہر حال یہ امر یقینی ہے کہ مبتلا کا نام میرزا کاظم اور خطاب مردان علی خاں تھا۔

مبتلا کی ولایت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ انھوں نے خود اپنے فارسی گو شعرا کے تذکرے میں اپنے والد کا نام محمد علی بن محمد الشہدی بتایا ہے اور لکھا ہے کہ بادشاہ نے ان کے نام پر خان بہادر کا اضافہ کر دیا تھا، اس لیے وہ محمد علی خاں بہادر مشہور ہوئے۔ اور گلشن سخن میں اپنا نام مع ولایت کے یوں لکھا ہے، ”مردان علی خاں متخلص بہ مبتلا ابن محمد علی خاں بہادر مغفور“۔ نثر عشق، نتائج الافکار اور سراپا سخن میں ان کا نام محمد علی خاں، لکھا گیا ہے۔ فہرست اشپیرنگر، سخن شعرا اور بزم سخن میں نواب محمد علی خاں، ہے۔ مبتلا نے اپنے فارسی گو شعرا کے تذکرے کے دیا ہے جسے میں لکھا ہے:-

”والد عالی قدر کہ منصب پنج ہزاری سرفرازی دارند.....“

نتائج الافکار میں ہے:-

”از پیش گاہ احمد شاہ بہ منصب پنج ہزاری و خطاب بہادی اقبال داند وخت“

تذکرہ عشقی میں ہے کہ نواب محمد علی خاں نے نواب برہان الملک اور نواب صفدر جنگ بہادر کی سرکار میں خدمات شایستہ سے اختصاص کی عزت پائی تھی۔ نثر عشق میں ان کا کسی قدر تفصیلی حال یہ لکھا ہے کہ محمد علی خاں نواب برہان الملک کی سرکار میں منشی تھے۔ ان کی وفات کے بعد جب ان کے داماد منصور خاں صفدر جنگ کو بادشاہ سلطانی سے منصب وزارت اور صوبہ اودھ مرحمت ہوا تو ان کی سرکار سے محمد علی خاں نے اقتدار اور کثیر دولت حاصل کی۔ فوجوں کے سپہ سالاروں میں انھوں نے بڑا نام پیدا کیا اور اکثر خدمات اور نمایاں فتوحات ان کے زور بازو سے صورت پذیر ہوئیں۔ نواب

مرشد آباد، غازی پور اور بنارس میں گزرا۔ نشر عشق میں ہے: "تولد مردان علی خاں -
 .. دیگھنؤ اتھاق افتاد" خارج الافکار میں ہے: "ولادتش در گھنور و نود"
 روز روشن میں ہے: "در شہر گھنور تولد شد" تذکرہ عشقی میں ہے: "بہ دار الخلفہ -
 شاہ جہان آباد نشو و نما ہم رسانید" سر پاشن میں ہے: "بتلا خلیف محمد علی خاں، امرا
 زمانہ سابق سرکار غازی پور" اس سے مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ محمد علی خاں زمانہ سابق میں
 سرکار غازی پور کے امیر تھے۔ شاید اسی بیان کی بنا پر سخن شعرا میں مبتلا کو، رئیس قدیم
 غازی پور اور بزم سخن میں، متوطن غازی پور لکھا گیا ہے۔ لیکن مبتلا کو غازی پور کا قدیم
 رئیس کہنا اور غازی پور کو ان کا وطن قرار دینا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ سخن شعرا میں
 مبتلا کو، مقیم بنارس، اور بزم سخن میں، باشندہ بنارس، لکھا گیا ہے۔ مبتلا کا قیام کچھ مدت
 تک بنارس میں رہا تھا، لیکن اس کی بنا پر انھیں بنارس کا باشندہ نہیں کہا جاسکتا۔
 تذکرہ عشقی (۱۱۹۷ھ یا بعد) میں ہے کہ وہ ان دنوں انقلاب زمانہ کی وجہ سے بنارس
 میں پریشاں حالی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اس کی اصل عبارت یہ ہے:

"الحال بسبب انقلاب روزگار غدار۔۔۔ مبتلا عبرت و فطرت

گردیدہ در شہر بنارس بہ تلخ کامی می گزارد"

مبتلا کے تذکرے گلشن سخن میں بعض شاعروں کے حالات میں ایسے فقرے آگئے ہیں،
 جن سے ان کے دہلی، عظیم آباد اور مرشد آباد میں قیام کا پتا چلتا ہے۔ ذیل میں ایسے
 چند جملے نقل کیے جاتے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مبتلا کا قیام دہلی میں رہ چکا ہے،
 گراب نہیں ہے:

آٹمی - فقیر ہم دے رادر شاہ جہان آباد دیدہ بود۔

تاہاں - میر مسطور رافقیر ہم در عہد محمد شاہ مغفور دیدہ بود۔

رتوا - راقم دے رابار ہاہاں صورت دردہلی دید۔

کہ علم ہی مولوی وجیہ الدین نظام آبادی سے حاصل کیا اور علم فقہ اور علم نحو میں امتیاز بہم پہنچایا۔ انھیں مولوی صاحب سے اپنے نظم و نثر کلام پر اصلاح لی۔ نسخ اور نستعلیق خط اچھا لکھتے تھے اور استادوں کے دیوانوں کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ نتائج الانکار میں بھی قریب قریب یہی سب باتیں لکھی گئی ہیں۔ صرف اتنا اور لکھا گیا ہے کہ اکثر شعرا سے شغل عبدالرضا ستین وغیرہ کے، مبتلا کی صحبت رہی اور انھوں نے بارہویں صدی ہجری کے اواخر میں انتقال کیا۔ روز روشن میں ہو کہ مبتلا نے خط نستعلیق کی مشق میرزا محمد حسن دہلوی سے کی اور خوش نویسی میں دستگاہ بہم پہنچائی۔

مبتلا نے فارسی گو شعرا کے تذکرے میں اپنے بارے میں صرف اتنا لکھا ہو کہ میں نے اپنی عمر فضلا اور اہل کمال کی خدمت میں گزار دی اور ان کے فیض سے اپنی استعداد کے موافق بہرہ ور ہوا والدینج ہزاری منصب پر فائز تھے۔ مجھ کو دنیا داری کے اشغال میں مشغول نہیں ہونا پڑا۔ میں کبھی خطوں کی مشق کرتا اور میر عماد الحسنی کا قبیح کرتا تھا۔ نسخ اور نستعلیق دونوں خط اچھے لکھنے لگا۔ کبھی بزرگان سابق کے دیوان دیکھتا اور شعرا سے ہم عصر کی صحبت میں رہتا تھا۔ انھیں کے ارواح طیبہ اور انفاس عالیہ کی بدولت میری طبیعت شعر کہنے کی طرف مائل ہوئی اور میں نے اپنے بڑے بھلے اشعار مرتب کر ڈالے۔

گلشن سخن کے دیباچے میں لکھا ہے:-

”مولف از آغاز شباب..... اوقات گرامی خود را..... بگلفن و خواندن

کلام فارسی کہ زبان آباد اجداد است صرف نمود“

یعنی مولف نے آغاز شباب سے اپنا قیمتی وقت فارسی اشعار لکھنے اور پڑھنے میں صرف کر دیا، کیونکہ فارسی آباد اجداد کی زبان ہو۔

قرینوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مبتلا کی عمر کا کچھ کچھ حصہ لکھنؤ، دہلی، عظیم آباد،

لے نتائج الانکار میں نظام آبادی جون پوری ہے۔

۳۳
 اظہر دہلوی۔ شعر فارسی خوب می گفت و با فقیر ہم دوستی داشت۔
 مرزا عباس علی خاں۔ با راقم خاں مذکور دوستی و مہربانی مفرط
 داشت

فدوی۔ با راقم آشنا۔

قرین۔ با فقیر رابطہ اتحاد و دوستی دارد۔

انشا۔ راقم حروف۔۔۔۔۔ یہ والد ایشان آشنا بود۔

میر غلام نبی بلگرامی۔ با مولف رابطہ دوستی بدرجہ اتم بود۔
 مبتلا نے اپنے قربات واروں میں سے صرف دو کا ذکر مٹنا کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

”ذکر امش میر حسین دوست ابن میر علی دوست متوطن مراد آباد، سنبل۔

چند سال بدخواہ جہاں آباد میر مسطور مدرس خسر لودہ ہے راقم مرزا محمد رفیع

خاں و بدیع الزماں خاں بود“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مبتلا کے دو برادر نسبتی مرزا محمد رفیع خاں اور مرزا بدیع الزماں
 خاں دہلی میں رہتے تھے اور میر حسین دوست ذکر سنبل نے کئی سال ان کو پرہا یا تھا۔
 بدیع الزماں خاں شاعر تھے اور مخلص مخلص کرتے تھے میر حسین دوست نے فارسی گو
 شاعروں کا ایک تذکرہ لکھا ہے جس کا نام تذکرہ حسینی ہے۔ مگر مخلص کا اس میں ذکر نہیں کیا
 ہے۔ شاید اس کا سبب یہ ہو کہ مخلص فارسی کے شاعر نہیں تھے۔ میر حسن اپنے تذکرے میں
 مخلص کے بارے میں لکھتے ہیں:

”بدیع الزماں خاں المخلص مخلص جوانے است حسین عمدہ روزگار۔ اصل

افاز شاہ جہاں آباد است، مدتے در خدمت فراش خانہ سرکار نواب عالیہ

سرفراز بود۔ از چندے معزول شد بہ وطن خود رفت۔ از شاگردان شاہ قلیا

جہ حبیبہ خوب می گوید۔ با فقیر نیز آشنا است۔ خدا سلامت داد و ۴

منظر۔ قبل ازین مسوع شد کہ یکے از ساکنانِ دہلی دے را کشت۔
تیسر۔ مسوع شد کہ در شاہ جهان آباد تا تحریر این گلشن سخن۔
... بہ سلامت استقامت دارد۔

ندیم۔ راقم درد، ملی ایشان را اکثر دیدہ بود۔
غلام نبی بگرامی۔ ہر روز درد ملی اتفاق ملاقات می شد۔
یقین۔ راقم دے را درد ملی بار بار دید۔
ذیل کی عبارتوں میں آمد اور آمدہ کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو کچھ وقت
مبتلا عظیم آباد یا مرشد آباد میں موجود تھے؛

سیلمان بیوطن دہلی۔ عظیم آباد آمدہ شاگردی اشرف علی خان
نفاں اختیار کرد۔

میر شاہ علی خاں دہلوی۔ بہ زمانہ دہلی نواب عالی شاہ میر
محمد قاسم خاں عظیم آباد آمدہ۔

دردمند۔ حسب الطلب نواب شہامت جنگ از دہلی بہ
مرشد آباد آمد۔

ندیم۔ بہ عہد نواب میر محمد جعفر خاں از دہلی بہ مرشد آباد آمد۔
ذیل کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کو کچھ وقت مبتلا مرشد آباد سے کہیں اور
جا چکے تھے؛

صانع بگرامی۔ درد مرشد آباد۔ ... اکثر بہ اتفاق ہم غزلما طرح می شد۔
بہر حال نشر عشق کے مولف کا یہ قول صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ ”از کھنؤ بہ عظیم آباد رفتہ
اوقات می گزارانید“

مبتلا نے بعض لوگوں سے اپنی دوستی اور شناسائی کا ذکر کیا ہے۔ خلو

کی بڑے عقیدت مندانہ انداز میں جو تعریف و تحسین کی ہر وہ ان کی بے نقصی کے ثبوت میں پیش کی جاسکتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

”مرکز دائرۃ اہل کمال سخن سنج، نکتہ رس، شیریں مقال۔ قطع نظر از ہمارے فنون سخن کہ دول مرتبہ آمل والا مقام است، در خدا پرستی و محمل معائب و تسلیم ذائب نظیر نہ دارد۔ سید عالی منزلت، بقیم گوشہ عوالت، رہ دیشہرستان تفرید و ساز کو چہ بخرد۔ .. در شاہ جهان آباد۔۔۔
گوشہ از وہ اختیاد نوہ بہرہ یاب فیہ ضلالت نامتناہی الہی است۔“

دوسرے صوفی شاعر دل کو بھی اچھے لفظوں سے یاد کیا ہے۔ مثلاً
شاہ اجل الہ آبادی۔ نجابت و شیخت سلسلہ ایشان شہرت تمام دارد۔
شاہ قطب الدین مصیبت۔ برادر شاہ اجل۔ مرد ستودہ اطوار است۔
آخر برادر درد۔ اوقات کہ کسب ریاضت بسری برد و پیش تر در
یاد الہی مشغول می باشد صاحب علم و عمل۔

آلم فرزند درد۔ در ویش مشرب و اندہ مفتیان زانہ است۔
مبتلا کے ان بیانوں میں مذہبی تعصب کا کوئی نشانہ نظر نہیں آتا۔
معلوم نہیں کہ مبتلا کبھی کسی شاہی منصب پر فائز ہوئے تھے یا نہیں۔ تذکرہ
عشقی میں ان کے بارے میں لکھا گیا ہے:

”در سرکار نواب برہان الملک و نواب صفدر جنگ بہادر بہ خدمت شائستہ
عزرا ختام یافتہ“

اور یہی بات سخن شعرا کے مؤلف نے اپنی زبان میں یوں کہی ہے:
”نواب برہان الملک اور صفدر جنگ کی سلاطین میں بڑا اقتدار رکھتے تھے۔
یہ دونوں بیان کسی غلط فہمی پر مبنی معلوم ہوتے ہیں ان میں جو بات مبتلا کے والد

میر حسن نے غلصہ کو شاہِ واقف کا شاگرد لکھا ہے۔ مبتلا کہتے ہیں کہ واقف شاہ دہلوی کا نام میاں عاشوری تھا۔ وہ بچپن سے اپنی ماں کے ساتھ میرے سلسلے بدیع الزماں خاں سے منسلک اور اُن کے ہم کتب رہے۔ انھیں کے گھر میں پرورش پائی اور ان کے معلم میر حسین دوسٹ سے علومِ رسمہ حاصل کیے۔ فیض آباد کے قیام میں ماں کے مزاج میں ایسی وحشت پیدا ہوئی کہ لباس ترک کر دیا، لیکن دن رات بدیع الزماں خاں کے پاس رہتے تھے۔ مبتلا نے واقف کی اُستادی اور غلصہ کی شاگردی کی طرف کوئی اشارہ بھی نہیں کیا ہے۔ مبتلا نے اپنے مذہب کا ذکر نہیں کیا ہے۔ لیکن مرزا مظہر کے حلق میں چند جیسے ایسے گم دیے ہیں جن سے اُن کے متعصب شیعہ ہونے کا گمان ہو سکتا ہے۔ انھوں نے پہلے یہ لکھا ہے کہ مرزا مظہر اپنے عصر کے نادرہ گویوں میں تھے۔ علم فقہ میں اچھی قابلیت رکھتے تھے۔ فارسی میں ممد و طرز کے شعر کہتے تھے۔ اُردو کے اکثر شاعر اُن کے شاگرد ہیں۔ مبتلا کے الفاظ یہ ہیں:

”از نادرہ گویانِ عصر خود بودہ .. - در علم فقہ دست کا خوب داشت
و شعر فارسی بہ روشِ طرز نیکو می گفت۔ اکثرے از مکتبے گویانِ شاگرد او بند
اس کے بعد لکھتے ہیں:

”تقصیب مذہب سنتِ جماعت بدین حد جائے گاہ در روشِ نمودہ بود کہ
موم راضع از تعزیٰ سید الشہداء علیہ السلام کی کرد۔ ممدال عمر یافت و در ہمین
ضلالت بسر بر فیل ازین مسوع شد کہ یکے از ساکنانِ دہلی سے راکشت
ہر سز سکروا دیش رسانید“

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مبتلا کو مرزا مظہر سے سخت ناراضی اس بنا پر تھی کہ وہ لوگوں کو امام حسین کی عزاداری سے منع کرتے تھے۔ اس بنِ منظر کے سُنی باصوفی ہونے کو مطلق دخل نہیں تھا۔ مبتلا نے ایک دوسرے اہل سنت صوفی بزرگ خواجہ میر درد

دکارز صبا ین کہ بہ بنیم رف دوست
مردیم دماند در دل ناآرزو دوست
نہ بری نام سخن مستہ مبادت باد
غنجہ در حین چین میل سنگفتن داد
یادم آید زاسیری خود و نا کہ کنم
چون صغیرے شندم کہ قفسے می آید
دست لے مبارز جو رگستان نگاہ دار
جان ہزار بلبل لالان نگاہ دار
کرد طرز ستم تازہ با صبا دم
رشتہ بچیدہ بہ پائے سن و کرد آزام
ز بس آوازہ حسنت گرفتہ تھا عالم را
بہر رشتے ست بخونے بہر شہرے یغلے

(۲) شعرائے فارسی کا تذکرہ - جس زمانے میں مبتلا اپنا فارسی دیوان مرتب کر رہے تھے اسی زمانے میں وہ فارسی گو شاعروں کا تذکرہ بھی لکھ رہے تھے گلشن سخن کے دیباچے میں دیوان کی ترتیب کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

"ہم در آن ایام تذکرہ ہمسئی بہ گلدستہ معانی کہ مشتمل بر انتخاب اشعار فارسی سخن برداران قدیم و جدید و اختصار بیان احوال آہناست ترتیب داد"

یعنی انھیں دونوں میں ایک تذکرہ گلدستہ معانی کے نام سے ترتیب دیا، جو فارسی کے قدیم و جدید سخن وروں کے منتخب اشعار اور ان کے مختصر احوال پر مشتمل ہے۔

مبتلا کے فارسی تذکرے کا ایک خوش خط قلمی نسخہ حافظ محمود خاں شیرانی کے پاس تھا۔ اس کے بارے میں مرحوم نے اپنے خط مورخہ اپریل ۱۹۳۳ء میں لکھا تھا :

"مردان علی خاں مبتلا کے تذکرے کا نام منتخب الاشعار ہے۔ نظم معانی تاریخی نام ہے تاریخ ۱۱۶۱ھ ہے میر سلوکہ تذکرہ نہایت خوش خط ۱۱۶۶ھ کا دوشہ ہے لیکن نندہ میرے پاس ہے نہ میری ملک رہا ہے۔ اب وہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کی ملک ہے۔"

یہ نسخہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کے کتب خانے میں موجود ہے۔ لیکن شاہ ناص الاول ہے۔ نہ اس کا سرق محفوظ نہ اس میں کوئی دیباچہ ہے۔ تذکرہ ٹولف کا

محمد علی خاں کے بارے میں کہنا چاہیے تھی، وہ مبتلا کے لیے کہہ دی گئی ہے۔ بہر حال ملک کی وفات ذی الحجہ ۱۱۳۵ھ میں ہوئی۔ اُس وقت مبتلا کی عمر گیارہ بارہ برس سے زیادہ نہ تھی۔ اس عمر میں مبتلا کا خدماتِ شائستہ سے انحصار کی عزت پانا یا بڑا اقتدار حاصل کرنا ممکن نہ تھا۔

مبتلا کی تصنیفیں

(۱) فارسی دیوان۔ مبتلا گلشن سخن کے دیباچے میں لکھتے ہیں :-

”ہنگامے کہ سین عمر از بست تجا و ز کردہ نوبادہ ہائے معنی از گلزارِ فکر
چیدہ دیوانے منظم ساخت“

یعنی جب ان کی عمر میں برس سے اوپر ہو گئی تو انھوں نے اپنے اشعار جمع کر کے ایک دیوان مرتب کر دیا۔

نشر عشق ۱۰۷۲ روز روشن میں ہے کہ مبتلا کے فارسی دیوان میں تقریباً چار ہزار شعر ہیں معلوم نہیں کہ یہ دیوان اب کہیں موجود ہے یا نہیں ذیل میں چند شعر نشر عشق، نتائج الافکار اور روز روشن سے نقل کیے جاتے ہیں :-

آگاہ تا ثنوی ز غمِ انتظار ما	ز گس دم بجائے گیادہ از مزار ما
آب تیغ بائے تازہ کنِ غمِ خواری ما	دہن باز شنگی باز است زخمِ کاری ما
شبِ صلاست کا دمِ خندہ بر عا مشب	بجز مرگِ قیبلے دل چہ خواہم از خدا مشب
با آنکہ شد غبارِ من از آسمان بند	آگاہ نیستم کہ دمِ خاک راہِ کیست
باز فریادِ کدہا میں حل شد با رجاست	کہ قیامت پہ تقطیعِ مہاز جا رجاست
گو ہر قدم چہ غنچہ گر بیانِ شونہ چاک	می نال مبتلا کہ بلبلِ فغاں خوش است
بجز دستِ مہراز دم نہ شد ظاہر	اگرچہ رنگِ جنایت ہزار بار شکست

لے مبتلا کی ولادت ۱۱۳۵ھ میں ہوئی تھی۔

کہ یہ البتہ صرف چار پانچ سال بعد مولعت کی زندگی میں نقل کیا گیا۔ دوسری وجہ وہ ہے جس پر ابھی تک کسی کی نظر نہیں پڑی بشر عشق میں ہے کہ مبتلا نے علم رسمی مولوی وجہ الدین نظام آبادی سے حاصل کیا اور انھیں سے نظم و شعر پر اصلاح لی۔ نتائج الافکار میں بھی یہی ہے۔ مگر مولوی وجہ الدین نظام آبادی کے ساتھ لفظ 'جون پوری' بھی لکھا گیا ہے۔ تذکرہ مبتلا کے اس نسخے کی کتابت مولانا محمد وجہ الدین کے اشارے سے ہوئی، جن کو کاتب نے مجمع فضائل و کمالات لکھا ہے۔ ظن غالب ہے کہ یہ وہی مولوی وجہ الدین ہیں جو مبتلا کے استاد تھے۔ اس خصوصیت نے تذکرہ مبتلا کے اس نسخے کی اہمیت بہت بڑھادی ہے۔

(۳) اردو دیوان - تذکرہ شورش (۱۱۹۱ھ) اور تذکرہ عشقی (غالباً ۱۲۱۵ھ) میں مبتلا کا ذکر ہے، مگر ان کے دیوان کا ذکر نہیں ہے۔ گلشن بے خار (۵۰-۱۲۴۸ھ) میں ہے: "گویند کہ مبتلا بیارسی صاحب دیوان است"۔ یعنی، کہتے ہیں کہ مبتلا فارسی میں صاحب دیوان ہیں۔ لیکن اردو دیوان کا ذکر نہیں ہے۔ سرباستن (۶۹-۱۲۵۹ھ) میں مبتلا کے "ایک دیوان" کا ذکر ہے اور سخن شعرا میں ان کو صاحب دیوان کہا گیا ہے۔ لیکن ان دونوں تذکروں میں یہ نہیں بتایا گیا کہ مبتلا کا دیوان اردو میں ہے یا فارسی میں۔ صرف بزم سخن (۱۲۹۶ھ) میں ہے: "دہر دوزبان دیوان و تذکرہ وارڈ" یعنی، وہ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں صاحب دیوان ہیں۔ اس تذکرے سے بھی یہ نہیں معلوم ہوتا کہ مولعت تذکرہ نے مبتلا کا اردو دیوان دیکھا تھا۔ تذکروں میں ان کے اردو شعر نہ ہونے کے برابر ہیں۔ شورش نے صرف یہ ایک شعر نقل کیا ہے:

اجرا دیوانگی کامل سے پوچھا جانیے
تڑپے کامد ماہسل سے پوچھا جانیے
عشقی نے حسب ذیل دو شعر لکھے ہیں:-

بطرح جوش میں ہے دیدہ گریاں میرا
نوح کو آکھ دکھاتا ہے یلوں میل

کہے ہوئے قطعہ تاریخ پر ختم ہوتا ہے، جو حسب ذیل ہے:-

معانیت زین منتخب منتظم غو ظا ہر تگر خوانی و دانی
نمودم بسی جمع اشعار رنگیں بر گینش می رسی گر خوانی
شے بادل خویش تاریخ اورا بگفتم بگو با من اری توانی
مکن ہرزہ گردی کہ سن فکر کردم بے سال تالیف نظم معانی
نظم معانی سے تذکرے کا سال تالیف ۱۰۷۱ھ نکلتا ہے۔ تذکرے کے خاتمے پر اس
نسخے کے کاتب نے حسب ذیل عبارت لکھی ہے:-

”حسب الاشارة مجمع فضائل وکالات خدمتی مولانا محمد وحیدہ الدین
این تذکرہ اشعار اسمی منتخب الاشعار کہ از موالات خان ذی شان
نفع الجود والاحسان مردان علی خان سلمہ اللہ الرحمن است بہت تحریر یافت۔
وکان ذالک فی سلع حرم المحرم ۱۰۷۱ھ“

حافظ محمود خاں شیرانی نے مبتلا کے تذکرہ شعرا کے بابے میں جو اطلاع دی تھی
وہ کاتب کی اس تحریر اور مؤلف کے قطعہ تاریخ سے اخذ ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات
قابل ملاحظہ ہے کہ مؤلف کے قطعہ تاریخ میں نظم معانی صرف مادہ تاریخ ہے، جس سے
تذکرے کا سال اتمام نکلتا ہے، لیکن شیرانی نے اور ان سے پہلے کئی تذکرہ نویسوں نے نظم معانی
کو تذکرے کا تاریخی نام سمجھ لیا ہے۔ نثار علیہ الافکار، روز روشن اور غمغین
میں اس تذکرے کا ذکر اسی نام سے کیا گیا ہے۔ سراپا سخن، سخن شعرا اور بزم سخن میں بھی
اس تذکرے کا ذکر ہے مگر اس کا نام نہیں لکھا گیا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے نسخے میں کاتب
نے تذکرے کا نام منتخب الاشعار لکھا ہے، لیکن اس کے علاوہ کہیں اور اس کا یہ نام نہیں ملتا۔
خود مبتلا نے گلشن سخن کے دیباچے میں اس کا نام مجدد معانی بتایا ہے۔

پنجاب یونیورسٹی کا یہ نسخہ بہت اہم ہے۔ اس کی اہمیت کی ایک وجہ تو ظاہر ہے

بیگانہ سب سے ہر وہ نہیں آشنا کسی کا
 ہو گیا ہوں خاک لیکن تیرے کوچے سے ہوں
 تیری بے مہری کا شکوہ ہر غمت لے ماہ رو
 جیسی جگر میں نگہ اور لبوں سے نکلی آہ
 کیا مردم سے خالی خانہ چشم آئیے صاحب
 لیا مجھ سے بہ زور و جاپتے ہو غمت میں کھونا
 ہوا ہوں جلتے غم غمہ خام کے ہاتھوں سے
 کھو لیں زلف گرہ گیرے عقدے دل سے
 مبتلا واسطے دیدار کے در یوزہ کسلاں
 مت دو مانا ہو کے زلف یار کی تصویر کھینچ
 نہ کر چین کے اوپر اس قدر صبا بیداد
 کہ علم تیغ کو آیا ہر وہ قاتل باہر
 نہ خوشی سے غرض اور نہ غم ایام سے کام
 ہم صیف و مے صیاد نے باندھے پرو بال
 محروم ہوں مال سے فرقت میں دُغ ہوں
 کریں ہیں مشورہ ہی قتل کامے شب روز
 کبھی پھر آئے نظر خواب میں خیال اس کا
 ہم اپنے مردان چشم سے اب ہاتھ دھو بیٹھے
 مے دل کے اوپر بجلی سی ہوم ہر کوک جاتی
 گرچہ پروانے کا جل جانا ہر روشن آہ پر
 سر کو تیغ اس کی سے جیوں فرما دیں کچنے

جو اس کے دوست ہیں دشمن جو ان کے جی کا
 چاہیے ہو مجھے! و صبا کا آشنا
 تو وہ کا فر ہو، نہیں ہرگز خدا کا آشنا
 کہاں سے کرو انھی اور کہاں غمگ لگا
 جن میں جو رواں دل ہوا ذرا ہلایے صاحب
 میں نے مناسبت دو گے، دل مجھے دے جانیے صاحب
 خدا کے واسطے اس کو تو تک سمجھائیے صاحب
 ہوں گریں بھی سبک روح صبا کی صورت
 کو چہ یار میں پھرتا ہے کہ کی صورت
 پہلے نانی اپنے دل کے پاؤں میں زنجیر کھینچ
 بنزار میل نالوں کا جی نہ دے برباد
 جان لے ہاتھ میں تو بھی نکل لے دل باہر
 جس میں ہو تیری مضامجھ کو کسی کام سے کام
 تم کرو سیر گل و لالہ مجھے دام سے کام
 میں پر جلا پتنگ بہ پاس چراغ ہوں
 یہی ہے ہر سوال و جواب آنکھوں میں
 ہمیشہ رہتا ہر مردم کے خواب آنکھوں میں
 کلاس دیا ہے پاپاں میں ہر دم نہاتے ہیں
 قیامت تیرے کاؤں میں پوئی جگمگاتے ہیں
 شمع کی دل سوزیاں مغل میں پو جھا چاہیے
 جی میں ہر تلخی جاں کندن کو شیریں کیجیے

مجھے زخیم ہم لگا دیکھیے تو ^{۴۰} میں مڑا ہوں کیوں کر بھلا دیکھیے تو
گلشن بے خار، طبقات الشعرا اور بزم سخن میں ذیل کا صرف ایک شعر نقل کیا گیا ہے:-
شیشہ دل چمک دیا تو نے سنگِ دل آہ کیا کیا تو نے

سراپا سخن میں بھی ذیل کا صرف ایک شعر ملتا ہے
کھینچی ہے جب کاس پہ کی تاب نکھوں میں نہیں ٹھہرتا ہر کچھ آفتاب نکھوں میں
سخن شعرا میں مبتلا کے چار شعر ہیں، جن میں سے ایک تذکرہ عشقی سے، ایک گلشن بخار
وغیرہ سے اور ایک سراپا سخن سے، تین شعرا و نقل کیے جا چکے ہیں۔ ذیل کا صرف ایک
شعر اور ہے:

دل کی دُور سے داغوں سے اب لگ گئی ہے جی کیوں کے بچے چاروں طرف آگ لگی ہے
مبتلا کی اور غزلوں کے چھ شعر جو مختلف تذکروں کی ورق گردانی سے دستیاب ہوئے ہیں وہ سب
مطلعے ہیں گلشن سخن میں مبتلا کے تیس شعر ملتے ہیں اُن میں پانچ مطلعے ایسے بھی شامل ہیں
جو دوسرے تذکروں سے اور نقل کیے جا چکے ہیں صرف یہ ایک مطلعہ تذکرہ عشقی میں ایسا
ہے جو گلشن سخن میں موجود نہیں ہے:

مجھے زخیم ہم لگا دیکھیے تو میں مڑا ہوں کیوں کر بھلا دیکھیے تو
اس طرح مبتلا کے صرف تینتیس اردو شعر سر دست ہمارے علم میں ہیں جو ذیل میں درج
کیے جاتے ہیں:

دیکھ کر تیری نگلی میں تجھ کو حیراں ہو گیا	صورت دیوار کے مانند بے جاں ہو گیا
اب تو آنکھوں کے لگے بنے شرکِ نغمہ چکاں	ہاے یہ ناسورِ زخمِ دل نما یاں ہو گیا
اپنے سب داغوں سے ہی میں نے اتلے بچا ہے	آج کی رات تو دیکھ چسپراغاں میرا
حاکمِ عشق سے رکھتا ہوں جنوں کی میں بند	فیس سے جا کے کو چھوٹے بیاہاں میرا
دامنِ دشت کو وحشت نے مری گھیر لیا	مبتلا ہاتھ جنوں کے ہر گریباں میرا

ضمیمہ مقدمہ

حالات مبتلا کے اہم ماخذوں میں دو غیر مطبوعہ اور کم یاب تذکرے ہیں، ایک خود مبتلا کا تالیف کیا ہوا فارسی گو شعرا کا تذکرہ، جس کا نام منتخب الاشعار یا گلہ سٹہ معانی اور تارنخی نام نظم معانی ہے اور دوسرا حسین قلی خاں عاشقی عظیم آبادی کا تذکرہ نشتر عشق ہے۔ پہلے تذکرے کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے کتب خانے میں ہے اور دوسرے کا ایک نسخہ ضالا بیری، رام پور میں ہے۔ مبتلا کے حالات پہلے تذکرے سے میرے عزیز شاگرد پروفیسر سید وقار عظیم صاحب نے اور دوسرے سے عزیز بی اکبر علی خاں صاحب نے نقل کر کے مجھے بھیجے۔ میں ان دونوں صاحبوں کا شکر گزار ہوں۔ یہ دونوں تذکرے نہایت کم یاب ہیں اور ان تک رسائی آسان نہیں ہے۔ اس لیے ان کی متعلقہ عبارتیں من و عن نقل کی جاتی ہیں۔

احوال مبتلا از تذکرہ شعراے فارسی مولفہ مبتلا

مبتلا تخلص کا تب حروف است، کہ عمر گر انما یہ خود را در خدمت فضلاد
ارباب کمال بسر بردہ و غاشیہ لازم شازا بردوش پوش کشیدہ، ازہر تو آفتاب
عالم تاب شان ذرہ آسا بمقدار استعداد خود بہرہ ور شدہ۔ اگرچہ این بیچمدان نظر
بر گردش روزگار و موافقت والد علی مقدار، کہ بہ منصب پنج ہزاری سرفرازی داند
مشغول بہ اشتغال دنیا داری نبودہ و ہمت و فرصت تحصیل کمالات نداشت۔
نہایت نظر بر اقصائے جبلّی و خدمت بزرگان بموجب مالایہ در رکّہ لا یتروک

مبتلا دم لینے کی فرصت مجھے ہرگز نہ دی ^{۴۲} ایسے قاتل کو کمو کیونکر تحسین کیجئے
 ان شعروں کی زمیوں پر نظر کرنے سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ انیس غزلیں
 سے لیے گئے ہیں اور دوسری یہ کہ مبتلانے اپنا اردو کلام مدیف و امرتب کر لیا تھا۔ اس ترتیب
 پر دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ گلشن سخن کی تالیف کے وقت ان کا اردو دیوان مرتب ہو چکا تھا
 اور یہ شعرا سی دیوان سے لیے گئے ہیں۔

(۴) شعراے اردو کا تذکرہ۔ مبتلا کی آخری تصنیف ان کا تذکرہ گلشن سخن ہے،
 اس کے متعلق ضروری تفصیلات اس مقدمے کی ابتدا میں درج کی جا چکی ہیں اور جو راقم
 وقت کی ترتیب سے پہلی مرتبہ چھپ کر منظر عام پر آ رہا ہے۔

آخر میں ایک ممکن غلط فہمی کا سد باب کرنے کے لیے لکھا جاتا ہے کہ مبتلا تخلص کا
 دوسرا تذکرہ نگار بھی گزرا ہے، جس کا نام غلام محی الدین وطن میر ٹھہ اور دوسرا تخلص
 نق تھا۔ اس کے تذکرے کا تاریخی نام طبقات سخن ہے جس سے اس کا سال تالیف
 ۱۲۲ھ نکلتا ہے۔ اس تذکرے کی زبان بھی فارسی ہے اور اس کے دو حصے ہیں، جن کو
 لفظ طبقوں کا نام دیا ہے طبقہ اول میں اردو شاعروں کا حال اور منتخب کلام ہے۔ طبقہ
 ۲م اشعار فارسی خود ضمن خاتمہ بعضے احوال پر مشتمل ہے۔ اس تذکرے میں محمد شاہ کے عہد
 اکبر شاہ ثانی کے جلوس کے پہلے سال تک کے شاعروں کا ذکر ہے۔

طبقات سخن ابھی شائع نہیں ہوا ہے، لیکن اس کا ایک قلمی نسخہ جو کاندھلوی
 من عام کالج، شاد جہاں پور میں محفوظ ہے، اس کا خلاصہ عزیز بی ڈاکٹر محمد حسن نے
 سن ۱۹۶۱ء کے ہفت روزہ اخبار ہمارے زبان میں ۱۵ جنوری ۱۹۶۱ء سے مارچ
 ۱۹۶۱ء تک بارہ قسطوں میں شائع کر دیا ہے۔

سید مسعود حسن رضوی ادیب
 لکھنؤ نومبر ۱۹۶۳ء

سلطانی داخل گردید و در عهد محمد شاہ فردوس آرام گاہ انتقال نمود۔ پسر او محمد علی خان بسرکار نواب برہان الملک بعلقہ فشی گری مقرر بود۔ ہر گاہ نواب منصور خان صفدر جنگ خویش نواب برہان الملک را صوبہ اودھ از حضور سلطانی مرحمت گردید محمد علی خان از حضور آن وزیر قدردان باقتدار و ثروت کثیر رسیدہ در سپہ سالاران افواج نام و نشان بلند پیدا کرد و اکثر خدمات و فتح نمایان بذریعہ او صورت گرفت۔

نواب صفدر جنگ بہادر بشاہدہ مستعدی و دولت خواہی و حسن خدمت او از حضور فردوس آرام گاہ منصب پنج ہزاری و خطاب بہادری دہانیدہ در ہم چنان پائیا عز از او افزود۔ وہ نہایت خود بہ صوبہ داری الہ آباد مقرر نمود۔ و بعد انتقال آن وزیر مردم شناس بہ سمت بنگالہ رفتہ بسرکار نواب جعفر علی خان و نواب عالی جاہ قاسم علی خان والی بنگ بھرست و اعتبار تمام می گذرانید۔ با آنکہ ہنزدہم جادوی دل سنہ یک ہزار و یک صد و ہفتاد و شش طبل کوچ سفر آخرت زدہ بروضہ رضوان شافت۔ و در عظیم آباد در درگاہ شاہ ارژان کہ از فقرای نامی و سیاحت پیشہ بود و در سنہ یک ہزار و ہشت و ہشت سیاحت عقبی رو آورد، مدفون گردید۔

آن درگاہ بسیار مکان دلچسپ و دلکش است۔ در ہر پنجشنبہ مردم شہر و قرب و جوار جمع میشوند و در ہر سال یک عرس شاہ ارژانی مرحوم و دوسہ عرس از مریدان اومی شود و بیشتر رئیسان و طوایف آن شہر و فقرا یان دور دست ہزار ہا مردم جمع گردیدہ ہارس شہادہ روز در آنجائی باشند۔

آدم برسر مطلب کہ تولد مردان علی خان کہ نام اصلی او میرزا کاظم است

۴۴
 کد، خود را بر این میداشت و تهمت را بر همین می گماشت، که بالمره عاری نگردیده
 از شهرت آن کمالات بے خبر نباشد۔ گاہے مشغول به نوشتن خطوط می بوده۔ از آنجمله
 تتبع جناب میر عماد الحسینی غفر الله ذنوبه را نموده فی الجمله در نوشتن خط نسخ و نستعلیق
 مربوط گشته، و گاہے متوجه دیدن دواوین بزرگان سابق و متوجه صحبت شعراے
 ہم عصر خود گردیده، از محبت ارواح طیّبه آنان و انقاس عالیہ ایشان طبع مائل
 انشای شعر شد و خرف ریزه چند در رشتہ انتظام در آورد۔

اسم والدین بے مقدار محمد علی بن محمد الشہدی و از طرف بادشاہ خان و
 بہادر بر اسم ایشان افزوده مشہور بہ محمد علی خان بہادر گردیده۔ این چند شعر از
 فقیر است:

غنجہ در حن چسپن میل شگفتن دارد	نہ بری نام من خستہ مبادت باد
ز صورت درو دیار خون روان گردد	ز خانہ بہر سفر یار چون روان گردد
ہر گجائی نگرم حبسہ اومی بینم	نیست در دیدہ عشاق بجز صورت یار
کہ سوزاند پس از مردن چراغ ہزار سن	اگر داغ غم عشق تو بنود غم سار سن
کہ ندارد نظر بہ سوئے کے	می کشد دل مرا بہ کوئے کے
کہ ہمیرم در آرزوئے کے	آرزوئے دلم ہمیں باشد
کہ کنم نالہ رو بروئے کے	در فراق تو گرد و د جانم

احوال مبتلا از تذکرہ نشتر عشق

مبتلا مردان علی خاں ولد محمد علی خاں بن میرزا محمد وطن جدی النجوم شہید مقدس
 بود۔ میرزا محمد ہمراہ نواب بران الملک نیشاپوری بعصر فرمانروائی محمد معزالعزم
 بن شاہ عالم بہادر شاہ خطہ منزلی شاہ جهان آباد آمد بحضور محمد فرخ سیر بلا زمان

گر کنم گستاخی و نام تو آرم بر زبان
 مبتلا می گفتمت دل در کف خوابان مده
 چرا نخل ز سنگ کوے یار می گشتم
 ناله گر چنین سازد مضطرب غبارم را
 حیث گفت یا من بے سبب زنا کن
 گر باورت نیاید تیغ اتحلال کن
 ناله لیلی گزری کرد گاهے سوس قیس
 حال مرغ دل نمیدانم چه شد
 باز فریاد کدای دل شید ابرخاست
 خبری از دل گزشتہ سن پرسیدش
 بجز درستی مهر از دم نشد ظاہر
 در آرزوے این که بینیم رفے دوست
 یاران غبار خاطر او گر شود دہید
 سخن مان شنیدی دشنی یار رقیب
 گر نہ آہم ہوس عالم بالا میگرد
 روزے کہ از میانش تیغ ستم برآید
 چو چشمت کاتب قدرت رقم زد
 برسانید بزر قدش تا میرم
 یادم آید ز اسیری خود و ناله کنم
 بود دے ہمدم صبر و ندیم غم
 دست لے خزان ز جوہر گستان بیکادار

شویم از آب حیات اول دہان خویش را
 سادہ دل بر باد دادی خانمان خویش را
 نمی گداخت غم او گر استخوان مرا
 دم بدم بجنبانند تختہ مزارم را
 دست نمی توان گرفت عمر گریز پائے را
 در تن نماد خونی این میدنا توان را
 بخت بد نیم ز آواز دے بے نصیب
 دفعش مشت کس صیاد داشت
 کہ قیامت پے تعظیم رفے از جا برخاست
 بر غبارے کہ بہ بینید ز صحر ابرخاست
 اگر چه سنگ جفایت ہزار بار شکست
 مردیم و ماند در دل آرزوے دوست
 خاک مرا بباد چو میرم بکوے دوست
 از برایت سخن خلق شنیدیم عبث
 علم عاشقی امروز کہ بر پامی کرد
 از لذت شہلات عالم ہم بر آید
 بہ صاد چشم خود بزرگس قلم زد
 برب ای سینہ ہنوزم نفس می آید
 چون صفیرے شنوم کہ نفس می آید
 جیغ کند آن ہم برفت و این ہم ناث
 جان ہزار بلبل نالال بیکادار

در کھنوا اتفاق افتاد۔ از حضور وزیر مغفور مخاطب بہ مردان علی خان گردید۔ علم
رسمی بخدست مولوی وجیہ الدین نظام آبادی پہنچا کر دہ دفعہ و نحو زیلہ امتیاز بہم رسانید
و اصلاح سخن نظم بنظر آن جناب ہی گرفت خط مستعین را بر بیانی می نوشت و
دو این اساتذہ بمطالعہ میداشت تذکرۃ الشعرا سنی بہ نظم معانی کہ از معال
اتمام ہم خبر می دهد ما ز تالیفات اوست، لیکن بنظر راقم نرسیده بعد مرور از کھنوا
بعظیم آباد رفتہ اوقات می گذرانید دیوانش قریب بچهار ہزار بیت بودہ است۔

مبتلا کا فارسی کلام

مبتلا کے تذکرہ شعرا فارسی سے ان کے سات شعر اور پرکھے جا چکے ہیں۔
ان میں سے ایک شعر نشر عشق میں بھی موجود ہے۔ اس کے علاوہ اڑھتیس شعر اور ہیں۔
سات شعر تاج الافکار میں ہیں، جن میں سے پانچ شعر نشر عشق میں موجود ہیں۔
تین شعر روزن میں ہیں، جن میں سے دو نشر عشق میں اور ایک تاج الافکار
میں موجود ہے۔ اس طرح مشترک شعروں کو نکال کے مبتلا کے چالیس فارسی شعر اور
ملتے ہیں۔ مبتلا کے فارسی دیوان کے دہجد کا علم نہیں ہے۔ اس لیے یہ شعر بھی اس
ضمیمے میں شامل کیے جاتے ہیں۔ شروع کے دو شعر تاج الافکار سے اور باقی
کل شعر نشر عشق سے لیے گئے ہیں۔

آگاہ تاشموی ز غم انتظار ما	ز گس دہد بجائے گیاہ از مزار ما
با آنکہ شد غبار من از آسمان بلند	آگاہ میستم کہ دلم خاک راہ کیمست
تا بہ دشواری دہد بیچارہ جان خویش را	نیم جان بگزاشت جاں ناتوان خویش را

تذکرہ شعرا

محمد بے حد و ثناء ہے عدل و آفرینے والا کہ بہ دو حرف کاف و نون دو عالم
را از شام تیرہ عدم بصبح نورانی، جود آفودہ، بہ تسبیح ذات مستبح صفات خود دان میں
شیخ ابوالفتح محمد بن ابی بکر داناگردہ - و درود دعا و دعوت و عملات مسکینۃ النفعات نثار
روح مقدس فخر مشیر انبیا محمد مصطفیٰ و پیش و زمرہ اولیا علی مرتضیٰ علیہم التحیۃ و الثناء
و ولادہ اجداد ایشان کہ آب و رنگ گلزار علوی افلاک و آتش خس و خا و ظلم و فساد
عالم سفلی خاک انداد۔

ہما بعد عند سبب گلشن ندیدہ جہان استعداد طفل الجبر خوان دودمان
 سواد، خوشه چین خرمن کتہ سبحان، ذرہ بے مقدار مردان علی خلین مخلص مبتلا ابن
 محمد علی خلین بہادر مغفور بہ خدمت سراسر سعادت ارباب پیش و دانش معروض میدارو کہ
 برخداوندان اخبار و اخبار کا شمس و النہار روشن و بویدا است کہ دیکر خانہ ابداع
 ہر طلوع را غروب و ہر آغاز را انجام بہست۔ غیر از شاہ رعنائ سخن کہ کلیہ زیباے
 وہام پیراستہ۔ بنا بر این موقوف از آغاز شباب بمصدق علی شئی بن جہم الی اَصْلہ
 اوقات گرامی خدایم کہ چون گوہر سخن بے بہاست۔ بگفتن و خواندن کلام فارسی، کہ
 زبان آبا و اجداد است۔ صرف نمود۔

ہجائے کہ سین عمر از بست تہلو ز کردہ نو بادہ ہائے معنی از محو از فکر چیدہ

یا بدہ کام دلم یا بکش از تیغ ستم
 بجرم این کہ نمر دیم در جدائی تو
 شکر ریزی لعلت گر بہ بیند
 مبتلا بر خاک با چون گرد باد
 بلبل بجارہ را با ہزاں فرصت نہ
 جلے آن دارد کہ گردم غرق دیاے فنا
 کرد طرز ستم تازہ بپا صیاد م
 بزم تو شب غیر را دیدہ بودم
 ہنوز است درش جہت تو بخیر
 بے نیاز و ناز نتوان زیستن
 لے دل نظارہ رخ آن رحیم کن
 از ناز میکنی نگہ سوے من گمے
 ماہ باشد رنگ فرش ناز او
 بشکست میناے دلم سنگین و لے میخوارہ
 دل گم گشتہ جویم رفتہ در کوہ دل آرائے
 ز بس آوازہ حسنت گرفت اقصاے عالم را

صنم دامت از کف نگزارم ہرگز
 شدیم پیش تو بسیار شرمسار افسوس
 شود فرہاد را خیریں فراموش
 روح مجنوں می کند دیوانہ قص
 تا کند چند دگر با گل بیابان اختلاط
 اشک غم طوفان کند در چشم گریانم چو شمع
 رشتہ پیچیدہ بہ پائے من کرد آردم
 چہ گویم چہ از تو رنجیدہ بودم
 شبے در فراق تو نالیدہ بودم
 ما و جا مان شرط با ہم بستہ ایم
 دیوانہ می شوی بخدا این چنین کن
 خواہم کہ فرزدن کنی کم ازین کن
 چادر متاب پا انداز او
 انگند ہر سو پارہ صد پارہ شد ہر پارہ
 و لے ترسم نیامد کہ گم کنم خویش را جاے
 بہ ہر شستہ ست مجنون بہ ہر شہرے زانجلے

قصہ ترا جس کو اسے یار ہو چکا
 اشارہ کر جو اس چشم سیم کی ٹک بھویں بلیاں
 ۱ سے غیر سے کب سر د کار ہو گا
 سوزِ شبِ فراقِ زباں پر جو لا۔ یے
 مصبِ عشاقِ پراواں کی کیا کیا بھجیاں چلیاں
 جوں شمعِ تاسحر کٹی مجلسِ رلا یے
 تری اس ہنگ سے کیا معنی دل خواہ پیدا ہو
 شبِ عراج کی اس خط سے گویا راہ پیدا ہے
 آصفِ تخلص و ذریۃ الملک نواب بیکٹی خان بہادر آصف الدولہ ابنِ نواب
 شجاع الدولہ مغفور۔ علو مرتبہ این خاندان از فرطِ اشتہار احتیاجِ رقم ندارد۔ جامع
 اوصاف حمیدہ است۔ خصوص در عطا و بخشش نظیر ندارد۔ گاہے سخن می فرماید۔ این دو
 بیت از آن جناب است

پوچھتے کیا ہو شب، جگر کی حالت یاد
 ہزاروں مُردے جیتے دیکھے تیرے بات کرنے سے
 میں ہلکا رات ہو اور ستر تنہائی ہو
 لبِ معجز بیان میں تیرے شاید آبِ حموال ہو
 انجامِ تخلص نواب امیر خان عماد الملک امیر ابن الامیر۔ در زمانِ محمد شاہ از
 دستِ ملکِ حرائے مجرد گشتہ بہ آخرت شرافت۔ در ذکرِ ذہن و لطیفہ گوئی بے مثل بود۔
 گاہے شعر فارسی و گاہے رنختہ تصنیف می نمود۔ از کلامِ او است :-

ہم سوں چھپا کے اور سے آنکھیں لا گیا
 ہم سوں چھپا کے اور سے آنکھیں لا گیا
 ملک تو فرصت دے کہ نصحت ہو پس اے صیاد ہم
 کیوں بلایا بیٹھ میں کیا ہم سے نادانی ہوئی
 قفس کے بیچ بیل نے تڑپ کر جی دیا اپنا
 کسو بے درد نے شاید کہا ہو گا ہمارا آئی
 شیخ نجم الدین آبرو مشہور بہ شاہ مبارک از فرزند ان شاہ غوث گو الیاری در
 اد اہل سلطنت محمد شاہ غفرال پناہ بہ شاہجان آباد آمدہ سکونت ورزید۔ دہلیوہ شاعری
 طرز خاصہ دارد۔ در عایتِ لفظی و ایہامِ بسیاری نماید۔ کلماتش یکہزار و پانصد بیت دیدہ
 شدہ لغو است۔

۵۰

دیوانے نظم ساخت دہم در آن ایام تذکرہ مستی بہ گلدستہ معانی کہ شتمل بر انتخاب شاعر
فلسفی سخن پردازان قدیم و جدید و اختصار بیان احوال آنہاست، ترتیب داد - مع
ہذا اکنون چنان بخاطر رسید کہ از کلام ز تختہ گو یاں سابق و حال کہ درین زمان کالی شہنار
در قلمرو ہندوستان دارند، بسبب تتبع اشعار اہل فارس کہ برگردن مضامین آنان گردیدہ الفاظ
را بروش خود بجای انشا اند، اگر سخن را جائے ہست و مرغوب طبع و وضع و شریف منتخب
میفرستع نمایند از مطالعہ آن شیفتگان مجربان معنی حظ وافر بردارند - الحمد للہ اہل عطا
کدہ اندک زمانہ کلامیاب گردیدہ و مقصد رسیدہ - چون عقدہ خاطر اہل ناخن حسن انجام یلیف
کشود مستی بہ گلشن سخن نمود -

قطعہ

آب و رنگ اس کا ہے جوں باغ ارم نہیں اس کے متقابل گلشن
زالی تاریخ میں پوچھا اُن سے جو تھے اس فن کے سخن سنج کہن
سب گئے کہنے کہ اک عمر کے بعد ہج بھولا - ہے سخن کا گلشن ۱۱۹۴ھ
اکہی تا مطلع آفتاب زیب بیاض صبح عالم آرا و ہفت در سچہ افلاک منظور نظر اگیان
عالم بالامت نظر بد از روسایں مجموعہ دور و دل نیک بختان از مشاہدہ اش در سرور
بدرت العباد -

حرف الالف

آفتاب تخلص خاتمان ابن الحاتمان سلطان ابن السلطان شاہ عالم بادشاہ
غازی ابن عالم گیر ثانی کہ از بست و دو سال فرمان دوائے مملکت ہندوستان است
و ابواب عدل و داد بروئے عالم کشودہ ظلہ اللہ ملک طبع عالیش گھا ہے رغبت
بانشائے شعری کند - ابن چند بیت، مختصہ کلام فصاحت نظام آبی سالانہ دو دہان تیموری
است :-

بڑے ہر دل بدن تجھ کھ کی ماب ہست آہستہ
 کہ جو نگر گرم ہو ہر آفتاب آہستہ آہستہ

بُناں کے لوگ کہتے ہیں کمر ہر
 کہاں ہو کس طرف ہو اور کدھر ہو

یُلف کے عقدے کھیلے اب اور ہی شکل ہوئی
 دل کے اوپر یہ نئے سر سے بلا نازل ہوئی

عاشق زیادہ تجھ ہستی کیا آرزو کرے
 تیری نگہ کی تیغ اُسے سرخ و کمرے

ناصح نہ سی سکے گامرے تختِ دل کا چاک
 نکر و دل کوں مل کے کوئی کیونکر رُو کرے

صنم تباں میں ہمارا بڑا ہی کافر تھا
 کیا ہو رام میں اُس کو خدا خدا کر کے

شجاعتِ مال سے نامرد کو حاصل نہیں ہوتی
 جو اصلی چیز ہو وہ کب طلا سے مرد ہوتا ہو

تک چلنا سخن کا بھولنا نہیں اب تک بھگو
 طرح وہ پاؤں رکھنے کی مری آنکھوں میں گیتی ہو

کیا ہو چاکِ دل تیغِ تغافل سے تجھ آنکھیاں
 نگہ کے رشتہ و مژگاں کی سوزن سے رفو کیجئے

احسن، احسن اللہ حاضر نجم الدین آبرو دردِ پوائش شعرے یافتہ نہیں شود

کہ خالی از ایہام باشد درین صنعت دستگاہ تمام داشت - از خلاصہ سخن ہائے اوست

کھول کر نید قبا کو دل مرا غارت کیا
 چھدا قلبِ لبر نے کھلے بندوں لیا

چکنا ز لہٹِ شکیں میں ہر اک دُر گوشتاروں کا
 گھٹا کی شبِ برات اندہ تماشا ہو ستاروں کا

آؤ ناخط کا جدائی کے سبب پر ہو دیسل
 دیکھنا اس کا نہ ہو یارب نصیبوں میں لکھا

کیونکے مانی لکھ سکے نقشِ ابرو ان یار کا
 کام نقاشوں کا نہیں ہے کھینچنا تلوار کا

اے میاں کت موے کمر سے ہم
 کیسی تلوار در میاں ہو آج

نگہ کی تیغ کج سے کٹ گیا دل
 نین سے چاہتا ہو خوں بہا دل

تغافل سے گھٹا یا تم نے از بس
 مرا سن سیر ہوا دندگی سوں

علی کے نام کی تسبیح ورد ہو من کا
 ہزار ہر کسکھانا امام پایا ہوں

صبا کیو اگر جاے ہو تو اس شوخ و لبروں
 کہ کر کے قولِ پیوں کا نمٹے برسوں بھوں

جا پنے دروازے سے جا اٹھ کے جاہ تب کیو
 اس گلی سے اب گزرنے کی ہمیں طاقت نہیں

جسے شہر لکھائی بل تب سے پھر نہ نکلا
 ہے جو تیس دن مریخ گاں کی سنگت
 اس گال پر صفا سے نظریں نہیں ٹھہرتیں
 مایہ ہمارے دل کی کشش نے اثر کیا
 سبزہ اور یہ آبِ رواں اور ابر یہ گہرا
 غلو پیر نے کھیت کھا ہو سبھوں کو دیکھ
 رہی یہ مسکراتا تو کس طرح جییں گے
 کچھ ٹھہرتی نہیں کہ کیا ہو گی
 مے سے لگ کے اس کے ساتھ سوویں
 لیوں چھا ظلمت میں گر تجھ لب شہر مند بھا
 لے ناتواں کی حالت وہاں جا کہے ہو اڑ کر
 ن لبوں کو یقین مصری جان
 بس قدر میں مجھ جگر میں داغ تیرے ہر کے
 بس وقت زخم تیرا لگتا ہو غیر کے تئیں
 ممکاوتے ہیں ہم کو کمر باندھ باندھ کر
 ب ہو آرام میرے جی کے تئیں
 سر سے لگا کے پاؤں تک دل ہو ہوں میں
 رتے تو ہو تغافل پر حال آبرو کا
 کیوں اپنا غیر کے پتے پر آیا
 آج قوال بچے تو نے کیا حلقہ بگوش
 بانٹا نہیں اور کچھ غیر از تیری آنکھوں کی پل

تیغ بھواں کا تیری کس طرح کا ہی لوہا
 کلیجا آہنی ہو آرسی کا
 اُس گال پر عجب ہو دل کا مرے اُکھٹا
 جاتا تھا جلد دیکھ کے ہم کو ٹھٹھک گیا
 دو اناہوں جواب گھوٹیں ہیں جو زرد مہرا
 کھلیان کی مثال دلوں کا اٹم ہوا
 تم کو تو یہ ہنسی ہو پر ہر مرن ہمارا
 اس دل بے قرار کی صورت
 کہیں تو جاگ اٹھ تو بھی اسے سخت
 جان کچھ بانی مرے ہو حشرہ حیواں کے بیج
 میرا یہ رنگ رو ہو گو با مکھی کبوتر
 راست کتا ہل اس میں مت شک کر
 آسمان اوپر نہیں اے ماہ مارے اس قدر
 اُس وقت ترک سیتی جاتے ہیں جان مرہم
 کھولیں ابھی تو جاوے یوں کا نکل بھرم
 جب وہ کافر ہو آپ سے آ، رام
 یہاں تک تو فتن عشق میں کامل ہوا ہوں میں
 دیکھو تو تم بھی پیارے بے اختیار روؤ
 ہوا جی میرا اس غم کا ترازو
 نغمہ سازی سے سب اس دائرہ عکس کو
 دل ہلکے کو اگر دیکھو تو زنگس ہلی ہو

مجھے وقت ہر اکثر گوہر دناں کی فرقت سوں
 بیج دم آئی صبا اُس کو سے غنچے تنگ دل
 ہزاروں عاشقوں کی بگنہ کرتا ہر خون ریزی
 گھٹا میں دیکھ جگنو کا تماشا
 عجب نہیں قطرہ ہر لٹکے موتی کی آبر آو سے
 بھاڑنے لائے گریباں گل ہو سب باولے
 کیسے طاق کہ اس گل رُند سے جرات کر کے ٹٹکے
 اب اس رُت میں تاروں کو اڑا دے

کرب ہر عشق تیرا نازی وہ ابرو کلاں جب سے
 کاؤں سنتے تھے سوا کھوں دیکھے گوہر شب چراغ
 کٹے ہو زندگی تیغ نگہ سوں
 لیا ہو عالم دل گھیر کر اک دست انگلیں سے
 نہ لے دل لے کے پھر وہ جمعہ مشکیں
 دو جگ ہیں سُرخ رو ہر بیشک شہید خواں
 بات پہنچی ہر سیری جان تنک
 کوئی تسبیح اور زنا کے جھگڑاؤں میں مت لٹے
 لے ہو برو کیا بے تکلف ہو کے آئینہ
 عجب نازک ہے وہ کافر پیری رو
 تمہارا ہر سخن نکتہ ہو رنگیں سب پہنچا ہر
 پروہ کیوں نہ ہرک بات میں وہ ہوتی ہے
 بو الہوس یہ کیا اداسے زلف حکمرانی
 آگ سی میرے دل کو لگتی ہے

یہ دونوں ایک ہی پس میں ان کے بیچ رشتہ ہو
 مجھے منہ دیکھے کی تو یہ خوش آمد خوش نہیں آتی
 کہ ہر یک سے دل و دیں مانگ لے ہو
 جدا ہوئے جو کچھ اس لعل لب سے سوجوا ہر
 صفائی دانتوں کی روشن ہر سبسی میں سے
 جو یکا یک جاگ اٹھنے ظالم کے کوکر کے برا ہو؟
 جل ہا ہوں خاک کے ہاتھوں سے

سراج الدین علی خاں آرزو شاعر مشہور فارسی گو۔ سلسلہ نسب ابو شیخ ابو النوف
 گو الیاری می رسد۔ در زمان محمد شاہ و خلف او احمد شاہ رحمہم اللہ گوے بلاغت از
 اقران می ربود۔ اندوہی با اتفاق سالار جنگ برادر خیم الدولہ اسحق خان بیلارہ بکھنوا آمد۔

ایک ڈوب سنانی مڑکاں کا
اگر شیر مارو دیکھنے سے ہم نہیں ٹپتے
لکھا ہو کیا متا بل عین کے دل کے نشا زوں کو
ستم پر عاشقوں کے بے سبب نہیں یہ مکر بندی
جبرمت مان بھر بھر دیکھنے سے صحت رُخ کے
ہیں دیکھ اُس گلی میں اے رقیب بے حیا ناحق
دہ رُخ ہرگز کبھی دکھا نہ سارا
پڑی آفت ساوی اُس نظر سے میرے حاصل کو
گنہام ہو عقیق تے لب کے دور میں
لاحق کے گنگے شور و زافروں سے ڈرتا ہوں
؟ ان بوسے کئی ہیں غصی کا وقت
تمہارے ہاتھ سے ہرگز کسی کا دل نہیں بچتا
گلبکن لال لال ڈوروں سے
یہ نامہ ہمارا ہم گنگھا روں کے مارے ہو
آج دلبر کے ہاتھ پہنچی ہو
معا اوس دہن کا یوں کھلا ہم پر تبسم سے
گیا دل دیکھ کر بے سنجہ حنائی
مقابل آئینے کے مت ہوا سب کس سے اظالم
ہی مضمون خط ہو حسن اللہ
اودھ رنگہ کی تیغ اور ایدھر سنان آہ
میں گزریستوں شیریں سخن میرے کی خوبی کو

اودھ تیر دیکھے بھلے ہیں
تمہاری اس گلی میں سر سے اور آنکھوں کا حاضری
مصوّر زور کھینچا تو نے ابرو کی کمانوں کو
نہ جانوں کیا غرض ہو دریاں نازک بانوں کو
کہ میں ایک صورت پرعت نظر کر یاد کرتا ہوں
چاہتا ہوں گا شور ایسا گو یا اس کے سگوں میں ہو
نہ ترسا کا فر اتنا دیکھنے کو
دیکھتے سے اچانک کچھ پٹ دے لگے دل کو
اپنے اُپر کھڑا تا ہو اور دل کے نام کو
کہ رفتہ رفتہ شور اُس کا مبادا شورِ عشر ہو
برس ہو مٹھی کا کما مت کرو
ہنس دلا رہا بی کے قیامت دست رکھتے ہو
تجھ میں میں بہار ہوتی ہو
اسی کالی گھٹائیں ابرو حجت جوش مارے ہو
من کے لینے کو خوب پہنچی ہو
کہ اُن ٹیٹے لبوں کوں یہ جگہ بوسے کی خالی ہو
تمہارے ہاتھ پہنچے سے کل آئی
زری صورت مبادا اس کے دل نقش ہو جاوے
کہ کُسن ماہ رو یاں عارضی ہو
اس کشکش میں عمر ہماری بھی کٹ گئی
رگ ہرنگ میں جیون بھریا منظر اب آئے

ذیرے کیا ہو غرض کعبہ سے ہو کیا مطلب
مجھے جہنم رکھتا ہو دل انگار پہلو میں
اٹھا دیں کیوں تری منت دل برباد غنی دست
عمر کلنے کو کٹی پر کیا ہی خواری میں کٹی
صبح گر صبح قیامت ہو تو کچھ پروا نہیں
ہاتھ میں اپنا سر لیے رہتا
زندگانی نے رکھا تھا مجھے کر بے آرام
گر آمد آمد اس مہتاباں کی نہیں آئیں
اُس بارے خدار پہ یوں لوٹے ہو یہ دل

میں جہاں جاتا ہوں تیرے ہی لیے جاتا ہوں
وہ سوتے کس طرح جس کے ہے بیمار پہلو میں
لیے بھرتے ہیں ہم لے باغیاں گلزار پہلو میں
دن کٹا فریاد میں اور رات زاری میں کٹی
ہجر کی جب رات ایسی بے قراری میں کٹی
عشق کی پہلی یہ سلامی ہو
جب گیا جان کل جسم سے تب آنکھ لگی
کیوں چاندنی کا فرش بچھاتی ہو چاندنی
جیوں کو کٹے؟ (تو ارہ پر مرنے ہیں سپاہی؟)

رباعی

یہ جو روح جفا یہ بے وفائی کب تک
کرتا ہے کوئی حسن پہ اتنا بھی غرور
بس کیجئے پاس آشنائی کب تک
دیکھیں تو رہے ہو یہ خدائی کب تک

رباعی

کس منہ سے ترے سامنے آئے غنچہ
دیکھی ہو ترے لبوں کی سرخی جب سے
کیا اپنے تئیں آپ ہنسائے غنچہ
رہتا ہو جن میں منہ چھبائے غنچہ
اشتیاق سرہندی نامش ولی اللہ در کو ملا فیروز شاہ در دہلی درویشانہ

بسمی برد۔ اور است۔

لڑکوں کے پتھروں سے گلے کیونکے اُس کو چوٹی
چھوڑ کر ہم کو نتھے اور سے جو لاگ لگی
ہر ایک گرد باد ہو مجنوں کو دھول کوٹ
نہیں مہندی یہ ترے تلووں سے ہو آگ لگی
آزاد نامش خواجہ زمین العابدین۔ در زمان محمد شاہ مغفور بودہ۔

ویراست۔

مازندہ بود در رقابت ایشان بود۔ در لکھنؤ و دیوبند حیات سپرد۔ گاہے شعر و نعت
ہم بنا بر جودت طبع می گفت۔ از افکار بلاغت آثار او مست۔

دعای تھے سب غزل جو تجھ سے ہم سے یہ لعل قیمتی دیکھو جھوٹا نکل گیا
ہر صبح آدنا ہی تیری بابرہی کوں کیا دن لگے ہیں دیکھو خورشید غاوری کوں
رکھے سپارہٴ دل کھول آگے عند لبوں کے جن میں آج شاید بھول ہیں تیرے شہیدوں کے
میں نے بیچ جا کر شیشے تمام توڑے زاہد نے آج اپنے دل کے پھولے پھوٹے
جان تم پر کچھ اعتماد نہیں زندگی کا کیا بھروسہ ہے

خواجہ امین الدین عظیم آبادی در شعر فنی و نکتہ رسی یگانہ روزگار بالفعل
در ہنگامہ از موسلان میر محمد رضا خاں مظفر جنگ است۔ صاحب دیوان و تخلص او
ایمن۔ این ابیات از دست۔

خورشید ترا دیکھ کے منہ کانپ کے نکلا مہ چادر متاب میں منہ ڈھانپ کے نکلا
نہ روک اے آستیں آنسو کو میرے یہ تیرے تھانے سے تھم رہے گا
ہم کو کیا گر بہا ر آتی ہے دل وہ غنچہ نہیں کہ وا ہوگا
عکالیاں غیر سے سناتے ہو ہاں میاں اور تم سے کیا ہوگا
جب نہ تب آتا ہے وہ سر پر مشیر کھینچ کچھ بھی تو دل میں ندامت آہ بے تاثیر کھینچ
دل مرا سینے سے یوں لپٹی ہے وہ زلف دو تا جو طرح مجھ سے لے اٹھ کر آتش گیر کھینچ
کیا مجھے بھاری تھا جی اپنا جاتا آپ سے سامنے تیرے اجل لائی ہے بے قصیر کھینچ
گر تجھے منظور ہو دن رات اُس کو دیکھنا صفحہ دل پر ایں رکھ بار کی تصویر کھینچ
کشورِ حسن میں اندھیر ہے کچھ مست ہو چھو نو خطاں شام کو کرتے ہیں سحر سے پیوند
یاد آیا ہو اب نہ بساے چشم دیکھنے دے ذرا تو رہ لے چشم
کیا کہوں ہاتھ سے دشت کے گریبان کھال اک طرف بھٹتا ہے اک طرف سے جاتا ہوں

۵۹
 لے چشم تو تمام اس کو ہوا شک تو جوش ادب پر
 مڑ گاہ نہیں کہہ سکتی اس طفل کو دوش ادب پر
 آگاہ نامش محمد صلاح از فنون سخن واقع - از دوست

پیری میں کروں سیر جہاں کی تو بجا ہو
 میرزین العابدین آشنا - آبائش از مردم تبریز بودند بخوبی حوت زند -

کیو صبا تو اتنا مرے تند خو کے تیں
 گر مجھ سے دوائے کو تم آزاد کرو گے
 آخر کسی بھی وجہ دکھاؤ گار کے تیں
 دیرانے میاں کہتے ہی آباد کرو گے

میر کاظم آوارہ از نقارش وحشت ظاہر از اشعار دوست
 اے عندلیب خاکے جن میں کرے گی کیا
 نوابہ امیر اللہ توطن عظیم آباد - درد مند و عاشق پیشہ است - اور است -

نہ چھوڑا میں جھنجھلا کے تار گریباں
 جو ہاتھ اس کے بند قبا کھولتے تھے
 رہے تانہ گردن پہ بار گریباں
 سو مشغول ہیں اب بہ کار گریباں
 خواجہ آثمی دہلوی نامش پیر سید برہان الدین مرثیہ ہندی خوب می گفت -
 ورنہ تختہ اش نیز بطور سخن گستران قدیم است - فقیر ہم دے رادر شاہ جہاں آباد وید
 بود - از اشعار دوست -

رات کو میں شمع کی مانند رو کر رہ گیا
 میں وہ بلبل ہوں جو صیاد کے گھر تیج پیدا ہو
 صبح کو دیکھا تو سب تن اٹک ہکر بہ گیا
 اس طرح شوخ کی مڑ گاہ میں مڑل چھیں
 جہاں میں آنکھ جب کھولی قفس کا نشان دیکھا
 جن کے تکت کے اوپر شبہ گل کا بھل تھا
 ہزاروں طلبوں کی فوج تھیں اور شو تھیں غل تھا
 خزاں کے دن جو دیکھا کچھ نہیں بجز خار گلشن میں
 بتاتا باغباں دور دیباں غنچہ ہیاں گل تھا
 صاف دل ہو نا بہت دشوار ہو
 آئینہ بھی عکس سے خالی نہیں
 تمہارے سیتلا کے داغ پیارے
 عجب ہر چاند میں بکھلے ہیں تارے

جس بلبل نے چھوڑے خُدا آواز کے جھکے ^{۵۸} تبھی گھٹن میں سارے جل اٹھے گلہ دار کوئلہ کے
افصح آتش شاد فصیح از تلامذہ مرزا بیدل بود۔ عمر دوازے یافت در کھنڈو

موتکلامہ می گذرانید۔ شعر فارسی و رنختہ ہر دو می گفت۔ اور است

کریا دے تجھے جدھر گئے ہم ہم تو نہ رہے کدھر گئے ہم
زابد سو کے کعبہ ہم سوے دیر اودھرن گئے ادھر گئے ہم
جب ہوں تجھ سے جدا جیتے ہیں کیا کرتے ہیں زندگانی ہر کہاں موت کے دن بھرتے ہیں
کیا بلا شوخ کی قامت دیکھی ہم نے جیتے ہی قیامت دیکھی
آزاد دہلوی ناش میر مظفر علی قلی از این درم شد آباوی بود۔ از اشعار
او سہین قدر بدست آمد۔

بوچھنے کیا ہو کہ بیدار کروں یا نہ کروں یہ تو فرماؤ کہ فریاد کروں یا نہ کروں
وعدہ وصل تو کرتے ہو سخن سچ کہیو دل کو اس وعدے سے بے شک کروں یا نہ کروں
مرغ دل تیری جدائی سے پڑا ترا پیچے ہو اس کو کیا حکم ہو آزاد کروں یا نہ کروں
آشنا الہ آبادی ناش غلام بدیع الدین بود۔ دارستہ می زیست۔

اور است۔

ظلم سوں شیریں سخن کے جی دیا ہو سر نہک عشق میں ساتھی نہ پایا کوئی مگر فراد ہم
آزاد معاوردی دکھنی بود۔ شعر پنجویں می گفت۔ این شعر از مسموع شد۔
آئین جہاں کی ساری آزاد صنعتیں پر جس سے کہ یار ملت ایسا ہنر نہ آیا
خواجہ امام بخش متخلص بہ امامی از موزونان عظیم آباد است۔ در مرثیہ گوئی
سید الشہداء کے اوقات بصری برو۔ اور است۔

لے یوں کان کا موتی ہو زلف یار پہلو میں رکھے ہے جس طرح بیت اپنے من کو مار پہلو میں
صدائے قفل بنا اُسی کو میں سمجھتا ہوں نشے میں تاک جب ساقی مرا ہنستا ہو تھمہ کر

مے دیوانے دل کو شو طغلاں ہستراحت ہو
انہول کے ہاتھ کا پتھر سے سنگِ جاحت ہو
مرے رونے سے وہ بھوبیں کیوں نہ ٹوٹے
برستے میں ہنرناکماں کی طرح سے ہو
شب بھر روتے روتے کٹے ہو
سحر کی مجھے دیکھ جھپٹتی پھٹے ہو
گلی شمع کے سر کو رونے سے کیا ہو
یہ کوئی آگ بانی دیے سے گھٹے ہو
علی نقی خاں متخلص بہ انتظار خلف علی اکبر خان مین باشی دہلوی ست درواز
مہابت جنگ دار مرشد آباد شد و در انجا ساکن گردید - ریختہ اش نہ بہت افزاے
طبع ناظران و محبت بخش خاطر حاضران است -

کیا ہو شمع نے کیا سرفروشی میں ہنر پیدا
کٹا تے دیر نہیں لگتی کہ پھر کرتی ہو سر پیدا
دل تری بزمِ محبت سے کہیں دور نہ تھا
گور سائی کا وہاں تک اسے محدود نہ تھا
ہو بغل گیر جگر سے گئے کتنے اداک
تیرے سینے میں حیا؟ ہو مجھے معلوم نہ تھا
میری لوحِ مزار پر یارو
کھینچو انتظار کی صورت

بک دل تو االجھنے دے ملازعت میں اپنی
کافر ہوں اگر یاد میں زنا نہ پنوں
جو داغ ہو پہلو میں سو فرمایش دل ہو
پہلاں نہ کرے سینے کہارالیش دل ہو
بھونتا رہتا ہو داغِ عشق شعلہِ خون مجھے
جیل کبابِ سیخ اس پہلو سے اس پہلو مجھے
بھر نظر جب تری پکول کو میاں دیکھا ہو
دل کو آؤ بخٹہ لوکِ سناں دیکھا ہو
دقت ہو خانہ دل قصہ اگر اس کا ہو
کوہِ ناوک سے کہ آ بیٹھے یہ گھر اُس کا ہو
بجھ سے بے دل نہ ہو آزدہ بنا گوش سے زلف
شامِ مہمان یہ تیرا ہو حسد اُس کا ہو
دیکھتے ہی اس دل پر غول کو مارے جنگ کے
چور ساتی نے کیے شیشے نے گلِ جنگ کے
اُس سے غلوٹ میں ہل اور عیش سے یلوی ہو
نقشِ دیوار تک وہ پلے جا سوسی ہو
نقشِ خاطر ہوے از بس کہ تم تیر گئے
یہ سیر؟ داغ کا رخ کیہ پڑاوسی ہو؟

۶۰
 آمی دہلوی آتش میرا می خلع الصدق خواجہ آشتی در مرشد آباد تعزیر
 داری سید الشہداء علیہ السلام اشتغال داشت بشہور است کہ شبہ در عین تعزیر بے پوش
 گردید ہ بہ بہشت خرامید از دست -

گھیرا ہے مجھے غم نے عجب حال ہے جی کا
 سینے میں جدھر وہ پوزا پھونک لے آہ
 راہ تکتے تکتے آخر جی سے آیا تنگ دل
 کس کے یہ خار مزخماں دل میں ٹھک ہے ہیں
 میں نے پہلو سے گم کیا تجھ کو
 اشک آوارگی سے تو نہ بہا
 سینکوں سے دل بھونک لیا سخت کر رہے ہو
 چاہ میں کس کی دل ڈبو بیٹھے
 کیوں آمی گیانہ آخردل
 آہ اب میرے دم کے سات ہوئی
 ہے صبح کو عزم رفتن یا
 سیرگش کو میں جاتا تھا جو میاد مجھے
 محمد اعظم درگفتو پرش شغل عطاری داشت از گفتگوے ادبست :-
 ہر قد کے سبب عالم بالا پہ تری زلف رکتی ہو داغ اپنا یہ زنجیر فلک پر

رباعی

پیدا ہو جب آہ و ناری میں ہے بجلی کی شال بے قراری میں رہے
 ہونا خواب ایسے کا فردل کا ہم جس کے سبب ہمیشہ خوابی میں ہے
 میرا علا علی خلع میر ولایت اللہ خال مرحوم و مغفور از نجباے دہلی است -

درویش و درویش زادہ سعد حلقہ اہل دلان نہادہ اوقات پہ کسب یا ضعیف بستی بہت
و بیشتر در یاد اکی مشغول ہی باشد صاحب علم و عمل پرورشہ شبنم زخمائش ہوید از دست

پہلے سو بار ایدھر اُدھر دیکھا جب تجھے ڈر کے اک نظر دیکھا
دیکھیں گے اس کی گنت کی کوہم لڑے گر کوئی نالہ ہم سے سرخام ہو گیا
آہ کے ساتھ جی بھل نہ گیا آہ سے آہ یہ خلل نہ گیا
اثر اتنا تو کام نہ کیجے سکا کام اپنا تمام کیجے سکا
کیا کیجیے اختیار نہیں دل بے جاہ میں ہیں سب و گرنہ یہ تری باتیں نگاہ میں
بے گنا ہوں سے دل کو صاف کرو نہیں تقصیر پر صاف کرو
اثر کیجیے کیا کہ ہر جائے مگر آپ ہی سے گزر جائے
کہیں ظاہر یہ تیری چاہ نہ کی مرتے مرتے بھی ہم نے آہ نہ کی
تیرے کوچے میں جا کے جو بیٹھے جان سے اپنی بات نہ دھو بیٹھے
حال اب بیکسی سے کیا کیے ایک دل تھا سودہ بھی کھو بیٹھے
آوارگی اب تو بھاٹیں ہیں میں ہوں جو کہیں تو دل کہیں ہو
جب کہ ایدھر تری نگاہ پڑی میرے ہی دل پہ میری آہ پڑی
افسوس کہ ان بتاں کے ہاتھوں اب آن ہی آخر خدا سے

بیاں میں کیا کروں اس سے زیادہ اپنی کامی تے بطور اور مجھ کو تجھی سے کام رہتا ہی
کلیجا پک گیا میں کیا کہوں اس کے ہاتھوں ہی شہر کچھ نہ کچھ اس میں خیالی خام رہتا ہی
اک دم دہلوی خلف خواجہ میر حسن درویش مشرب و از معتقان زمانہ است۔ از پند

سال دہر شد ابلہ بسبب دوستی راجہ دولت رام استقامت دارد۔ از دست۔

نندل کو قرار بے قراری کے سبب نہ چشم کو خواب خشک باری کے سبب

واقعہ نہ تھے ہم تو بن باؤں کے کچھ یہ کچھ دیکھا سو تیری بلی کے سبب

۶۲ جوں ہی بہار گل کی قفس میں خبر گئی سنتے ہی بلبل ایسا ہی تڑپا کہ مر گئی
 کیا ہی پر شور ہو اب تک یہ فغان بلبل چھن گئی زمزمہ کرنے میں زبان بے بلبل
 جو کوئی تیری نگاہ مست کا مخمور ہو شیشہ دل اس کا کیفیت سے چکنا چور ہو

رباعی

دیکھوں گا تجھے کب میں گسائیں سائیں آنکھیں تو سفید ہونے آئیں سائیں
 دل یاد میں دیدہ منتظر بر سرِ راہ تنہا میں دم اور زباں پر سائیں سائیں

رباعی

بیدار کے چاہنے کی طاقت نہ رہی دکھ دردِ نابہنے کی طاقت نہ رہی
 تب آیا عیادت کو مری بالیں پر جب دیکھا کراہنے کی طاقت نہ رہی

اتحاد - از مخمورانِ قدیم است - ویراست -

سنا تھا جسے کعبہ و بت خانہ میں آخر اتحاد میں اُسے حضرت انسان میں دیکھا
 محمد اشرف از موزدانِ عمد شاہ عالم است - ویراست -

آہستہ تو دو باتیں کر میں تم سے میاں ہم پھر دیکھیے اک دم میں کہاں تم ہلکے ہاں ہم
 آگاہ - آتش نور خاں شاگرد میر ضیا - دے راست -

پہلے قدم میں عشق کے میرا تو جی گیا مجنوں یہ چند روز بھلا کیونکے جی گیا
 امیدِ ہلوی ناش میرا نی - از شاگردانِ میرزارِ فیض سودا بود - در
 مرشد آباد رسیدہ انتقال نمود - از و است -

کس جنگ جو کی صبح کو باتیں نکالیاں باہم مباحث میں الجھتی ہیں ڈالیاں
 اولاد - آتش میرا ولا علی از سادات بارہہ - ویراست -

بتاں ہر چند بھلاتے ہیں میرے دل کو پاؤں ادا کس طرح مجھ کو اس پری خلد کی بھولے
 اثر ناش خواجہ محمد میرو بلاد خواجہ میر درد - از نجباء دہلی است -

غازی پور سیٹ۔ از سخنانِ اوست۔

عالم کی تیری چشم نے حالتِ تباہ کی دورِ فلک سے کم نہیں گردشِ نگاہ کی
حیراں کرے گی آئینہ رویوں کی دوستی صورت کوئی نظر نہیں آتی تباہ کی
ہیں عکس آئینہ ہم جب تک رو برو ہر ہم کچھ نہیں ٹھہرتے جو کچھ کہہ سوتو ہر
اے عشق بجاں تک مجھے لے جاؤ ہوش سے گر جاوے تابیہ بار خودی اپنے دوش سے
کل یاد میں تیری بے خبر تھے معلوم نہ تھا کہ ہم کدھر تھے

میر غلام علی باظہر دہلوی شاگردِ میرٹس الدین فقیر دودہ۔ شعر فارسی خوب
می گفت و بانقیر ہم دوستی داشت۔ از چندے پائے طلب بدمین تو کل کشیدہ در عظیم آباد
ودعیت حیات سپرد۔ گاہے زخمتہ ہم طرح می کرد۔ اور است۔

نہیں ہر مرد کا چشم ساتھ آنسو کے نکل کے داغِ جگر جم رہا ہر آنکھوں میں
کہوں صبح کب تک شب تار کو بھلایا مجھے کیا کون یار کو
خراہاں کسے دیکھ گبک دری گیا بھول یک اور فتار کو
جب گھر سے وہ مسِ خواب نکلے سو فتنے سے ہم کاب نکلے
جس بزم میں رات کو کہ تو ہو منہ دیکھو جو ماہتاب نکلے

احسن نامش میرزا حسن علی از جوانانِ نیکو خصال۔ اول از میرضیاد آخراہ
میرزا رفیع سودا شق سخن نموده۔ در لکھنؤ از منسلکانِ نواب وزیر است۔ کلامش
حسن معانی دارد از دست۔

یارو وہ صنم کدے کئے کرے کام خدا کا ام اس کا خدا ہے وہ نہیں رام خدا کا
خط مرا اُس نگار نے نہ پڑھا کیا لکھا تھا کہ یاد نے نہ پڑھا
ہجیر میں کیونکر نہ ہووے آہ دزاری بیشتر ہے قرارِ دل میں کم اور بے قرارِ بیشتر
موندِ بحرِ الہی میں تنہا کچھ نہیں روتے ہیں ہم وصل کی باتیں کٹیں یوں ہی ہماری بیشتر

اجمل آبادی، نامش محمد اجمل، برادر خرد شاہ غلام قطب الدین مصیبت تخلص۔

نجابت و مخیت سلسلہ ایشان شهرت تمام دارد۔ از کلام دوست
 شاد تھادل سبک بریں جب جان تھا ہائے کیسی رات تھی جس رات وہ ہم خانہ تھا
 ہو گیا تھا کہتے کہتے ان دنوں میں ہوشیار پرورد کیا کل میں اجمل کو دہمی دیوانہ تھا
 انشا۔ نامش میر انشا اللہ ولد حکیم میر انشا، اللہ مقدر تخلص است۔ راقم
 حروف وے رادر صغیر سن ہنگام دولت نواب میر محمد جعفر خاں بہادر دیدہ بود۔ با
 والد ایشان آشنا بودین دلا سموغ شدہ کہ مرد مستعد و جلیہ خوبی ہا مزین است
 گاہے شعری گوید۔

گالی سہی اداسی جبین جبین سہی یہ سب سہی پہ ایک نہیں کی نہیں سہی
 ہوے ہیں خاک سر راہ اس کی ہم انشا بڑا غضب ہو جو یہ بھی فلک نہ دیکھ سکے
 میرا و کیا از سادات قصبہ مہان توابع کھنواست۔ از دلدہ مرشد آباد
 رحل اقامت انداختہ طبعش در تخته گوئی رسا است۔ وے راست۔

مُرخ اپنا بادہ گل گوں سے تم نے لال کیا چراغِ حسن کو پانی سے اشتعال کیا
 آتشِ عشق میں ٹھیرا دل بتیابِ شبابِ قایم الہا کیا ہم نے یہ سیابِ شباب
 دل آتش سے بھرا ودیہ ترکب رکھتا ہوں ابھی عاشق ترا ڈوبا جلایا باب رکھتا ہوں
 زاہد نے کہا حرم میں بستی کرے ہندو کتا ہوں بت پرستی کرے
 اے دل زہرا اس کبھڑے میں نہ آ ہستی کوئی دم ہو خوب مستی کرے
 جو کوئی بلاے ناگمانی مانگے اور راو عدم کی کچھ نشانی مانگے
 دکھلا دے اُسے تو انہی شمشیر نگاہ جس کا مارا کبھی نہ پانی مانگے

احمدی شمس شیخ احمد مویش قصبہ زانیہ و سلسلہ نسب شیخ قاضی شمس الدین
 ہروی کہ از خفاے شاہ شریعت دین بہاری ہومی رسد از تربیت یا تھکان فیض علی خلون

۶۷
دل کے ہاتھوں کہاں چھپوں جا کر مجھ کو ملتا نہیں پناہ کہیں
آشفۃؔ اسش میرزا رضا قلیؔ از دست

شعلہ خواگے تو اتنا نہ جلاتا تھا مجھے آج تو آگ ہوا غیروں کے بھوکا نہ سے
اپنے کے ہوتے بھلا غیر کو صدقہ نہ کرو ہم بھی جی رکھتے ہیں پیارے تر سخران گئے
برسے کے واسطے چٹا تو لگا کہنے مجھے بس کہیں دور بھی پو منہ کو ترے آگ لگے
افسوسؔ اسش میر شیر علی خلع مظفر علی خاں کہ داروغہؔ تو بکاؤ ذواب
عالی جاہ بود اسش از نار نول است۔ بالفعل از ہم محبتی میر حید علی حیران و میر حسن
مشق سخن بر تہ اے ومانیدہ کہ پسندیدہ نکتہ سنجاست

صبح نہ کرتا ہی یہ دل لاشک باری بیشتر ہو سحر کو خانہ ماتم میں زاری بیشتر
بزم میں اس کی نہ روتے ہیں نہ سن سکتے ہیں چپکے ہی بیٹھے ہیں ہر ایک کا منہ نکتے ہیں
کہا میرا مطلق نہیں لانتا ہی تو جیسا سنا تا ہی جی جانتا ہی
انصاف جو پوری اسش عمدہ کھلی در فن رختہ گوئی طرز خوب دارد۔

اشعارش متفرق دیدہ شدہ۔ از دست
کھائی دام کی تنخواہ قسمت بیج بلبل کے
واقع ہیں ہم کہ عشق کے شہوے میں جس نہیں
تیری گلی کی خاک ہوا آہ کیسا کروں
پکر کھلے چلنا حق مجھے صیاد اے بلبل
مجھ کو تو صیاد کی الفت سے بھا۔ اتھاف
یادیں لپٹے کی عینوں اپنے جی سے تنگ ہی
کیوں نہ ہوئے اس کے اوپر صحت صحت

خواجہ احتشام حسین عظیم آبادی طبع موزونے داشت۔ اور است
دشت کو غم نہیں عجز کا فراموش ہنود دیکھو چشم غزالاں ہو سہ پوش ہنود

ہو تو بھی چرخِ اس ستم ایجاد کی طرف
 سراپے کو جوں نے گئے ہم اس کے قدم تک
 سجدہ گاہ ہے خاکِ احسن اب تو ساری خلق کی
 دل ہو دیلا سے ایس تو سرور نہ ہو
 بزم میں اس کی جو ہوتی ہے کبھی سرگوشی
 کیوں طاقت اس قدر کرتے ہو بے حاصل ہے
 ہو مجھ میں رتِ عدیدہ تجھے تا نگراں ہے
 محروم ہم ہوں محرمِ اسرار ہو کوئی
 راتوں کو اس کے کوچے میں جاتا تو ہوں دے
 پہنچی جس وقت مجھے اس کے خبر آنے کی
 تم تو دل مانگو ہو یہاں جان تک حاضر ہے
 کافی ہو یا س مجھ دلِ ناشاد کی طرف
 پہنچا دیا شو کرنے وہیں ملکِ عدم تک
 جان دی تھی اس نکس کی حسرتِ پاؤں میں
 چشم میں روشنی طور سے بھی نور نہ ہو
 دل دھڑکتا ہے کہ میرا کس نے ذکر نہ ہو
 لگ چکا اب جھوٹا شکل ہے اس کی دل ہو یہ
 جوں شمع مرا تا رنگہ رشتہ جاں ہے
 خلوت میں ہو کوئی پس دیوار ہو کوئی
 دھڑکے ہو دل پڑا کہ نہ بیدار ہو کوئی
 سُدھ رہی مجھ کو اپنے کی نہ بیکانے کی
 بات یہ بھی ہے کوئی آپ کے فرمانے کی

آشنا مرد درویشی از ہمہ بیگانہ بود۔ اور است

کھو تو میراں ہو ہم یہ اے بُت کہ آخر ہم بھی بندے ہیں خدا کے
 الہام۔ امش شیخ شرف الدین، فارسی گو است۔ گاہے رخنہ ہم می گوید
 دور کھنڈ سروا برہنہ می گردد۔ اکثر مردم آن دیار معتقادیند۔ از دست۔

اری نیکی تیرے قربان ہوں بُرے وقت میں ایک تورہ گئی
 احسانِ نامش میر شمس الدین خلف میر قمر الدین منتِ تخلص ہے راست۔
 نظر آتا ہو ملکِ دل ڈھا اُڑا جلا ٹوٹا خدا جانے کاس بستی کو کس بے رحم نے لوطا
 میر مہدی تخلص ہے آہ خلف میر محمد سوز۔ شاگرد والد خویش است۔ از نالہ

بے ادست۔

آہ نیکے ندول سیں آہ کہیں ہو نہ جاوے جہاں سیلہ کہیں

کیا زلف ہیں اُس شوخ کی تھی دہلی صبح
تک زلف کو میں ہاتھ لگا یا کہ اُدھر
ست کیو بیآں جام اجل پیتا ہر
یار و جو مرے حال کو پوچھے وہ شوخ
سو طرح سے یہ عشق بُھاتا ہر مجھے
کس ماہ کا یہ عکس پڑا ہر یارب
کتنا ہوں جناب حق میں ڈرتے ڈرتے
ہر اس کو یہ قدرت کہ بیان سا محروم

بے تو اے متوطن قصہ نامِ معاصر خان آرزو بودہ - دیاست
تم ہو بوس و کنار کی صورت میں ہوں امیدوار کی صورت
بے تو اہوں زکات حسن کی لے لے یاں مال دار کی صورت

بھکھاری لعل دہلوی - در عہد احمد شاہ بودہ - از دست

کتنا نہیں کہ سحر میں کوئی یار چاہیے
بتیاں - نامش سنتو کھراے - معاصر محمد قایم - مرد آ زادے بودہ - از دست
نہ رہے باغِ جاں میں کیوں آرام سے ہم
سبز ہے اُس کے خط کے نہ مارا گیا میں ایک
محبت اب تک کہتی ہے یہ تاثیر بخوں کی
بقا - اسش قہار اللہ خلف حافظ لطف اللہ رکھنو مقیم وشاگرد مرزا

محمد فاخر ملکس فارسی گوشت - از اشعار زبختہ دوست

دیکھے منصب مجوں پہ یہ لیلے صفتاں
خاک میں ہم کو ملاکس کو سرفراز کریں
یاد میں ترپے ہر دل کس ابروے خمدار کی
آج کچھ ناخن بہ دل ہر آہ اس بیمار کی

میدار خال دل لطف علی خاں خدمت بخشی گری نواب بہادر جاوید خاں تبار

داشت تخلص او انسان و این بیت از دست

زمین و آسمان اور ہر وہ سب نجد میں ہو مثال نظر ہر دیکھ مشت خاک میں کیا کیا جھٹکا ہی

حرف الباء

بیان امیر حسن اللہ شاگرد مرزا مظہر مولدش اکبر آباد و سکشن بدلی است

مرد عاشق پیشہ و کلامش پُر شور از وسع

مری جان تو ہاتھ ملت رہے گا
لے گئی قرار و دین و دل و ہوش لوٹ کر
سینے میں اب تک تو رکھا مار کوٹ کر
لے عنذ لیب تو ہر نفس میں ہزار حیف
تغافل ارے بے خیر کب تک
کہ سینے سے آتی نہیں لب تک
یہ بلبل ناواں آخر نفس ہی میں ہوا بسمل
نوا جاتا ہے کول تاناکہ ملک تو بربلا بسمل
بیان کس منہ مانگے اوس سے اپنا خون بہا بسمل
جس طرح کٹا موز گزرباے غلی شب بھی
یہی دے صبح سے دھڑکا کہ شام آتی ہے
آتا ہے اوس کی نرم میں بلور دگر مجھے
وگر نہ بات تری کا جواب آتا ہے
عالم کی غضب سے جان کھوتا ہے گکا
زادہ پر مرے وہ شوخ سوتا ہے گکا

بیان تیرے کوچے سے جلتا رہے گا
ہک بار فوج عشق پڑی مجھ پہ ٹوٹ کر
لینا اگر ہو دل کو تو لے بھی اُسے کہیں
آتا ہے جی کو دیکھ کے جوش بہا حیف
نپٹ ہی بیان کا برا حال ہے
ہوئی آہ اب اس قدر نارسا
ادب تیار کے دل میں نفس خون ہو گیا میرا
ترپنے کے تلشے کی ہوس باقی ہے قاتل کو
بھل سکتا نہیں ہر شکر کے عہد سے قاتل کے
مت آئیوے وعدہ فراموش تو اب بھی
شب فراق کی دہشت سے جان جاتی ہے
رہا ابھی سے کرتی ہوا ہے چشم تر مجھے
جھگڑتے تجھ سے پیارے حجاب آتا ہے
جس وقت کہ بیدار وہ ہوتا ہے گکا
غبنوں کو صبا کہو کہ آہستہ کھلیں

یار کا جب خیال آتا ہے ^{۱۷} ہوش میرا تمام جاتا ہے
 شرف الدین علی خاں پیام شاعر فارسی گوشت۔ این شعر بختم از دست
 بات منصور کی فضولی ہے ورنہ عاشق کو آہ سولی ہے
 میر جہاں علی بسمل از در میان ضلع چار گراہ نجابت و شرافت خاصہ دو مان است۔
 در شریفہ دارد و نقش بسیار با کیفیت مضمون را بہ آئین ثابستہ می بندد صاحب دیوان است۔
 ادست۔

نہ آپ کو رکھنا نہ اسے آشنا کیا
 رہ گیا منہ دیکھنا افسوس میں
 نہ پوچھ مجھ سے تیرے دل پہ عشق کیا لایا
 جہاں میں ساتھ نہ لایا کچھ اور میں اپنے
 کہاں تھی اتنی توقع نصیب سے اپنے
 وہ نہ دیکھا تری میں شوخی میں
 جب کبھی گم خواب غفلت سے
 اے جان جاں اگر میں تجھی سے جدا رہا
 اوس سبز خط کے ابروے خم دارد دیکھنا
 دل خس و خاشاک کی صودت نکلتا ہی رہا
 کیا اُس کو جتا دیں ہم جو ہم نے کیا ہوگا
 جب غمزہ چشم پار دیکھا
 یاد آگئی مشت خاک اپنی
 کیا شاہ پڑی ہے لائے
 پیدا کرے کچھ اور ہی تیرے مری نظر
 حیران ہوں میں اس میں کہ اس ملنے کیا کیا
 مفت لے کر دل مراد لب سر گیا
 جو کچھ کہ لایا سولا یا غرض بلا لایا
 مگر یہ ایک دل درد آشنا لایا
 گلی میں یار کی بستر مگر خدا لایا
 جو میں تیرے حجاب میں دیکھا
 ایک عالم کو خواب میں دیکھا
 پھر زندگی کا میری بھلا کیا مزا رہا
 یہ زہر کی بجھی ہوئی تر وارد دیکھنا
 گو سرا دامن کو اپنے وہ جھکتا ہی رہا
 کیا کیا نہ کیا ہوگا جب دل کو دیا ہوگا
 سو تیرے جگر کے پار دیکھا
 اُڑتے جو کہیں غبار دیکھا
 اس دل داغدار کی صورت
 ہو تو تیرے چشم گم کر نک پاب دست

پروانہ مراد آبادی - شمسید پروانہ علی - ترک علائق دنیوی منودہ بفقہ
می گذراند - اور است

الفت جو کی ہو تم نے میاں اوس کا تھامو یاد دل چلے گئے ہو مرا میرے ہاتھ دو
اپنا تو دل زلمے سے ایسا بہ تنگ ہو جو دم ہو زندگی کا سویشے پہ سنگ ہو
پروانہ - آتش راجہ جنوت سنگھ ابن راجہ مینی بہادر شاگرد لالہ سرب سنگھ
راے دیوانہ مخلص است - در لکھنؤ می گذراند - کلامش سوزشے دارد - دے راست
یوں آگ دی جگر کو میں اس دل کے داغ کرتے ہیں جیوں چراغ کو روشن چراغ سے
بہل ذرا تو دیکھ کہ گل جیں جیں آج بو کر رہا ہو گل کے تئیں کس داغ سے
پاکباز نامش میر صلاح الدین ابن سید جمال دہلویست - اشعار خود را بنظر
میر عبدالولی عزت و مصطفیٰ خاں یک رنگ می گذراند - کلامش شستہ و صاف - ابن

چند بیت از دوست

مجھے درد و الم رہتا ہوتا گھرے میاں صبا خبر لیتے نہیں کیسے ہو تم میرے میاں صبا
جلوے تھامے حسن کے نت ہیں پہ ہم کہاں تم تو سخن ہمیشہ ہوا فوسس ہم نہیں
قفس کے دیکھو اے قمری ابھی لو کرتا ہو خدا جلے کرے گا ذبح یا آ زاد کرتا ہو
جواب نہ مرے تو پھر انتظار میں مرے خدا خزاں نہ دکھاوے بہار میں مرے
تمام عمر شرابیں پیائے ساقی ہزار حیف کہ آخر خمار میں مرے
ٹیک چند بہار - از شاگردان آرزو - شعر فارسی می گفت و گاہے ریختہ

ہم انشائی نمود - اور است

دہی اک رہیاں جو جس کو ہم تم تارکتے ہیں کہیں تسبیح کا رشتہ کہیں زتارکتے ہیں
اگر جلوہ نہیں ہو کفر کا اسلام میں ظاہر سلیمانی کے خط کوں دیکھ کیوں زتارکتے ہیں
دل کو تمہ عشق سے قرار نہیں اب تک تھکو اعتبار نہیں

گوجدا ہوں میں جان سے لیکن
 کفر و ایمان سبب عشق ہو کیاں مجکو
 اتنا ہوں داغ سراپا کہ گماں کرتے ہیں
 اس قدر ہو مرے چہرے پر مایاں حیرانی
 خود فراموش کیا اس قدر اب وحشت نے
 جھڑکیاں اُس کی اور میری منت
 ترے فراق میں جب تک کہ داغ داغ نہ ہو
 مبارک ہو تم اپنی زلف کو اور خال کو دیکھو
 کہوں کیا میں حقیقت اپنی خونباری کی ظاہر ہو
 بیاض حسن میں اے دلبر حجاب زدہ
 پناہ زلف نہ لے کیونکہ کشتہ رخسار
 کیا توقع میں رکھوں غیر سے جب اپنا ہی
 کس بھروسے پہ تو بھولا ہو بھلائے نسل
 ہوتا ہو نمایاں خط گل سایہ گل سے
 کوچے میں تے نہمت گیسو سے تری بار
 جب دام زلف ہی کے گرفتار ہو چکے
 دل میں گئے سب کچھ کے کسی کو میاں نہ
 وہ کہاں ابر اور بہار میں ہو
 لاکھوں ہیں گئے تری گلیوں میں بیٹے
 اگر تو ہی نہ ہوے جان مجھ پاس
 اک عمر کے بعد جان تجھ کو

جان میں دل ہو جان ہو دل میں
 گہر کہتا ہو کوئی کوئی مسماں مجکو
 ہر کوئی دیکھتے ہی سرو چوڑاں مجکو
 ہو گیا دیکھتے ہی آئینہ حیراں مجکو
 نہ گریباں ہی رہا یاد نہ داماں مجکو
 اس جواب و سوال کو دیکھو
 دل گرفتہ مرا یار باغ باغ نہ ہو
 وے مجھ سے بھی سودائی پریشاں کو دیکھو
 مری آنکھوں کو دیکھو اورے دھمال کو دیکھو
 ترا یہ مطلع ابرو ہو انتخاب زدہ
 دھام طالب سایہ ہو آفتاب زدہ
 دل جدا دشمن و دلدار جدا دشمن ہو
 دوست جانے ہو جسے تو سوتر دشمن ہو
 کیا یا قیامت تری نازک بنی ہو
 ہر موج صبا نازک مشکبختی ہو
 ہر طرح بال بال گہنگار ہو چکے
 ان بے وفاؤں سے خردوار ہو چکے
 جو کچھ اس چشم اشکبار میں ہو
 ایک نسل تو کس شمار میں ہو
 مجھے پھر زندگی سے کام کیا ہو
 دیکھا ہو میں کس کس آمد و سے

ہی روغن زہے گا داغ مری چھائی کا

بڑھ لے شیخ اکل فرنے بت خانے میں کیا دیکھا

بیتاب جاں بلب ہند ہا ہر ذرا تو دیکھ

نہ دے آنکھیں دے غم میں نہ وہ گفتار کیا باعث

سچ کہ تو لے مباحہ گلستانِ دہر میں

چلتے بتوں کو دم شمشیرِ آبِ حیات

نیرے کانوں ہی تک پہنچ نہیں سکتے ہیں

قتل کر چکو اسی کے تو سزاوار ہوں میں

سادہ رو دیکھ تو یہ خشک لبی حیرانی

نہ اپنے دردِ دل سے میں تجھے آگاہ کرتا ہوں

کبھی ہو کے دو چار سچ کہو

مری حالت کو چشمِ بار سے پوچھ

جی دیا سر کو ترے پاؤں پہ دھرتے دھرتے

جا تا ہر کہاں دیکھ تو اے یار خبر لے

بیدار۔ از رو سادہ ہلی ست۔ بخور کامل شعور۔ ہمعصر خواجہ میر درد۔ دیوانش

یک ہزار بالفہ بیت نظر آمدہ۔ کلاش دل چسپ و اسٹش میر محمدی۔ این ابیات از

منتخب دیوان اوست کہ تحریری آید۔

کنا یا بی سے تیری یار تار آرزو ٹوٹا

اُدھر آئی بہلا اید ہر گرہاں کار نو ٹوٹا

تجھے چیرد گلا آری سے جو اس ایک ٹوٹا

جس دل میں تو مقیم تھا وہاں غم نے گھر کیا

غیرت نہ آئی تجھ کو سنگ مرہزار حیف

۷۲
 پاؤں یا رقت نصیب جنا ہوا ہم ہاتھ ملتے ہی بہتا سدا رہے
 تجھ سا کوئی نہیں ہے زمانے بخی برد کیوں کر نہ مبتلا یہ ترابستلا ہے
 خط نہیں ہے یہ خط مشکیں ترا مصحفِ رخسار کی تفسیر ہے
 یہ سجات سرِ خ لے قاتل ترا خونِ بسل ہے کہ دانگیر ہے
 پھنس چکے دامِ محبت میں تھے آگے کار فرمائے قضا دیکھے کیا کرتا ہے
 ایک دن جان ہی جاوے گی تری لے بسل کو چہ یار میں جاتا ہے برا کرتا ہے
 دُور جب سے ہوں یار جانی سے ہوں خفا اپنی زندگانی سے
 لبِ تلک آہ آ نہیں سکتی آہ صد آہ نا تو انی سے
 اڑ گئی نیند ایک عالم کی رات بسمل تری کسانے سے

میرمن بہادر بیتیاب تخلص سید صحیح النسب بود۔ بخد مت بخشی گری نواب
 سراج الدولہ ناظم بنگالہ امتیاز داشت۔ در جنگ فرنگیان د کمال شجاعت و جانبازی
 کشتہ شد گا بے شعری گفت از دست

عبث خیال ہے دل کو خوشی کا دنیا میں کہ سایہِ رم آہو میں کن نے خواب کیا
 بہت ہے یار سے ملنے کی آرزو بیتیاب یہ دعا کو ہمارے خدا اشتا بکرے
 شاہ کھو ولد شاہ کمال متوطن دہلی درویش صاحب حال بود۔ سخن شود انگیز
 می گفت تخلص او پاکباز۔ شعرش اینست۔

کماں تک ل جلے او کب تک چشموں سے آگے مزا انیت کا کچھ نہیں جل یارب ثنا آگے
 نظراں خوش بین کو نہیں مے احوال پر اک تل مجھے کیونکر نہ ہم چشموں کے آگے ابجا آگے
 کماں بیدار ہیں تھے نصیب لے پاکباز ایسے کدھر کو اس کے زانو پہ رکھوں اور مجھ کو خوا آگے
 میر محمد علیم بیتیاب۔ اوراقِ چند از سخنانش دیدہ شد۔ آشفگی و شیفگی لڑکھاش

ہو یا۔ از دست۔

تمہیں ہر آنکھ خوں آکھوں سلطان اس قدر
 گلشن میں گر دکھیں مجھے ہوں نبل دنگس نجل
 آیا تھلا ت خواب میں وہ سرو خوش خسر ام
 بسل ہی ہو کے جان گنواے ہزار حیف
 آج ساقی دیکھ تو کیا ہے عجب رنگیں ہوا
 جس طرف کو دیکھے بیدار تیرے آنکھ سے
 کیا ہو گئے گلشن میں کر لے عزیزاں شاد ہم
 نہ پر پرواز ہے بیدار نہ فصل بہار
 سایے کی طرح سے وہ پری رہ
 تیرے دندان لب رنگیں کی لے دریا حسن
 دیکھ تیرے منہ کو کچھ آئینہ ہی حیراں نہیں
 شتابی آکے مجھے تاب انتظار نہیں
 تک آکے دیکھ تو بیدار کے جگر کے داغ
 تجھ بن ہے بے قرار دل لے ماہ کیا کروں
 جی کے سوا کچھ اور نہیں اب بساط میں
 شب ہجراں میں نلو چھو کہیں کیا کرتا ہوں
 آہ کر لے جان تو مست شرب آغوش میں
 صبح تک ہر شب ہی رہتا ہے مجھ کو انتظار
 دل کو رہتا ہے زلیں محو تماشائے خیال
 صفحہ الماس کو گھر سے فزوں تیرے دندان کی
 اڑ گئے جل کے سبھی بال و پر پروانہ

برا نہیں بے تک کہیں ابر پیاراں اس قدر
 دل ہو پڑشیاں اس قدر اکھیں ہر حیراں اس قدر
 بیدار چشم سے ہے دل جوے خوں ہنوز
 ذرہ بھی ہم تڑپنے نہ پائے ہزار حیف
 سرخ لے کالی گھٹا اور سبز ہی مینا کارنگ
 ہو رہا ہے سرخ کیسوا میں صحر اکا رنگ
 روئے ہر گل کے گلے لگ بار کو کر یاد ہم
 کس توقع پر غص سے ہوویں اب آزاد ہم
 جید ہر گز نا اُدھر گئے ہم
 کیا تعجب ہے اگر ہو گوہر و مرجاں میں دھوم
 تجھ رخ روشن کی ہے ہر دم تالاب میں دھوم
 کسی طرح سے سرے دل کے تئیں تو نہیں
 کسوچن میں مری جان یہ بہار نہیں
 کشتی نہیں ہے سب کی شب آہ کیا کروں
 جاتا ہے بار گھر کو میں ہمراہ کیا کروں
 صبح تک شمع کے اند حب لا کرتا ہوں
 ہوئے حشر کدل حامد کباب آغوش میں
 آہ کب آوے گا میرا آفتاب آغوش میں
 دلت کو دیکھے ہے دل تیری خواب آغوش میں
 کیا تجھ لے ہم رنگ خیالت لعل و مرجاں کو
 کچھ بھی لے شمع تجھے ہے خسبر پروانہ

اس کھیل سے کہ اپنی مژدہ کو کہ باز آ
 کروں ہوں شاد دل اپنا ترے تصور سے
 غم فراق اگر ایسا جانتا بیتدار
 شمع سے روشن ہوا یہ نکتہ رات
 کیا کیا بیدار تو نے ہو غضب
 بھول جاوے گی تجھے کوہ کنی لے فریاد
 بھرا نہ شلنگیں نقش زخم کے دل کا
 دل فگار مرا خاک و خون میں تر پیچے ہو
 ایک بھی تار نہیں تاسر دامن ثابت
 سیل اشکوں سے دیا خانہ مردم کو بہا
 نہیں رہا ہو کیسو کہ اب اختیار میں دل
 بیدار وہ تو ہر دم سو سو کرے ہو جلوے
 یہ کون پئے شکار نکلا
 بچنے کی نہیں امید بھٹکلا
 محے جس کی تلاش میں شب و روز
 صاف کر دل تاکہ ہو آئینہ دیدار یار
 جام و آئینہ کو لے بیدار تو اودھر ہی رکھ
 کیا ہو قتل زبس تو نے بے گناہوں کو
 سجا ہو زور ہی بیدار دوش پر اوس کے
 جو وہ خورشید طلعت شام کو بوبام پر ظاہر
 ہزاروں نالہ جاں سوز ملے بلو جاتے ہیں

عالم کو نیزہ بازی سے زیر و زبر کیا
 اگر یہ شغل نہ ہوتا تو کیسے کب کرتا
 تو اپنے دل کو کسی سے نہ آشنا کرتا
 سر سے جو گزرا سو کا مل ہو گیا
 ایسے ظالم کے مقابل ہو گیا
 جاں کنی اپنی اگر دل مراد کھلاوے گا
 رہے گا مشترک نام میرے قاتل کا
 تو آکے دیکھ تماشا ملک اپنے بسمل کا
 یوں کبھی چاک گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا
 چشم خونبار سے طوفان نہ ہوا تھا سو ہوا
 کیا ہو قصد مگر تو نے دلربائی کا
 تس پر بھی تو نہ دیکھے تو ہو قصور تیرا
 دل ہو کے امید وار نکلا
 تیرا اس کا جگر کے پار نکلا
 پاس اپنے ہی وہ نیگار نکلا
 مانع روشن دلی ہو زنگ ہی آہن کے بیچ
 دونوں عالم جلوہ گر ہیں سب دل روشن کے بیچ
 ہوا ہو کو چہ و بانا فرش غل سرخ
 بجائے ہار مے تخت دل کا بکھل سرخ
 نہ ہووے صبح مشترک فحالت سے قمر ظاہر
 کبھی لے آہ کچھ تیرا بھی ہووے محض اظہار

دیکھو کر نہ غم کی لذتیں ہم پر حسرتِ رام
 سو ذہل کیونکر کر دل میں شعلہ خوار گئے بیاں
 ہوں میں وہ دیوانہ نازک مزاج گل رُخاں
 افکِ محکموں گرا بھی آنکھوں سے جاری کیجئے
 آہ اس ماتم سرا میں روئے کر کس کو یاد
 خواب میں بھی اوس کو ہم تک پہنچنا دو بھر ہوا
 خواب میں دشمن دلی گر ہے تو اپنی چشم کو
 آخر اے بیدار دیکھا تیرے جی پر کیا بنی
 اٹھ کے لوگوں سے کنارے آئے
 گر جلاوت ہو تو پروانے کی طرح
 نشے میں جی چاہتا ہے بوسہ بازی کیجئے
 چاہیے جو کچھ، سو ہو پہلے ہی مجھ میں حصول
 زائد اس ماہ نہ آست ہیں مے خوار کئی
 اس قدر اشک کا دیا ہوا جلدی تجھ بن
 کھ پامیں ترے صواری نشانی بیدار
 جی تو جفا سے تیری آنکھوں میں آ رہا ہے
 بد چھو جو دست ہم سے نہ سرو ہے دشمناد
 تجھ بن اے ماہ رو کبھو محکموں
 اس کے مذکور سے سوا بیدار
 میر مجلسِ رنداں آج وہ شرابی ہے
 تیرے لئے پری بکری سینے پر نہیں پستاں

ہر سمجھ کر آٹھائے نالہ تک تاثیر سے
 شمع کے مانند جلتی ہے زباں تقریر سے
 کیجئے زنجیر جس کو سایہ زنجیر سے
 نثرم سے پانی بچے (برہساری کیجئے
 اپنے ہی احوال پر جوں شمع زاری کیجئے
 دلہ دا اے نثرم یہاں تک پردہ داری کیجئے
 آئینے کی طرح صرف خاکساری کیجئے
 ایسے خالم سے میں کتنا تھانا یاری کیجئے
 کچھ ہیں کتنا پہلے آئے
 صدقہ ہوئے کون تھامے آئے
 اتنی خصت دیجئے بندہ لوازی کیجئے
 آپ کو گر کعبہ دل کا نسا زی کیجئے
 ابھی یہاں چھین لیے حبیبہ دستار کئی
 بہ گئے سیل میں اکشر درود یار کئی
 مر گیا تو بھی پھچھو لوں میں رہے خار کئی
 اس سے اب آگے خالم کیا تیرا مدعا ہو
 قد قیامت میں کاسرتا قدم بلا ہو
 چاندنی رات خوش نہیں آتی
 اور کچھ بات خوش نہیں آتی
 خونِ دل جسے میرا بادہ کھلائی ہو
 طاقِ حسن پر گو یا شمشیرِ حلائی ہو

قہر سے شمع کی کھنکھ نہیں جھونے بیتدار
 ہل آسا ہوا ہوں نا توں اُس ملہ کے غم سے
 دیکھ تھکاکل مشکیں کی ادا میں شانہ
 اُس کے بھڑکے تے مرہم کاکل سے زخم
 حسرت گیوے مشکیں میں مرے جو بیدار
 کیونکہ عاشق سے بھلا کو چہ جانماں چھوٹے
 کس کے آگے میں کروں چاک گریاں کتے نہیں
 غرق ہو جاویں پک لرتے لاکھوں طواف
 دامن وصل صنم ہاتھ گر آوے بیتدار
 رکھتی ہے زرد سیمولے رے ادب سے
 معنی ہو جسے تجھ نگہ چشم نے مستی
 نوحا ہے نہ مہر و الفت ہے
 جو تو ہو پاس تو دیکھوں بہار آنکھوں سے
 میں یاد کر دُر دندان یار روتا ہوں
 کب آکے دیکھ تولے سرو قد مرا احوال
 ہوا ہے دیدہ بیدار گل فشاں جب سے
 ہم ہی تنہا نہ توی چشم کے بیار ہوے
 لبید نگیں ہیں توے رخک عقیق مینی
 زلف اُس دُرخ پہ مباس جو پر خیاں ہو جا
 میں تو کیا چیز ہوں بیدار کہ ہوں اُس پہنڈا
 تیری سڑگاں ہی نہ پہو لاتی ہیں حیر سے

رشتہ مہر سے باندھا ہے پر پر و انہ
 دکھاوے گا اُسے بکھرے لے آسمان سج کہہ
 دونوں ہاتھوں سٹی لیتی ہے بلائیں شانہ
 ہاتھ اٹھا کیوں نہ کرے تجھ کو کھائیں خاد
 استخوان اس کی کال لازم ہے بنا میں شانہ
 بیل زار سے ممکن نہیں بستاں چھوٹے
 جو ترے ہاتھ سے ناصح مراد ماں چھوٹے
 اشک ریزی پہ اگر دیدہ گریاں چھوٹے
 تو مرا پنجہ ہجر اں سے گریں چھوٹے
 رنگس تری آنکھوں کی خریدار نہ ہووے
 وہ مست قیامت کو بھی ہشیار نہ ہووے
 اے شکر یہ کیا قیامت ہے
 ورنہ گرتے ہیں گل خار خار آنکھوں سے
 ٹپکتے ہیں گھر آبدار آنکھوں سے
 دواں ہے غم میں ترے جو بلداں آنکھوں سے
 گرا ہے تب ستی ابر بہار آنکھوں سے
 اس مرض میں تو کئی ہم سے گرفتار ہوے
 زبید بتی ہے تجھے نام خدا کم سخی
 سحر و شام ہم دست دگر بیاں ہو جائے
 گر پری دیکھے کھٹکس کھ کو تو فریاں ہو جائے
 ہمسری کہیں ہیں ابو بھی دم شمشیر سے

اے نبیؐ سے اٹھایا اپنے چہرے سے نقاب^{۸۱} طعن کرنے سے مرے تاہم ناصح کو مجاب

بے سبب۔ تاہم وہ فتنہ معلوم نشہ۔ دے راست

لو پی رو گیا بے سبب و گرنہ ملاتا اپنے تئیں وہ خاک خوں ہی

حرف التاء

میر عبدالحی تالپاں دہلوی۔ درخشاں و نجابت طلاق و در حسن و دلبری شہرہ

آفاق بودہ۔ میر مسطور رافقیر ہم در عہد محمد شاہ مغفور دیدہ بود۔ کلامش نازکی دادا دادہ، صاحب دیوانست۔ دے راست

نہیں کوئی دوست اپنا بار اپنا مہربان اپنا
نہ طاقت ہے اشارے کی نہ کہنے کی نہ سننے کی
ہست جاہا کہ آوے یار تا اس دل کو مبرا آوے
مجھے آتا ہے رونا ایسی تنہائی پر لے تا آں
زنگیلا مہربان میں کل گیا تھا
مجھے لے کے ظالم سے دل نے ملایا
میں اپنے دل کو غنچہ تصویر کی طرح
بڑے گامبرے اور یعقوب کے شبہ قیامت کو
جفا پاپنی پشیاں نہ ہو ہوا سو ہوا
نہ پانی خاک بھی تا آں کی ہم نے پھر ظالم
ترے خط کے آنے سے اے سرو قامت
گلی میں یار کی میں پائوں رکھ سکوں کہل کر
ہیں بہت جامہ زیب پر ہم نے
میرے روزِ سیہ کو وہ جانے

سناؤں کس کو غم اپنا الم اپنا فغاں اپنا
کہوں کیا میں سنوں کیا میں بتاؤں کیا بیاں اپنا
نہ یار آیا نہ مبرا یاد یا جس جی نہ ال اپنا
نہ یار اپنا نہ دل اپنا نہ تن اپنا نہ جان اپنا
اُسے دیکھ کانٹوں پہ گل لٹتا تھا
نفل میں یہ دشمن کمال کا دھرا تھا
یار کبھی خوشی سے نہ دیکھا کھلا ہوا
کہ میر پیر بن بھی دیدہ گریاں سے نم ہو سگو
تری بلا سے مرے جی پہ جو ہوا سو ہوا
وہ ایک دم ہی تیرے روبرو ہوا سو ہوا
سب آزاد ہوں گے یہ تا آں نہ ہو سکا
کہ وہاں تو حکم نہیں مجھ کو جبہ سائی کا
کوئی دیکھا نہیں تری چھب کا
دکھ پڑے جس پہ ہجر کی شب کا

صبح ہونے سے پہلے رات ہوا بھی باقی
 نگہی تیری سرکشی ظالم
 جی میں بیدار کھپ گئی میرے
 دل میں رکھتے ہی رہے ہم یہ تنہا اُس سے
 قیمت ہوسہ لعل لب اگر چاہیے جان
 جب میں بیدار ہو پوچھا تو کہا ہو وہ کون
 عہماں ہے کل تری یوں ہمارے سینے سے
 گیا ہے جب سے تو دیراں ہو گھر کے دل کا
 کہے ہو میں کہ یہ گردش میں مدوز گار مجھے
 سیا تو ہو پہ کوئی دم میں اس گر بیاں کا
 یا ختم رس غرقِ گناہ آیا ہوں
 بحرِ رحمت میں اپنے دھو ڈالو تمام
 نہ وہ کی میرے کچھ خبر ہو تجھ کو
 ہو محو تو آئینہ روا اپنے کا
 گزری اک عمر مجھ کو روتے روتے
 بیدار شبِ فراق ہو بس کہ دراز
 بے کل۔ امش سید عبدالوہاب۔
 مفرق اشارش دیدہ خد۔ از دست

میری آنکھوں کے آگے وہا بھی تھا
 حنا کی طرح ہاتھوں ہات لے گئے
 دل بیکل کو راتوں رات لے گئے
 جگایا مجھ کو کس کم نعت نے ہاے
 مراد گل رُخاں سب مات لے گئے
 تری زلفوں سے کئی کئی چہرے دکھلا

زاہد ہوا اور تقویٰ عابد ہو اور مصلاً
 آہا نہیں وہ شوخ تو کچھ ہم کو غم نہیں
 جس پر وہ شوخ جان کے عاشق جفا کرے
 قسمت میں کیا ہو دیکھیں جیتے کچھیں کہ جائیں
 رخسار دیکھ تیرا اگلے گل بدن خوشی سے
 لایا خاک میں گھر کو گن کا ہاے خسرو نے
 غم وصل میں دہریہ جگر کا سچراں میں وصل کا
 کیا کیا خرابیاں ہیں ترے واسطے سہیں
 جس دل سے انکھریاں ترمی اُس کو نظر میں
 گئے نالے ترے برباد ماند جس چپ رہ
 ظالم ہو یا سنگمرغانکا ہو یا سیاہی
 تیری لبر کو نہ چھوڑے گا مراد دل ہرگز
 اگر جو ملتا ہیں کر بادے کا ماہ رو آتا
 نہ جی گتا ہو اب گھر میں نہ مہرا ہم کو بھاتا ہو
 محفل کے بیچ سن کے مے سوز دل کا حال
 بتوں کے شہزادہ پر ساں میں کوئی کیا داد کو پہنچے
 نرے سچر میں کچھ خوش آتا نہیں ہو
 ہوتا ہوں جو تیرا اشتہا قی ساقی
 ہے مجھ کو خار شب کا لالہ صبح ہوئی
 تصویر مرخدا آبادی۔ ہاش شاہ جواد علی مردود ویش و نوش سخن صورت
 کلامش اینست

لایا ہوا اور برہمن مہیا ہو اور ہم ہوں
 اس کا خیال ہم سے جدا ایک دم نہیں
 لطف و کرم ہم اس کا یہ جو رستم نہیں
 قاتل سے اب تو ہم نے آنکھیں لڑائیاں ہیں
 بھولا نہیں سنا میں اپنے پیر میں
 یہ کیا بات آگئی اُس خانہ آباد کے دل میں
 ہرگز کسی طرح مجھے آرام ہی نہیں
 تیس پر بھی چاہنے کا مے نام ہی نہیں
 بادام نے غم ہو پھر آنکھیں نہ کھولیاں
 اثر دیکھا تری فریاد میں دل ہم نے بس چپ رہ
 ہم تو لیں گے اس سے سیر رہے کہ جاوے
 گوشت ناخن سے بھلا کوئی جدا ہوتا ہو
 تو جھکا دیکھ سکا چاندنی بھی فرش ہو جاتی
 کہو آباں ہم اب جاؤں کہاں کچھ بنیں آتی
 بے اختیار شمع کے آسودہ ہلک پڑے
 مگر وہاں اپنے بندوں کی خرافاد کو پہنچے
 مجھے اپنا جتنا بھی بھانا نہیں ہو
 بے خود ہو بیکار ہوں ساقی ساقی
 شیشے میں جو کچھ کہے ہو باقی ساقی
 تصویر مرخدا آبادی۔ ہاش شاہ جواد علی مردود ویش و نوش سخن صورت

مجھ پہ ہر روز جو کرتے ہو حکومت صاحب
کل جوتا پاں کے تئیں میں نے تمھارے دیکھا
مرا پس ہونو ہرگز خط نہ آنے دل سے لیکن
تارے نہ جائو یہ مرے تیرا آہ سے
وصل کی شب باکس جلدی سے بھاتی صبح
پاس تو بیٹھا ہر چنچل پر گلے لگتا نہیں
گل زمیں سے جو نکلتے ہیں بزرگ شعلہ
دیکھ نامد کو مرے یار نے پوچھا تا باں
نہیں فلک شفق لگ گئی ہو اے تا باں
جی نکلا ہر پہ دل کی آرزو ہر دل کے بیج
تجھ کو ہر گز اذیت نہ دل سے لے خود کام کام
پوچھا میں اُس سے کون ہو قاتل مرا بتا
توے پاس عاشق کی عزت کہاں ہو
بیباں کیا کروں ناتوانی میں اپنی
میں شکوہ کروں جو ظالم سے لیکن
جو اُس کی کمر میں نے دیکھی ہے تا باں
جفا تو جابیسے اسے شوخ مجھ یہ پھل تک کر
بیسے اٹک ادب کے آنکھوں سے میری
تو بال کھول نہا یا تھا ایک دن اب تک
رغم میں مدتا ہوں تیرے صبح کہیں شام کہیں
ساتی ہوا در جہن ہو جانا ہو اور ہم ہوں

کون سی کی ہے مرے ساتھ مروت صاحب
حال پر اس کے مجھے آنکھیں رقت صاحب
نصیبوں کا لکھا کوئی ٹاسکا ہے کیا قدرت
سوراخ ہو گئے ہیں سبھی آسمان کے بیج
کیا نرا دلدار کی صحبت کا کھو جاتی ہر صبح
بیش کرتے ہی ساری رات بھاتی ہر صبح
کون دل سوختہ جلتا ہر تہہ خاک ہنوز
کیا مے ہجر میں جیتا ہر وہ غم ناک ہنوز
ہماری آہ کے شعلہ سے آسمان کو آگ
لئے اس دنیا سے یوں حسرت بھر جاتے ہیں ہم
مفت تیرے ہجر میں میرا ہوا بد نام نام
کنے لگا پڑ کے وہ تیغ و سپر کہ ہم
تجھے بے مروت مروت کہاں ہو
مجھے بات کہنے کی طاقت کہاں ہو
مجھے آہ و نالے سے فرصت کہاں ہو
رگ گل میں ایسی نزاکت کہاں ہو
کہ سب کہیں مجھے حسرت تری وفا کے تئیں
لب جو ہوا ہے کتنا اگر یہاں
ہر ایک موع کو ہر تیغ و تاب دریا میں
چاہنے والوں کو ہوتا نہیں آرام کہیں
باران ہوا در ہوا بسبر ہوا در ہم ہوں

۱۲۲ نہیں میں آپ سے کوچے میں یار کے
 شبِ فرقت میں تجکو یا جب میں یاد کرتا ہوں
 دشت میں خاک بسر بھرتے ہیں غم کرنے ہیں
 کشوریں میں جاری ہر یہ رسم و آئین
 قاصد یہ کیوں اس سے اتنا نہ کرتفا غل
 یاد میں زلف کی ملک آنکھ جو گھ جاتی ہر
 قاصد کو بھیجتا ہوں پہ دھڑکے ہر دل مرا
 لگی آہ بھی کرنے دل پر گرانی
 داغوں کی مے دل میں تودہ جلوہ گری ہر
 کہتی ہر جسے خلق کہ ہر قاتل عالم
 ہم نے سو طرح جاں فشانی کی
 شیشہ دل کو لے کے چور کیا
 تجھ سا خونخوار جو منظور نظر رکھتا ہر
 کتابوں تجھ سے ہیں میری بات مان لے
 آشنا ہوویں بے وفا کس کے
 کوچے سے تیرے دل کو ہم لے یار لے چلے
 گر جانتے کرے گا ایسے سلوک ہم سے
 راہِ عدم میں چھوڑ چسے تم کہاں مجھے
 ملاحظتی سے دم مجھے لینا عیال ہر
 ہنس بولنا تو ایک طرف آرزو یہ ہر
 نام لینا ہر تنہا کا جو کوئی اس کے ضد

لاتا ہر کھینچ کر مجھے بے اختیار دل
 کبھی سر کو ٹکنا ہوں کبھی فریاد کرتا ہوں
 لگ جس بات کو ہنسنے تھے سو ہم کرتے ہیں
 مار ڈالیں ہیں اُسے جس پہ کرم کرتے ہیں
 ملے ہی ڈالنا ہر اب انتظار تجھ بن
 آجگتا ہا ہر وہ نہیں خواب پریشاں مجکو
 اس دل رہا کو دیکھتے ہی مبتلا نہ ہو
 اب اس حد کو پہنچی مری ناتوانی
 جو دیکھتے ہو کہ شیشے میں برسی ہر
 میں سامنے ہوں اس کے یہ کیا بھگری ہر
 تو بھی تو نے نہ مہربانی کی
 واہ وا زورِ قدر دانی کی
 پھیر مرنے سے کوئی اپنے وہ درد رکھتا ہر
 دل لے کے کیا کرے گا مری جان اجالے
 بے وفا ہیں یہ آشنا کس کے
 چنگکا بھلا لے آئے تھے بیمار لے چلے
 کا ہے کو ساتھ لاتے اس دل کو ہم عدم سے
 ہوں ناتواں نباہ لو اسے ہر ماں مجھے
 آہ و فغاں کروں میں یہ طاقت کہاں مجھے
 گالی ہی دے کہیں مرا غنچہ دہاں مجھے
 بول اٹھتا ہر کہ میں خوش نہیں دہانے سے

قد قامت اس بت مغرور کا ^{۸۴} اس جھٹکا ہر خدا کے نور کا
 لقی دہلوی۔ آتش میر تقی میر دہلوی۔ عکاسی عکاسی کند

تجہ ہجر میں اے لشکرِ خواں کے شاہ سینے پر غم سے ہر بہ حالت آہ
 جیسے رکنی ہر پل پہ دیا کے بھیڑ تیجے کو نہ بھر سکے نہ آگے کو راہ
 میر عبد اللہ تخلص دے تجھ دو شاگرد سید عبدالولی بودہ۔ این شعر از موسوع شد
 تجہ روی لطف ہر کہ فلک کو خبر نہیں خورشید کیا ہر اس کی فلک کو خبر نہیں
 صلاح الدین مکیٹن۔ خرویش و رند مشرب بودہ۔ از دوست

حسن اور عشق کو جس روز کہ ایسا دیکھا مجھ کو دیوانہ کیا اس کو بری زاد کیا
 مرزا علی رضاے تمنا۔ مولدش عظیم آلبو۔ دارنگی مزاج و استغنا از اہل دنیا
 بسیار دارد۔ طرز گفتارش ب فصاحت تمام است۔ سبب بیماری خفقاں طبع نزاکت
 شاعرش تاب بجوم فکر نمی آرد۔ گاہے گاہے غزلے انشائی کند۔ متفرق اشعارش
 دیدہ شد۔ از دوست

سن کر کے نام میرے دل لغ دار کا	منہ زدد ہل گیا ہر چین میں بہار کا
دشمن جاں ہوا وہی آخر	جس کو سمجھے تھے دوست دار اپنا
بے کسی کے سوا نہیں کوئی	ہجڑوں اس کے علم گسار اپنا
جسے تو چاہے اسے اپنے دل میں جادینا	پراتنا یاد رہے مجھ کو مت بھلا دینا
راہِ عدم کے خوف و خطر کو سٹا دیا	تھا پاس نقد دل سو اسے بھی لٹا دیا
ہر ہر یہ کیا ستم ہے کہ غیروں کے واسطے	کوچے سے اپنے بارے ہم کو اٹھا دیا
جنش با برہی اس کی لے چکی تھی جی مرا	مازنا تو دار کا بھی اک بہانا ہو گیا
دل نے نہ مانے کیے اود کی یہ زاری رات	کہ کھک سے کھک اپنی نگہ ساری رات
اس دل جلکی آہ گراوے زبلیں تک	جلنے لگے زمین سے لے آسمان تک

عاقبت حم نے بے وفائی کی ^۶ ۸ واہ کیا خوب آشنائی کی
 جگو لے کا کبھی صدر کہ بھی صرصر کی زحمت ہو ہماری خاک یوں لڑتی پھرے لے ابر حمت ہو
 بھان تک لکھو ترسل سے لا یا ہم نے پھر جو اپنے تئیں دیکھا تو نہ پایا ہم نے
 رکھتا ہوں میں اس طرح دل تنگ میں کاش نغصی ہو دے جو نگر جگر تنگ میں آتش
 ثابِت۔ امش شجاعت اللہ خاں۔ بولدش پانی پت۔ از شاگردان مزا جعفر علی

حسرت و از فرزندان نواب دلیر خان است۔ اور است
 آتے ہجرت تو دن میں کسی بار اس طعن پر دیکھتے نہیں کبھی اے یار اس طعن

شہاب الدین شاقب دہلوی۔ از دوست
 شاقب کی نقش ادب قاتل نے آکے پوچھا یہ کون مر گیا ہو کس کا ہو یہ جنازا

حرف الجیم
 محمد روشن تخلص بہ چو شش۔ بنوطن عظیم آباد، از فرزندان حبسوت راے
 ناگراست کد کمالی اقتدار رفیق راجہ رام نرائن ناظم عظیم آباد بودیشا الیہ از صغر
 سن رغبت بہ اسلام داشت چون تھہ تمیز رسید بشریف دین احمدی مشرف گشت۔ فقیر
 احوال ایشان مفصل از بھگونہ راے خلف حبسوت راے کہ فیما بین خصوصیتہا و
 دوستیہا است معلوم نمود۔ مردسیت قابل و طبعش بہ نکتہ سنجی مایل۔ کلاش مرغوب طبع سخن
 سخن و در نظم و نثر صاحب استعداد۔ دیوانش دو ہزار بیت دیدہ شد۔ از اشعار ترخہ

اوست

حوال دیکھ کر مری چشم پر آب کا دریا سے آج ٹوٹ گیا دل حباب کا
 جن میں کو کچھ آیا ہو اُس کی کاسل کا جو اس قدر ہو پریشان حال کسبل کا
 دیکھ کر رنگ منم تیری جفا کاری کا کوہ کن ہو تو نہ دم مارے وفا داری کا
 دیکھ کر حسن گلزاروں کا خانہ دیراں ہوا ہزاروں کا

شہرت ایسی ہو جہاں میں تری بیدادی کی ^{۹۶} بات سنا نہیں کوئی کسی فسر یاد کی
 چل اُس سے مل کے ہر دل بے نصیب ہم سے نالائیں ہیں جس کے ہاتھوں لاکھوں غریب ہم سے
 غیر کو منع کرے یہ نہیں مرضی تیری باز آویں گے ہمیں بار اودھر آنے سے
 خواجہ محمد علی ولد خواجہ عبداللہ تائید۔ از موطنان عظیم آباد است۔ جوان
 شاید شکوہ طوار و طبعش را غیب بنظم اشعار آبدار۔ این ابیات رحمتہ اور است
 کہاں جاویں کس سے کہیں حال اپنا کیا عشق نے تنگ احوال اپنا
 کب تک صدمے فوجہ دل ہم سنا کریں تنگ آگئے ہیں زہیت سے اللہ کیا کریں
 حسن عالم گیر تیرے کا یہاں تک شور ہو جس جگہ دو بیٹھے ہیں تیر ہی واں ٹٹک رہی
 تمنا از دہلی است۔ اور است

زگستاں کے تماشا کا اسے شوق نہیں آج دیکھی ہیں تنانے تمہاری آنکھیں
 ترناطف پر اس کے نہ بھول تنانہ ہو غافل کہ آخر منہ دکھانا ہو تجھے اک روز حبل کو

حرف النساء

ثابت۔ نامش اصالت خاں۔ رویت سپاہی پیشہ۔ طبع موزوں دارد۔
 و شاگردی مرزا فدوی دہلوی۔ از دست

کیا بیاں کیجے کیا کیا دیکھا مسکرانے میں ترے لے ظالم
 اسے بھولنا مت در یاد رکھنا ہمیں پر سدا جان بیدار رکھنا
 اپنے تئیں وہ بھولا جن نے تجھے پہچانا اک آن تجھے جس نے دیکھا سو ہوا بے خود
 آفتابی سپر ہلا لی تیغ قتل پر آج کس کے باندھی ہو
 تکلف بر طرف ہم جانتے ہیں ستم اے کھلایاں تیری جفا جو
 قدم خدا کی آوے نظر آفتاب کو وہ ماہ و جونہ سے اٹھاوے نقاب کو
 میں اُسے جانوں یا خدا جانے زورے دل کا حلال کیا جانے

دے کے دل پھٹانے سے ہوتا ہے کیسا
 ہمارے آہ کے صدے نہیں اٹھانے کا
 نہ پھولتا ہے شگوفہ نہ غنچہ کھلتا ہے
 جا دو کیا نین نے پلکوں نے بان مارا
 عارضہ بیخون کھلتے قسمی ہوتے تھے ہم سے
 لے ترک چشم اب بھی ترکش کرے کھولو
 مرنے کا غم جس کچھ انسوؤں ہے تو یہ ہے
 مقتل میں دیکھ مجھ کو کہتے ہیں خلق جوشش
 لے زلف یار سچ ہے کہ صحبت میں ہوا اثر
 کن نے دیکھی نہ تمہارے کعبہ پاکی صورت
 جس کے سینے پہ لگاؤں نے نہ اٹکا پانی
 اُسے نامہ لکھا ہم نے تو مرغِ روح کو سوچا
 گرہ باندھی غنچوں نے طرزِ تبسم
 مطلق نہیں احوال کا ظہار کی طاقت
 اکٹھ گرم آنکھوں سے صبح رہے جاری رات
 ایک دم بھی مرے پہلو سے سر کے ظالم
 غیروں کو دیکھ دیکھ تری آنکھوں کے بیچ
 خواب میں بھی نہیں جھپٹ خاطر اُس کو
 آہ اس انک کے سہلاب میں بتے بہنے
 گوہ جیاں کر اپنے گریباں اڑائے صبح
 روٹھے ہوئے کب تیں نہات کچھ نہیں

ہونی تھی سو ہو چکی روتا ہے کیسا
 یہ چراغ نام کن ہے کسی زمانے کا
 جن ہوں شور پڑا کس کے سکڑانے کا
 اُس چشم پر فوں نے عجیبو ندان مارا
 ان لہو خلوں نے قرآن رکھ دریاں مارا
 تووے کی طرح سینہ سارا تو چھان مارا
 تو نے نہ اپنے ہاتھوں اے بدگمان مارا
 کس ترک سنگ دل نے ایسا جو ان مارا
 مجھ کو بھی تو نے آپ سا آخر بسا دیا
 جی کا دل خوں نہ ہوا برگِ خنا کی صورت
 ہے ترا تیر گم تیر تصف کی صورت
 کہنا دیکھے کہو تر بھی نہ اس کے ہم کی صورت
 جن میں تھے مسکرنے کی دولت
 کیا طاق ہوئی اس لہو باری کی طاقت
 آہ انگاروں پہ لوٹا کیے ہم ساری رات
 خوب کی مدد و الم نے مری غم خواری رات
 جلتا ہوں شل شمع سدا پیر جن کے بیچ
 جو گرفتار ہے اُس زلف پریشان کے بیچ
 آگے خارِ مزہ ساحلِ داماں کے بیچ
 برسرے چاک جیب کی خوبی نہ پائے صبح
 دھڑکے ہو دل مر کہ کس ہو نہ جائے صبح

مجھ پرست کھینچ تیغ ناز واد
کل جو اُسے دیکھ کر ہو گئے ہم بے خبر
نجم سے ظالم کو اپنا یار کیا
وہ کہاں ابرو مرا جب چیں بارو ہو گیا
گریوں ہی یہ بول دے پئے آزار رہے گا
یہ حلقہ شب تم جو کہ جاتے ہو پیار سے
جیوں شانہ دسترس نہ ہوئی زلف یار تک
ہم چشم کیوں کیوں میں اسے شعلہ زار کا
سرکار بے خودی کا یہ مختار کار ہو
گو کوئی کاٹ بھی لے سر ترے دیوانے کا
ہاتھ اٹھا تا نہیں لے یار جو سلجھانے سے
آیا جو یاد حلقہ زلف بناں مجھے
لکھ دی دل میں تگ لے آو سوزاں کیا کیا تو نے
تمنا عشق میں یہ دل ناتواں جلا
سیل سرخک و آہ زرد بار سے مری
جس جگہ بیٹھے اٹھ نہیں سکتے
جیسا کہ دل پہ زخم ہو اس کے خندنگ کا
اُس شعلہ کے وصل کی شب یاد آگئی
ماننے اُس کے رو نہیں سکتا
آگ مغل خانک ڈھاتا ہو
اُس کا خندنگ داغ جگر سے گند گیا

ہیں ہوں کشتہ تھے اشاروں کا
ہنس کے وہ کہنے لگا پھر بھی ادھر دیکھنا
ہم نے کیا جبر اختیار کیا
جھوٹے تیرنگہ دل میں ترازو ہو گیا
اک روز نہ اک روز مجھے مار رہے گا
کیا تب تئیں جیتا ہی یہ سیار رہے گا
ہر چند سو جگہ سے یہ دل چاک ہو گیا
عالم ہی کچھ جدا ہو دلِ دلغ دار کا
کیا اختیار ہو دل بے اختیار کا
پر یہ سوداے محبت تو نہیں جانے کا
دل تری زلف میں الجھا ہے گزشتہ کا
ہر داغ دل کا نافہ تانا بہ ہو گیا
جلالتا ہو اپنے ہاتھ سے کوئی بھی گھر اپنا
انند نخل شمع ہر اک استخواں جلا
جوشش زمین بہہ گئی اور آسماں جلا
نور عالم ہو ناتوانی کا
گلشن میں یک گل نہیں اس آٹ رنگ
دیکھ اضطراب شمع پہ جوشش تنگ
جب رمل پہ بھی ہو نہیں سکتا
دل کے داغوں کو دھو نہیں سکتا
کیا تیر تھا کہ صاف سپر سے گزر گیا

چلے سے تیرے چشمِ غورِ شہیدِ حبیبی ہی
 یہ دل کسی دشمن کو اشد نہ دکھلاوے
 روشن ہو آفتاب کے مانند داغِ دل
 گلزارِ محبت میں نہ بھولے نہ بھلے ہم
 لوہو کی طرح جم گئے تلوار کے منہ پر
 بے رحم کسی نے نہ خبر لی تیرے در پر
 نہ ہووے فتنہ خوابیدہ ہر طرف بیدار
 جو وہ گردل ہی دیدہ نم میں
 جان اُس کے نشان کر جو شمشیر
 کریں ہیں جو رکاتیرے ہی شکوہ یا آپس میں
 جفا سے تو نہ باز آوے وفا سے میں نہ درگزر دوں
 کیا ہو اگر کوئی دمِ عشق میں ہم جیتے ہیں
 جاں لب ہیں شبِ فرقت میں بسیکن شوش
 رہتا ہوں اُس کے سایہ تیغِ نگاہ میں
 عبث تو یہ باتیں بناتا ہی ہم سے
 بیاں کیا کریں حال اپنا کسی سے
 یاد جب تجھ کو یاد کرتا ہوں
 اُس تفاعلِ شہاد کی باتیں
 مر گیا ہوں پر اُس کے آنے کا
 یہ بتا ہی کہ قرب آئینہ ساں پیدا کروں
 آرزو ہو دل میں اے جو شمشیر کہ میں گردنِ زندہ

ٹھہرے تیرے ملازم پر کیونکر نظر عاشق
 جس طرح گندتی ہی شام و سحر عاشق
 روزِ جزا تک نہ بھگے گا چراغِ دل
 مانند چنارِ آگ میں اپنی ہی جلے ہم
 مکر بڑے ہوئے پر اگے سے اُس کے نہ ٹھہرے
 جوں نقشِ قدم مل گئے پاؤں ہی تلے ہم
 بتاں اگر گرہِ زلف کو نہ باز کریں
 عکسِ گل جس طرح ہی شبنم میں
 بات رہ جائے گی یہ عالم میں
 جہاں مل بیٹھے ہیں آشنا دو چار آپس میں
 ہوا ہی روزِ اول کیا یہی اقرار آپس میں
 مبتلا جو ہیں اس آلام میں کم جیتے ہیں
 یاد آ جاوے تو بارے کوئی دم جیتے ہیں
 کرتا ہوں زندگی میں اجل کی پناہ میں
 جو کچھ ہی تیرے جی میں ہم جانتے ہیں
 جو گزرے ہی ہم پر سو ہم جانتے ہیں
 آہ بے اختیار کرتا ہوں
 میں کوئی اعتبار کرتا ہوں
 اب تلک انتظار کرتا ہوں
 وہ مجھے دیکھا کرے اور میں اُسے دیکھا کروں
 اُس کے دامن کی طرح پالوں پنت لانا کروں

کچھ کہی جاتی نہیں مژگانِ دلبر کی طرح
 کرے ہر حبیب کو جیسا یہ چشمِ گریاں سرخ
 ہیں تو رونے نے آخر یہ رنگ دکھلایا
 منت تا تیرے کو سحر گاہی نہ کر
 تو گرفتاری پیر کی نظر لے اشکِ چشم
 جو شش نہ بات آئی کبھی تادمِ وفات
 اک روز مار ڈالے گا جو شش وہ تند خو
 لائی ہو تجھ تک اہلِ لے یار کھینچ کر
 جو شش عبتِ ہر عشق میں امیدِ زندگی
 دیدار کی ترے نہ گئی آرزو، ہنوز
 ہمارے حال پر اس کو نظر نہیں ہرگز
 صبا بھی دور کھڑی اپنے ہاتھ ملتی ہو
 زلف رکھ دیکھ نہ چشمِ سیہ یار کے پاس
 ہجر میں بھوش و خرد تاب دواں کوئی نہ رہا
 ہوا یہ حال مرا عشق میں کہ دشمن بھی
 بسانِ شانہ ہوا چاک چاک میرا دل
 ہووے نہ مرے دل سے لبِ یار فراموش
 منتاب وار عشق میں اُس آفتاب کے
 ماٹل نہ ہوں پناہ کی تدبیر کی طرف
 کرنا جو قتل ہوئے تجھے ظالم تو کر گزر
 ہنگامہ یک عشرت دکھتا ہو سرماسق

پیر جاتی ہو رگِ جاں میں وہ شتر کی طرح
 شفق سے ہونہ کے صبح کا گریباں سرخ
 سفید ہو گئیں آنکھیں ہوا گریباں سرخ
 پر جو تجھ سے ہو سکے اس میں کوئی تا ہی نہ کر
 یک بیک اس کی گلی میں مجھ کو ہوا ہی نہ کر
 دل اپنا لوٹتا ہی رہا زلفِ یار پر
 لے بے شعور اُس سے بہت لگ جلا نہ کر
 تو رہ گیا ہو کس لیے تلوار کھینچ کر
 جیتے بچا ہو کوئی یہ آزار کھینچ کر
 ہم مر گئے پر آنکھوں میں پھرتا ہو تو ہنوز
 کسی کے دل کی کسی کو خبر نہیں ہرگز
 تری گلی میں کسی کا گزر نہیں ہرگز
 کوئی دکھتا نہیں بیمار کو بیمار کے پاس
 جز گرفتاری دل تیرے گرفتار کے پاس
 میں ہوں دستِ ناصت کریں ہیں یار افسوس
 لگی نہ ہاتھ تری زلف تا بدار افسوس
 کرتا ہو تم کوئی تم کو خوار فراموش
 چھاتی سے میری بھوٹ کے نکلا ہو پار داغ
 دیکھوں ہوں جیوں نشانہ تیرے تیری طرف
 کیا بار بار دیکھے ہو شمشیر کی طرف
 خورشید قیامت ہو داغ جگر عاشق

امتحانِ بتاں سے کیوں ڈریے
 فرادیہ بے فائدہ تاراشکنی ہو
 جان لیویں گے اور کیا لیں گے
 جوششِ نزاکت کمر یار کیا کہوں
 گھر کیجے کسی دل میں یہی کوہ کنی ہو
 سب اشک کے قطرے نظر آتے ہیں شہرے
 بچیدگی تارنگہ اُس پہ بار ہو
 منظور تم کو پیارے اگر امتحان ہو
 کیا آگ برستی ہو مرے دیدہ ترسے
 جوشش کی چشم تر پہ یہ خارِ مزہ نہ ہو
 پھر دیر کیا ہو لیجیے حاضر یہ جان ہو
 آتی ہو فوجِ اشک یہ اُس کشتان ہو
 اُس طرح کب چراغ جلتا ہو
 جس طرح دل کا داغ جلتا ہو
 اس تیغ کو کسی پہ کبھی آدما ئیے
 مجھ کو سنا سنا کے وہ کتا ہو غیر سے
 مانند شمعِ حال ہمارا خراب ہو
 دل میں بھری ہو آگ اور آنکھوں میں آب ہو
 زرا اُس ترک سے آنکھیں ملائے جھل جی چاہے
 ابھی تیرنگہ ہوتا ہو دل کے پارے جوشش
 جب وہ اُدھر چلا اُدھر آئو ڈھلک پڑے
 رخصت کے وقت سامنے حیران تھے کھڑے
 جن میں کھل جو گئی زلف مشک بو تیری
 گرہ میں غنچوں نے نافے کے نافے باندھ لیے
 لے دوانے یہ کیا کیا تو نے
 اس جفا جو کو دل دیا تو نے
 مار ڈالا بھلا کیا تو نے
 دردِ سر سے جہان کے چھوٹے
 اُس سے کچھ حل نہیں سکتا جو بھل کر بیٹھے
 روٹھ کر بیٹھے جو کوئی تو منا سکتے ہیں
 ہم ہیں دیوانے اس بہانے کے
 نت نئے عند ہیں نہ آنے کے
 شام سے تا بہ سحر حلقہ دور ہاتھ میں ہو
 تیرے شقائق کے نہ زور نہ نہ ہاتھ میں ہو
 اُس کا سر رشتہ اگر ہاتھ میں ہو
 جوشش اک دن توجہ اُسے کر چھوڑ دوں گا
 تو جس مکان میں جاؤ ہمارا ہو موجود
 جو میری یہ مزہ انگبار ہو موجود
 مری بھل میں دل داغ دار ہو موجود
 شبِ فراق کا ایذا تجھے دکھاؤں گا
 اُن نے تلوار ہی بڑی منہ پر
 ہم نے منہ پر نگاہ کی اُس کے

تسے بھلوس لے بے وفا کچھ نہیں

جو پوچھا تو کہنے لگا کچھ نہیں

شمع کی طرح کھرا ہوں پہ گھلا جاتا ہوں

اپنے احوال پہ عالم کو رولا جاتا ہوں

یہ چشم تر لیے ہوئے یارب کہاں پھروں

بولو دل کھول کے لے چنگے، باب آج کلن

مذا، دیا اپنا کام روتے ہیں

صبح روتے ہیں شام روتے ہیں

بہت ہچکچاؤ گئے یہ عرض کیے جاتا ہوں

دین و ایمان و دل و جان لیے جاتا ہوں

پردہ میں جگہ دیجئے نہ ہاں کسی کو

اللہ نہ دے حیرت دیدار کسی کو

توڑنے ہی لگے نامہ مرا بال کبوتر ہو

دیوانے اپنی حبان کا سودا نہ کیجیو

گراست دیجیو لے نا تو ائی دوش سے بھگو

یہ جلتا ہو کیوں کر بجلا دیکھیے تو

گو کہ آجاؤں میں جہوں مُند و حناؤں کے ہاتھ

گنگ گیا تھا کس دامن کو زراؤں کے ہاتھ

باندھ لیں دو نہیں نری زلفِ راس کے ہاتھ

بس کہ نازک ہو مجھے باندھے ڈرتا ہوں

اپنی چھاتی سے ہم نکالیں گے

دل دین دیا ہم رکھا کچھ نہیں

کرے تمہارے قبوں سے شکوہ مرا

سوز دل سے تری محفل میں جلا جاتا ہوں

دود کی طرح میں دل سوختہ جاتا ہوں جدھر

ہمراہ سیلِ انکس بھرے ہیں جہاں پھروں

اُن نے پہلے ہی پہل پی ہر شراب آج کے دن

ہم نہ کچھ بہر نام روتے ہیں

اس بنا گوش و زلف کی خاطر

تم نے تو پھر دیا دل میں لیے جاتا ہوں

دیکھیے ان میں سے کس کس کو وہ کرتا ہو پسند

بھولنے کو تو پاس بٹھا یا کسی کو

احوال پر آئینے کے آتا ہو مجھے رحم

اگر بے بائی دل سے لکھوں کچھ اس کو مضطر ہو

اُس مُند خو سے دوستی پیدا نہ کیجیو

توانائی کو کرتی ہو جدا آغوش سے بھگو

زرا میرے دل کو جلا دیکھیے تو

بخت بد ہونے نہ دے خون مرا اُس کے ہاتھ

مر گیا ہوں پرمری خاک ہو گزشتہ ہنوز

جب کہ خزانہ صفت دستِ دہانہ کوئی

جی میں جس وقت یہ مضمون کمر آتا ہو

تیراں کا مادہ مرچو آدے گا

دل کو لے عشق سوے زلفِ سیہ نام نہ بھیج
 روشن ہو اس طرح دلِ دیرال کا داغ ایک
 آہ کرنے کی بھی طاقت ہمیں بہتات نہیں
 وصل کی شب کو مرا جی ہی نکل جاتا ہے
 جس کے غم میں آہ ہم آرام سے واقف نہیں
 نہ تما شدت گریہ سے مردم خوف کرتے ہیں
 بوقتِ دم شمار ہی بھی ہمیں جس کا تصور ہو
 بزرگ طائرِ تصویر ہیں ہم باغِ حیرت میں
 لے ستم ایجا دکب تک یہ ستم دکھا کر س
 کچھ تو نکلے آند و دشنام دے تلوار کھینچ
 دل نے اک نالہ کیا دروِ جدائی کے سبب
 شمعِ ساں کس نے مجھے بھولتے پھلتے دکھا
 جاتے ہیں اس کے در سے پہ جانا محال ہو
 وہ پاؤں اپنی چھاتی پہ رہتے جو تھے ملام
 کیا قبر ہو کہ بزم میں اُسِ بنو خ کی مجھے
 نہ فقط ہوش ہی اے عربہ جو اڑتا ہو
 ذوقِ پروازِ اسیراں پہ نظر کر صیاد
 کس کی سُنوں بات میں اے ہربان
 محبت اب باریں اور مجھ میں ہو چل شعلہ خوں
 سختِ نجمہ بن تلق اس دل کو سنانا ہو مجھے
 یہ تو ہیں کیونکے کھوں کچھ نہیں بھانا مجھ کو

رہزنیوں میں تو سا فر کو سرشام نہ بھیج
 اُجڑے نگر میں جیسے جلے ہو چراغ ایک
 آہ کیا کیجیے دم مارنے کی بات نہیں
 جب کہ آواز یہ آتی ہو کہ اب رات نہیں
 کیا غضب ہو وہ ہمارے نام سے واقف نہیں
 مرے رونے کے آگے یارِ بادل پانی بھر ہیں
 نہ آیا اب تک وہ بے وفاء ہم اس پہ مرتے ہیں
 کب اپنے آئیناں سے معنِ گلشن میں اُترتے ہیں
 تو کرے غیروں سے باتیں اور ہم دکھا کر س
 چشمِ حسرت سے کہاں تک دم بدم دکھا کر س
 ہم نے جب پہلو سے کھینچا یار تیرے تیر کو
 بول میں وہ نخل کہ دکھا بھی تو جلتے دکھا
 جس جا قدم پڑے ہو اُٹھانا محال ہو
 آنکھوں کو بھی اب اُن سے لگانا محال ہو
 سب کہتے ہیں کہ تجھ کو بٹھانا محال ہو
 طائرِ رنگ ترا دیکھ کے رواڑ تا ہو
 ذبح کر چھوڑ دیا تو بھی ہوا اڑتا ہو
 دھیان تو رہتا ہو تمھارا مجھے
 جیوں جیوں میں اُس کو بُرا دل ہو گھٹانا ہو مجھے
 گہرے بٹھانا ہو تو پھر گاہے اُٹھانا ہو مجھے
 کچھ تو بھانا ہو کہ اب کچھ نہیں بھانا ہو مجھے

ان دنوں یاربے طرح جوشش
چپ چپ کو کھینچے ہو بہت اُس کو ہر کہیں
اس کم لگا ہی پر تو جہاں اک خراب ہو
کہنا نہ کسی کا دل میں لایا جوشش
نکسے میں دل ہر اب نہ ملتے ہیں جہاں
جہاں دار تخلص شاہ زادہ عالی تبار نادر، ولی محمد شاہ عالم بلو شاہ غازی،
مرزا جوان نخت جہاں دار شاہ نگاہے ذہن و قوادش بصارت زبانی مگر فشتائی می کند۔

این جواہر نظم دوست

ہیں بسکہ جزو تن مرے طاؤس وار داغ
بخنائی تیری دیکھ کے اس سرو باغ حسن
جدا ہو تجھ سے منم سخت بے قرار ہوں میں
ہر آفتاب کا سر پر مرے جو سایہ مہر
جرات دہوی۔ ہمش بیکلی اماں ابن حافظ اماں صاحب دیوان و از
تکامذہ مرزا جعفر علی حسرت است۔ در علم موسیقی و ستار نوازی طرفہ دستے دارد، و
در نظم شعر و نعت طبعش ملایم۔ در لکھنؤ و فیض آباد میگزرا ند۔ از زمزمہ ہائے فکر

دوست

پُر از گوہر شکر چشم سے داماں تر پایا
گفتی نہیں پلک سے پلک وصل میں بھی آہ
چہیں اس دل کو نہ اک آن کسی دن آیا
لے خبر جلدی سے و حال جانے میں یر اک کم لگا
جو کنا زک دل ہیں اُن کا درد بے درمان ہو
تری دولت سے بس لے عشق ہم نے خوب بھوایا
آنکھوں کو پڑ گیا ہو مرزا انتظار کا
دن گیارہ رات ہوئی رات گئی دن آیا
آج عاشق کو ترے کتے ہیں اُلٹ لوم لگا
زخم پر گل کے کعبو دیکھا نہیں مروت لگا

جنون۔ نامش شیخ غلام مرتضیٰ ابن شاہ تیمور متوطن جبین پور ہمسرام شاگرد
مولوی محمد بکت مرحوم است۔ مدتے است کہ ناجائز گشتہ درالہ آباد گوشہ نشین گردید۔

اور است

وجود اس جہاں کا عدم دیکھتے ہیں عجب خواب ہے یہ جو ہم دیکھتے ہیں
مٹے ہوئے بھی بیچ و تاب اپنے دل کا جب اس ذلت کا بیچ و خم دیکھتے ہیں
جو دت مرشد آبادی۔ نامش راسے ہوئے رام۔ از منسلکان نواب
علاؤ الدولہ سرفراز خاں مغفور بود۔ چند سال است کہ تضا کرد۔ ویراست
واعظ تری بات دل سے کہنے کا نہیں پتھر کی تو چوٹ شیشہ ہے نہ کا نہیں
جازا بد شک تو ہر جہت تک مے پاس لو ہو مری چشم تر سے بہنے کا نہیں
میر شیر علی جبرأت دہوی۔ از وطن بہ دکن رفت در آن دیار مقیم شد
تہود سنگاہ بیشہ معنی است۔ وے راست

بے خود جو ہوا اتنا تو دیکھ کے تے خانہ حیران ہوں میں کیونکر پیوے گا تو بیانہ
زنجیر کے کرنے سے کرتا ہے جنوں دو نا دیکھا نہیں لے جبرأت تجھ سا کوئی دیوانہ
داغ گل پریشاں ان تری باتوں سے ہوتا ہے نکلاتا بھی لے بلبل تو فریاد و فغان چپ رہ
ہم اپنے چھوٹنے کی کس طرح تدبیر میں ہوتے ہمارائی ہو کیونکر خانہ زنجیر میں رہتے
کیا اس کے بیا باں کو اس ابر کی پروا ہے گر یہ سیتی مجنوں کے تردد امن صحرا ہے

جو آلاں۔ نامش میر رمضان علی اور عہد محمد شاہ مرحوم بود۔ از دست
رہتے ہیں رات دن خفا تجھ بن جیوں گے ہم سے شخص کیا تجھ بن
مباں جگن خالہ زادہ شیرا گن خاں باطنی تخلص۔ در عہد محمد شاہ مغفور بود۔
از عہد نادر ہے دہلی است و گفتگویش کیفیتے دارد۔

اس دل مرغی عشق کو آزاد ہی بھلا چکا ہو تو ستم ہے یہ بیمار ہی بھلا

۹۶
 زخمِ تازہ کی طرح چرخِ کمین اے جرات
 دل بھر کے ہو تک صحنِ روجان دکھائے
 اک دم میں نالہ مل بختِ آسمان ہلا دے
 جھڑتے ہیں تختِ دلیوں تک جنبشِ مژہ سے
 رہنے کی جا جہان میں ہم خوب پاس گئے
 ہم گلشنِ جہان میں جیوں آتشین انار
 کچھ ہم تو نہ سمجھے کہ شبِ وصل کہ ہر تھی
 عزیزِ وصل کی شب ہم جو رو کر نہ سوتے تھے
 نہ دیکھوں کیوں لے مجھ دلوں میں لے جرات
 جو آن دہلوی۔ ناش کاظم علی۔ در لکھنؤ می گذرانہ سکلاش جوشِ خرو۔

دارد۔

تمنا ہو اُس کا درس دیکھنا
 دیکھ کر محنِ چین میں تجھے خداں کل و صبح
 مجھے اور میری ہوس دیکھنا
 ہو بنا گوشِ بلوریں یہ آویزہ لعل
 رشک کرتے ہیں چاک اپنی نگریاں گل
 خدا کے واسطے بھولے لب پہ ترے کبھی
 یا نئے رنگ ہوئے آج نمایاں گل
 اٹھا دیں جب ترے پہلو سے آہ مجھ کو غیر
 جو آئے نامِ مرا مت زبان رکھ!
 قسم ہو اپنی تھیں میری جان رکھ
 ترے منہ سے ہر کوئی دیتا ہے پیار مجھے
 منہ لگاتا ہی نہیں افسوس لیکن تو
 ہو ہر دہلوی۔ اسٹل مرزا احمد علی۔ آبائش از مردم ایران بعد از شاہ جہا
 بمعزل خانہ جنگی برفاقت دو ستے گشتہ شد۔ از دست

آتشِ دو چین ہو یا برقِ آشیل ہو
 لے مرغِ مالہ کچھ ہو اک شب تو پرفشا
 شاید کہ پہنچے تجھ تک دامانہ کوئی ہم سا
 آملہ بیاباں اے گردِ کاروا

محمد علی خان روہیلہ واقع شد بہ جرأت تمام کشتہ شد۔ در انشاے پختہ سلفہ نیکو داشت۔
دانا بان دین فن بہرہ دانی ازو برداشت۔ اور است

خط نے ترا حسن سب اڑایا یہ سہر قدم کہاں سے آیا
جب آخر اہل جن میں ہوئی آشناے گل تب عند لیب رو کے پکاری کہ ہائے گل
حزین ہوئی۔ امش میر محمد اقر شاگرد مرزا منظر بود۔ بغنیم آباد رسیدہ برفات
سعید احمد خاں صولت جنگ بسری برد۔ صاحب دیوان و کلامش دروانگیز این چند بیت
از افکار توجہ آثار اداست

غم نے آباد کیا خانہ دیناں میرا
گوارا ہو گیا دل پر بہار جو یار آخر
خوب سوچا ہے مزہ عشق میں رسوائی کا
دلبروں میں سے لیا ڈھونڈ مہ سجن تجکو ہی
ایک دن دیا نے دیکھا تھا مرے رنے کا جوش
دل سے کر اپنا کیوں عبت فصول کھانا ہو دل
غم نے لیا ہے گھیر مجھے یہاں تک کہ اب
لنے کے دن جوا شک نکلتے ہیں کچھ نہ بوجھ
آئنا دیکھ کر کے خنراں کا جن کے بیچ
ضل گل کی ہو چکی کیا دیکھ بول گے خاد ہم
رحم آتا ہے مجھے اس شمت خاک اپنی پہاے
کیوں نہ ہوے شاد ہم سے حضرت مجنوں کی روح
لوگ کہتے ہیں ہمیں اس دل کے سمجھانے تئیں
ہو رہا ہے در دو غم سے عشق کے ایسا خفا

ایر مژگاں سے ہوا سبز بیاں میرا
ہیں دسواں عالم سے ہو گئی صحبت برآر آخر
معتقد جی سے بول اس دل کی میں دانائی کا
میں دانا ہوں ان آنکھوں کی شناسائی کا
روز و شب ہوتا ہر غیرت سے تہ و بالا ہنوز
جاتا رہا جب ہاتھ سے پھرا تھ کبسا ہو دل
دیتا ہے ساتھ دینے سے مجھ کو جواب دل
بکھے ہو دیکھنے کو ترے ہو کر آب دل
کیونکر کرے نہ ہائے حزن اضطراب دل
کچھ کر لے صیاد اب ہونے کے نہیں آزاد ہم
خبر یوں کی ہوا میں یوں گئے برباد ہم
عشق کے صحرا کو کہتے ہیں حزیں آباد ہم
کیونکر تجاویں کہو ہم ایسے دیوانے کے تئیں
مستعد ٹیٹھا ہے ہو کر جی نکل جانے کے تئیں

چوڑ عارض، دل نے گھیرا زلفِ مشکیں نام کو ^{۹۸} صبح کا بھولا غنیمت ہی جو پہنچا شام کو
 لگا خوابانہ خط سے یہ ملنے گھسٹا پھر مجھے کانٹوں میں دل نے
 مولوی آیت اللہ جوہری تخلص بنوٹن پھلواڑی کہ از توابع غظیم آباد است۔
 صاحب علم و درویش مزاج بود۔ گاہے سخنے از دوسری زد۔

لگا یا عشق نے آجھ دل بے تاب میں آتش کہ دے ہے جیوں متوس بوٹہ سیلاب میں کشت
 جنوں۔ از دوستان خواجہ میر درد است۔ در سخوری عقل رسا دارد این ابیات
 از تذکرہ میر محمد تقی نقل نموده بہ تحریر آرد۔

دیکھ گردش کو تری چشم کے پیمانے کی مجھ کو خواہش نہ رہی جام نہ میخانے کی
 کبھی گرتا تھا قدم پر کبھی ہوتا تھا نثار کیا بھلی موت ہوئی رات کو پروانے کی
 جب سے صورت میں تری زلف کا کوچہ دیکھا راہ بھولی ہو مجھے کعبہ دت خانے کی
 آفت جاں ہو گئی آخر یہ مینائی مجھے جو ہا کیے سوان آنکھوں نے دکھائی مجھے
 مجھ کو لے زلفوں سے الجھا تا ہی دل خطا کے بیچ بیچ دیوے کا کہیں آخر یہ سودائی مجھے

حرفِ الح

حشمت۔ شمس سید عتشم علی خاں ولد میر باقی برادر میر ولایت اللہ خاں از
 مشاہیر سخوران دہلی است۔ شعر فارسی اور کمال لطافت می گفت و در تختہ ہم گاہے
 بنا بر جود طبع انشامی کرد۔ در زمان محمد شاہ بادشاہ دہلی از دنیا رحلت نمود۔ از دوست
 نہکت گل نے جگایا کہے زنداں کے بیچ پھیر زنجیر کی جھنکار پڑی کلان کے بیچ
 بہار آئی دواؤں کی خبر لو اگر زنجیر کرتا ہی تو کر لو
 جھکی آفوج گل اور عند لیبوں کی پکار آئی ارے بیٹھا ہو کیا وہ دیکھ دیوانے بہار آئی
 محمد علی حشمت۔ از ہم محبتان میر عبدالحی تا بآں بود۔ خود ما بہ علیہ زنان می آواز
 اما شجاعت مردان داشت۔ گویند ہمراہ قطب الدین خاں مد مراد آباد کہ عمار بہ پسران

جی جلا بیٹھوں تو دل کتنا ہو یاں ترک ادب
آستان بوسی سے ہوتا ہو یاں ترک ادب

اپنی تلوار کو رہنے دے میاں میان کے بیچ
یہ ہیں عالم و جاہا ہو تری آن کے بیچ

موجہ نشانے نے ڈھونڈھا نہیں ملتا تس پر
گم ہوا ایسا یہ دل زلف پریشان کے بیچ

باہ لے لے کھوں زلیخا سے پرے بھرتے ہیں
کئی یوسف ہی تری چاہ زرخدان کے بیچ

دل ہوا غم میں آب کی سی طرح
پر جٹے ہو شراب کی سی طرح

ہاتھ میں جام لے لے لایم سے
صبح کو آفتاب کی سی طرح

چھپاؤں اٹک گلگوں کو میں کس طرح
گر یاں ہو رہا ہو جا بجا سُرخ

اٹک پراٹک چلا متصل آدے باہر
یاں تک روویں کہ آنسو سے دل آئے باہر

بعد مرنے کے ہماری خاک کو بر باد کر
دی گولے گولے مجنوں کا گھر آباد کر

عجب رونق ہوئی آنے سے خاک کے
ہوا زخار تیرے کا چمن سحر

جفا کر کے نہ کھودے ہاتھ سے جان
نہ پاوے گا بھرا ایسا باد فادل

عبث ہم عشق میں روتے رہے ہمارے
پس جا بھی نہ اے ظالم ترا دل

خدا کے واسطے شمع رو آ کر خیرین
مبادا بکھ نہ جاوے آہ سے میری چراغ دل

دھال یاد نہ ہو جب تک جیوں کیونکر
مے تھپنے میں سل ہو اس انتظار میں دل

تیرے جمال جاں گیر سے بنے کیونکر
میں ایک تیلو دوانا ترا ہزار میں دل

تب تو تھا ہم ہی پہ سب پیار ترا اے ظالم
اب ہے سب خلق گرفتار ترا اے ظالم

درد میرے کی دعا تو نہیں کرنے کا کبھی
یوں ہی تڑپھا کرے بیمار ترا اے ظالم

عریں شاید حضرت مجنوں کا ہو جو اس طرح
جشم آہو سے چراغال آج ہو صحرایم

کوئی کھانا نہیں اس میری چشم ترکے میں
پر عبث روشے ہو کچھ پروا نہیں دلبر کے میں

زلف و مریخ یار دیکھتا ہوں
کیا لیل و نہار دیکھتا ہوں

دورے تو بہت ہوئے ہیں جھوٹے
اب یہ بھی قرار دیکھتا ہوں

اُس بے وفا کے عشق میں کچھ ہم کو جس نہیں ^{۱۰۰} بانوں تک بھی ہاے ہیں دسترس نہیں
 ویران ہوئے خزاں سے جہن بھلاں تک کہ ہم چاہیں کہ جل مرے تو کہیں خاموش نہیں
 توفیق دے خدا کہ یہ نالے سے چپ رہے آخر کو دل مرا ہو الہی جسرس نہیں
 کیا ان دنوں میں دھوم مچائی تھی اگلے سال جاتی چلی بہار حزیں ہاے بس نہیں
 آوے نہ کیونکہ رشک مجھے برگ پاں سستی لیتا ہو کیا مزہ وہ سخن کے لباس سستی
 خوابوں کے درد و غم لے کیا نا تو اس مجھے بھلاں تک کہ ہو بھی تن پہ رہے ہیں گراں مجھے
 کیونکر کروں جفا کی شکایت میں اُس سستی کرتا ہو وہ وفا میں کہیں امتحان مجھے
 وفا میری اگر جو رو جفا تجھ کو نہ سکھاتی تو کیا آرام سے یہ زندگی ہاے کٹ جاتی
 کچھ کٹے ہر میں کچھ وصل میں گریاں گزرے کیا مری عمر کے دن ہاے پریشاں گزرے
 شان بخوں کی کسوٹی نہ رہی نظروں میں خیل آہوں جو ہم چاک گریباں گزرے

حیدر علی - آتش غلام حیدر موفقی معلوم نہ شد - انوسٹ

تمہاری یادیں اے نگین آنکھوں کے لوہوسے مزہ کے ہاتھ میں یا قوت کے دانوں کا مالا ہو
 میر محمد جات تخلص بہ حسرت و لقب بہ بیست قلی خاں - موطن عظیم آباد - چند
 سال بعد مستدار ونگی عرض ذاب سراج الدولہ ناظم ہنگالہ صرف نمود - الحال کہ ۱۱۹۲ھ ہجریست
 در زمرہ موصولان ذاب مبارک الدولہ بہ پریشانی بسر می برد - نکتہ - سنج خوش بیان و مختور

شیریں زبانت دیوانش دو ہزار بیت - انوسٹ

رات کا سچ ہوا یہ خواب مرا لگب صبح آفتاب مرا
 تمہیں خط کی سولے جان لو ہوا سو ہوا بھلا دغفے کو آؤ جلو ہو ا سو ہوا
 ہم مے زخمیوں کے تئیں آدیکہ لے رشک بہار کو چہ گزار ہو رخسہ تر ہر تیر کا
 ہم نے جو اس شراب میں دیکھا جام جم میں نہ خواب میں دیکھا
 بسکد کھدیا ہو میرے دل کو وہ بد خو مرا کل نہیں پاتا ہو لب سے دد کے پہلو مرا

حسرت تو دہانا ہو اُسے کون مذاںے ۱۰۳۳ جاتا ہو مرا جان چلا روٹھ کے لڑکے
ترا غرور مرے عجز کے مقابل ہو اُدھر ہاڈا دھر ایک شیشہ دل ہو

رباعی

ناشا دکا میری کل (کذا) جی سے نہ گیا جب تک میں جیا ملال جی سے نہ گیا
یہ لوحِ مزار پر ہمارے لکھنا ہم گئے پہ ترا خیال جی سے نہ گیا

رباعی

میخانوں میں کیا پھرے ہوشی ملکی زاہد واعظ سے دور بھٹکی بھٹکی
قاضی سے ڈرے دغمتب سے کافر یہ دختر نہ جی سے امکی امکی
حسرت مراد آبادی۔ آتش مراد علی۔ از موزونانِ عہد شاہ عالم است۔ ص ۱۰۳

ست

کیا قافلہ یاروں کے آگے کہیں ٹھہرے ہیں فریاد جس کم ہو یا کچھ ہمیں بہرے ہیں
حبیب اللہ از احوال و اطلاق نیست غیر ازین شعر ادا کہ مرقوم می شود۔
سوزِ باں سے موبہکتا ہوں میں شانے کی طرح ہاتھ میں تجھ زلف کے ہو دل کے اُجھانے کی طرح
شیخ محمد حاتم حاتم بولٹش دہلی و معاصر نجم الدین آبرو بدوہ۔ زبانش بازبان و علی
دکھنی مناسبت دارد۔ میر عبدالحی تا باں از تلامذہ اوست۔ شاعر فصیح بیان و سرآمد رنختہ
گویان۔ دیوانش دو ہزار بیت بلکہ زیادہ۔ اور است

رشتہ عمر اگر تار گریباں ہوتا تو بھی گردن پہ مری بار گریباں ہوتا
شانہ نہ کیجو زلف میں زہناں دیکھنا بہتوں کے دل میں اس میں گرفتار دیکھنا
ہوں تری محرابِ ابرو کا غلام کیوں پھرے قبلے شتی اب رو مرا
حاتم بیکس کا تجھ بن کون ہو کون ہو گا جو نہ ہو گا تو مرا
رخسار گل و عنجبہ دہن چشم ہو زنگس اس طرح کا گلزار نہ دیکھا تھا سود کھیا

۱۲۰ کچھ زور بہار دیکھا ہوں

ان ظالموں کی جو ہر ضا سو کیا کریں
اس درد کی خدا کے بھی گھر میں دو انہیں
لٹا یا دین و دنیا دونوں ہمت اس کو کہتے ہیں
اس محبت میں پرندوں کے بھی پر جلتے ہیں
تیرے دانتوں کی جھلک سیتی گھر جلتے ہیں
بے کلمے ہیں یہ کم نخت تھر جلتے ہیں
دیکھئے والوں کے حسرت سے جگر جلتے ہیں

عشق کی سختی کی اک بابت ہوئی

جی کی دشمن تیری ہی الفت ہوئی

گلے میں ہاتھ دے کس پیار سے پیالا پلاتا ہو
گلے اٹھنے بھجھو کے آہ کے گئی طہ رخ جینے کی

توے لب کے تصور کا اثر ہو

مجھے اپنے دوا نے دل کا ڈر ہو

کہ میرے شیشہ دل پہ بیج گویا بال ڈالا ہو

بے طرح تجھ پہ پیار آتا ہو

کیا لٹا بہار آتا ہو

ناوسی ڈوب گئی جان ہمارے دل کی

ہر گھڑی منہ پہ کھڑا رہتا ہو درشن کو ترے

کہو تو کس طرح حسرت کا جی جلا نہ کرے

مجھے تو سرخ رو کیجو الہی

میں یار پر اپنے آج حسرت

آرام دیوین عشق میں باد کھ دیا کریں

کعبے بھی ہم گئے نہ گیا ان بٹوں کا عشق

سنا ہو آج میخانے میں جام نے پرستوں نے

ہم دواؤں ہی کے نہیں عشق میں گھر جلتے ہیں

دیکھ اس لب کو ترے آگ میں لعل ویا قوت

ان تپنوں کی میں جراثیم پر مٹا جاتا ہوں

تو جو دل گر میاں کرتا ہے کا مجھ سے ہر دم

کوہ کن بھول کی جو کچھ گت ہوئی

کہہ کن کے حق میں لے شیریں سمجھ

اے دل ہوش میں آیا راتی ہو جگا رہا ہو

جدائی کی ہوا دھکا گئی کیا آگ سینے کی

ہماری چشم تر کیوں سرخ تر ہو

بہار آتے ہی حسرت دیکھے ہاے

تصور نے کمر تیری کے یہاں مکنا نقش پکڑا ہو

کیا کہوں اپنے دل کی ڈھاتا ہوں

آج گل پیراں تر حسرت

آرزو کوئی نہ لگی آہ کنارے دل کی

ایک دن سنگ دکھاؤں گا میں درپن کو ترے

مہم گرم جوشی رقیبوں سے جب کرے ہر دم

جلا آتا ہو وہ قاتل صبا ہی

جو ہوئے گھائل نگہ کی تیغ سے اس شوخ کی
 یاد کر کے جامہ زیبوں کے بچے دامن کا گھیر
 یکایک ہو گیا ہم سے جدا دل
 دل میں یوں ہو تجھ خیالِ چشم کے آنے میں دھوم
 تم نہ بولو گو کہ عاشق جان دیو میں آپ سے
 کافرِ اتنا کیوں کر ہے ہم سے ہو کر رام دم
 دود میں تیرے نہیں سکتے ہی عالمِ مدام
 کیا ہوا اگر بیچ کھا کر دل میں رکھا ہی گرہ
 جیوں کھاتا صدف نے جلِ حاتم بلایا ہی تجھے
 تو نہ آیا اس طرف جس جا ہو ہم فرشِ راہ
 جز آہ و نالہ اور مرا ہم نفس نہیں
 کون سر ہو کہ ترا اس کو نہیں ہو سودا
 بڑا جنجال ہو کب ہو سحر گنتے کبیں گھڑیاں
 ملاہ دریا بجلی ادا حاتم کے طالع سے
 دکھاؤست غصہ کے تیوروں سے برابر آنکھیاں
 محبت کی لو میں پرائش کے دالوں کو بیتی ہیں
 تو صبح دم نہ نہا بے حجاب دریا میں
 چلو شراب پییں بیٹھ کر کنارتے آج
 صنم کی زلف کی لہروں کے بیچ سے حاتم
 تجھ پہ قربان سر کے تو کروں
 دل گیا پھوڑ تجھ نگہ کا تیر

دیکھتی نہیں ان کی چشم زخمِ مرہم کی حسرت
 ہاتھ دوڑانا ہوں رحمت سے گریباں کلر
 نہ تھا گویا کبھی کا آستانِ دل
 خج رہی ہو جس طرح مستوں سے بیگانے میں صوم
 ہوگی لے بے تھکے تھکے سے فریادیں صوم
 حال میرا دیکھ لے کر ظلم اے خود کام کم
 کیوں نہ ہو اس غم سو گ گردان لیکر جامِ جم
 تائب کیلئے میں جو بارے زلف سے آدام دم
 دل سستی جا مارا سنستے ترا پیغامِ غم
 مفت خاک اپنی کو ہاتھوں سے دیا برباد ہم
 پر مات کیا کروں کوئی فریاد رس نہیں
 کون آنکھیاں ہیں کہ تجھ جو رسے خونبار نہیں
 شمع کی سید زلفوں کی ہیں راتیں بہت بڑیل
 کہ جب دور کے آنکھوں گئیں برسا کی بھڑیل
 کہ میرا دل اپرکتی ہیں جیوں تلوار آنکھیاں
 تھکے شوق میں معدو کے لنگن زار آنکھیاں
 پڑے گا شور کہ ہر آفتاب دیا میں
 کہ ہووے رشک سے ماہی کباب دیا میں
 نہیں ہی موج یہ ہی بیچ قباب دیا میں
 جی میں تیری نذر کے تو کروں
 اب نشانہ جگر کے تو کروں

آنکھوں سے برستے ہیں مری انگ کے موتی
اُس شمع رونے رات کو آگھر جلا دیا
دل مرال کے بتاں ساتھ سماں نہ ہوا
کیا بڑا عیب ہے اس جامہ عریانی میں
مثال بحر موجیں اترتا ہر
لیا اُس گلبدن کا ہم نے بوسہ
ساقی مجھے خمار تادے ہر لا شراب
وصف آنکھوں کا لکھا ہم نے گلِ بادام پر
بننے نظر بڑا ہے مجھے گلخزار آج
حاتم خوشی سے کھول نین اور نگاہ کر
ایک دن ہاتھ لگا یا تھارتے وہن کو
حلقے میں بندگی کے تری دل سوں ہوں صنم
سالہ قافلہ ہوں میں اہل جنوں کا
ایک تو تھا ہی تمہارا مسکراتا بے طرح
اُس کمان ابرو کے اب ہاتھوں سے جی کیونکر بچے
برستا ہر سراپا خون مردم
بحن نے یاد کرنا نہ لکھا اور ہم رہے غافل
آج زگس کو قلم کر کے سخن لکھتا ہوں
جان و دل بے گیا ظالم نے کچھ چھوڑا نہیں
تمہاری بے کشی کا سن کے چڑھا لعل لب میر
مذہب مجنوں کے پھرنے کا شب بھر ل کے بیج

یہ ابرگر باد نہ دیکھا تھا نہ دیکھا
دوشن کیا چراغ مرادل بکھا دیا
سخت کافر ہر کافر ہو پیشیاں نہ ہوا
چاک کرنے کو کبھو اس میں گریاں نہ ہوا
کیا ہوجہ نے اس جگ سے کنار
تو کیا جو ارقیوں نے ہمارا
مرتا ہوں تشنگی سستی ظالم بلا شراب
کر کے زگس کو قلم اور چشم آہو کی دوات
دل کے جن میں پھر کے ہوئی ہر بہار آرز
مدت کے بعد یاد ہوا ہر دو چار آج
اب تک سر ہر خیالت سے گریبان کے تپ
ابرو کو مست چڑھا تو مجھ اور پرکمان کی طرز
جاتے ہیں اشک چشم مرے کارواں کی طرز
تس اوپر لکھے ہواب آنکھیں لڑا نا بے طرز
اُن نے ناما ہر محل کا نشا نا بے طرز
ہیں ظالم اس قدر تیرے نین سرخ
بجا ہر معذرت لکھنا مجھے کاغذ خطائی بے
وصف آنکھوں کا تری کاغذ بادامی
اک نگہ کا لکھتا ہے مجھ سستی تاواں ہنو
نہیں ملائی نذر کچھ رنگ کے پایاے بتا زگر
حق میں دس کے دیدہ آہو ہوے بن بن

تو مصر میں ہو خواہ تو ہو کفوں میں
 بیاٹش کیا مجنوں صفت کیسویاں کول
 نہ جھوڑا تو بھی زلفوں تری مجھ سے پٹاں کول
 تعابست کرو بارں سے میری چشم گریاں کول
 کیا اُسا دا آخر بُلبُل کے نے مجھ غزل خواں کول
 تو بھی کہو وہ سنس کے نہ بولا کہ تو نہ رو
 اُن کا کہو جہاں میں الہی بھلا نہ ہو
 عالم کا ڈر نہیں تو خدا کا تو ڈر کرو
 نام اپنے کے سبب تم اُسے نامور کرو
 دل کو نذر کرو تب اُس اوپر نظر کرو
 کہو تو ترش روئی چھوڑ کر سبب شکر دیکھو
 ہماری عاشقی کے نقش کا یا رو اثر دیکھو
 کوئی اُسے کارگر کہو نہ کہو
 درد سہی اگر کہو نہ کہو
 گل کو نگہ کے جام سے بیہوش مت کرو
 گردشمنوں کا ڈر ہو سخن گوشت مت کرو
 حاتم کی بندگی کو فراموش مت کرو
 عشق کے کشور کا میرے نام پھوانہ کرو
 جینا ہوا محال مجھے آشنا کے ہاتھ
 مینا لگا ہے جب سستی مجھ بے نوا کے ہاتھ
 ہونیں سکتی کچھ اُس کی ہم سستی تدبیر آہ
 تو مصر میں ہو خواہ تو ہو کفوں میں
 بیاٹش کیا مجنوں صفت کیسویاں کول
 نہ جھوڑا تو بھی زلفوں تری مجھ سے پٹاں کول
 تعابست کرو بارں سے میری چشم گریاں کول
 کیا اُسا دا آخر بُلبُل کے نے مجھ غزل خواں کول
 تو بھی کہو وہ سنس کے نہ بولا کہ تو نہ رو
 اُن کا کہو جہاں میں الہی بھلا نہ ہو
 عالم کا ڈر نہیں تو خدا کا تو ڈر کرو
 نام اپنے کے سبب تم اُسے نامور کرو
 دل کو نذر کرو تب اُس اوپر نظر کرو
 کہو تو ترش روئی چھوڑ کر سبب شکر دیکھو
 ہماری عاشقی کے نقش کا یا رو اثر دیکھو
 کوئی اُسے کارگر کہو نہ کہو
 درد سہی اگر کہو نہ کہو
 گل کو نگہ کے جام سے بیہوش مت کرو
 گردشمنوں کا ڈر ہو سخن گوشت مت کرو
 حاتم کی بندگی کو فراموش مت کرو
 عشق کے کشور کا میرے نام پھوانہ کرو
 جینا ہوا محال مجھے آشنا کے ہاتھ
 مینا لگا ہے جب سستی مجھ بے نوا کے ہاتھ
 ہونیں سکتی کچھ اُس کی ہم سستی تدبیر آہ

دھت کھتے سوں تمھاری چشم کا لے فتنہ جو
 یاد کر کے تیغ ابرو کو تری اے خوش بین
 جن جہیں کو دیکھ حاتم مشتری ہوئے نثار
 اُس کی جفا کی غیر سے فریاد کیا کروں
 میری بساط شیشہ دل تھا سودے چکا
 آکر سا ہر جب سول وہ بادہ نوش دل میں
 دُرِ فانی تھا ادایل کام مری چشم کا
 لوحِ دل پر نقش ہیں میری تے حرفِ درشت
 حیرت جو مجھے کہ اُس سخن بن
 اُس شمع کی میں لگن میں جل جل
 ترے لبوں کو میں تنگ نبات کہہ تو کہوں
 مجھے گمان نہ تھا نس پہ ماہ رو آیا
 تمھارے خط کے یظلمات تیغ چاہِ ذقن
 اُس وقت دل مرا ترے بنجوں کے بیچ تھا
 آج کس ہمدرد کیس کے ہیں س گلشن میں پھل
 ہر قدم پر اُس کے چلنے سے ہوا ہر فرش گل
 کیا کرو گے لے کے اب دل کو مری جاں ہاتھ میں
 شانہ مڑ گاں بنا کر موبو کس گھی کروں
 دل بدو الوں کے پرِ مفل کی طرح اُڑنے ہیں
 ہم نے بوجھا کوئی حاتم بھی تمھارا ہر غلام
 سدِ ظالم جو کرتا تھا جفا ہو کر خفا مجھ کوں

۱۰۶
 مجھ کو واجب ہو قلم گر ز گس نہ سلا کر
 نیم بسل کی طرح میں کب تک تڑپا کر
 ماہ کو کس طوڑا اُس بے مہر کے بہت اکرا
 گزری سو گزری پھر پھر اُسے یاد کیا کر
 تیری نذر میں اب اے پری زاد کیا کر
 مانند سستی آتا ہو جو شش دل
 اب ہما سے اشکِ خونین لعل ہوتے ہیں
 اب تلک مٹتے نہیں ہر چہ دھوئے ہیں
 کیونکر کے میں اب تلک جیا ہوں
 پروڑ نہ صفت ہو جی دیا ہوں
 دہن کا دھت ترے منہ سے بات کہہ تو کہ
 میں ایسی رات کے تئیں چاند رات کہہ تو کہ
 بجائے چشمہ آبِ حیات کہہ تو کہ
 جس وقت تولے ہاتھ لگایا تھا بات اک
 ہاتھ دھو بیٹھی ہوتے روتے روتے بل چشم
 نقش پاسے اپنے قالی ہو بچھائی بارغ
 شیشے ٹوٹے کو کیس لیتے ہیں خواں ہاتھ
 جو کبھی آفے تری زلف پریشاں ہاتھ
 اس دیا باں میں کیا ایک بھی صیا د نہ
 کہا ہوئے گا کوئی اب تو ہیں یاد نہ
 میں پھر جاتا ہوں پاس اُس کے ہوئی ہو کیا بلا

جہاں کے خوبصورت دیکھ تجھ صورت کو مجلس میں
 جہن جاتم تری ہر آن پر قربان جاتا ہوں
 کیا ظلم ہو کہ سب سے بجز تیغ بات نہیں
 دیکھ لے میرے من ہرن ہارے
 ڈھب رہتی ہو سدا انک کے پانی میں مگر
 نگر کرتے طرف اس کے دہن کے
 کھپ پادیکھ تیرے غل سے
 میں نے جس روز کہ دیکھے تھے تھے بال کھلے
 گھات چڑھ من ہرن لگا رہنے
 غم ابرو کی یاد سے دل پر
 چل چین میں کہ فیض قدسوں سرد
 ایک سے ایک گھٹا دل میں سرس آتی ہو
 موسم گل کا مگر قافلہ جاتا ہو کہ آج
 صنم کو دیکھ کر دکھ درد اپنا بھول جاتا ہوں
 تجھ خال کے خلل میں دل میں دل نہیں
 پہن کر جا رہی ہستی کو جب آیا گھر سوں
 گھٹا تجھ بن مجھے یہ آج کاری
 گھٹا کر دل مرادہ ابر رحمت اٹھ گیا برے
 ہو زندگی جدیوے آب حیات لب سوں
 بھی غصے میں جب آتا ہو مجھ کو جی سے بھاتا ہو
 اُس سناری سیر کے کیونکے جانے پاٹ میں

ہوے خاموش حیات سوں گویا پتلے تھے سب کل کے
 تری سچ کے، اکڑ کے، چال کے، اور زلف کے بل کے
 کیسے ابھی تو دم میں جاتا تھ سے سر کرے
 تیری آنکھوں سے سن ہرن ہارے
 پستی آنکھوں کی مری مردم دریائی ہو
 گئے غنچوں کے دھل گردن کے سکے
 چشم زرگس کو خواب آتا ہو
 موبو مجھ کو اُسی دن سے پریشانی ہو
 دوڑو پڑو یہ ہسکار جاتا ہو
 زخم ناخن ہلال ہوتا ہو
 ہر قدم میں نہال ہوتا ہو
 ہر گھڑی دہ پہ ترے جا کے برس آتی ہو
 سائے غنچوں سی آواز جس برس آتی ہو
 کس کس نہیں بولنے میں غنچہ لک پھول جاتا ہو
 آرام زندگی کا مجھے ایک تل نہیں
 دیکھ آنکھوں میں مے پھول گئی ہو سر سوں
 لگے ہو دل پہ ہر بوندی کٹاری
 گلی ساون کی جبر اس غم سے سیر دیدہ ترے
 مرنے ہیں تشنگی سے کہتے ہیں ہم پیاسے
 کر غصے کے بہانے سے مجھے آنکھیں دکھاتا ہو
 نہ گری کر کے بچھا رکھتا ہو کانٹے پاٹ میں

۱۰۸ کھینچ نہیں سکنے کی میری آہ کی تصویر آہ
 لگ گیا دل پر پلک لگنے لگے ہکا تیر آہ
 اس جواں کو کن نے مارا آج بے نصیر آہ
 کہ سب کہتے ہیں اس کو آج کیا بجلی چکتی ہو
 اُدھر بل سسکتی ہو اُدھر قمری بلکتی ہو
 کہ زنگس کی چین میں دیکھتے گردن ڈھلکتی ہو
 یہ تو بھی دخیتر زبردہ مینا سے نکلتی ہو
 جے تو ہو اس لذت کے تئیں پروانہ کیا جانے
 ہو واقف ہو ہو اس جستجو کو شانہ کیا جانے
 ارے کیا ہو جو ہاتھوں ہاتھ جامیاد کو پسینے
 ابھی تو طوق ہو پر اب کئے کی گردن لے قمری
 تو اپنی جان کی آپ ہی ہوئی ہو ٹھن لے قمری
 نہیں کوئی اور عالم میں مگر آئے تو تو آوے
 ابھی دیکھت ہوئے جو اس میں ایک سو آوے
 کہ شاید مہر و الفت کی کسی بھی گل سے بو آوے
 نہ پایا کھوج اُس کا کون تھا قاتل خدا جانے
 کہ ہر کس طرف ہو اور کہاں ہو دل خدا جانے
 کرنا ہو ضرور سخن ترک سر نہ مجھے
 حاصل ہوئی ہو سلطنت بحر و بر نہ مجھے
 اُس است کی گنگہ کا ہوا ہو اثر نہ مجھے
 جو کرے سو بار وہ قرباں نہ مجھے

اس ارادہ پر اگر سارے معذور جمع ہوں
 اُس کماں ابرو سے کاہے کو ہوا تھا چرخیم
 جن نے دیکھی لاش حاتم کی یہی کہتے گیا
 بتیسی اس طرح ہنسنے میں تیری اب جھکتی ہو
 تیرے رخسار و قد نے دھوم ڈالی ہو گستاں میں
 دو چار اب تجھ جیسی کیوں کر جو ہم چشمی کے دھوے
 پری ہم جان کر اُس کو چھپا یا شیشہ جاں میں
 مزالے لے کے چلنے کی طرح سے شمع واقف ہو
 دل صد چاک میرا زلف کے کوچے کے بچوں سے
 ہمارے مشت پر یاد یو ہیں برباد جاتے ہیں
 اتنا بھی مت لگا تو سرو سے جا جا میں لے قمری
 رکرتی عاشقی تو طوق کیوں تیرے گلے پڑتا
 اٹھی ہیں غم کی فوجیں کون ہو جو برو آف
 ترے بالوں کو چاہیں ہوں کھلے دیکھوں کہ دل میرا
 جہاں کے باغ میں کرتا ہو سیر اس واسطے حاتم
 ہوا ہو گا کہاں جا کر یہ دل بسل خدا جانے
 میں جتنا ڈھونڈتا ہوں اُس کو اتنا ہی نہیں پاتا
 تجھ ابرو اں کی تیغ جب آئی نظر نہ مجھے
 زینت ہو عاشقوں کی لب خنک چشم تر
 سرشار ہوں نشے میں نہیں دل کو شوق نے
 اہد بھی ہوں جیوں کماں حلقہ گوش

کیا ہوا دل دیا قسم لے کر
 نا تو اس قدر ہوے کہ حضور
 مشہد پہ عاشقوں کے کوئی گونہ لائے شمع
 یہ خون نہیں ہے کہ آج رہا ہے آنکھوں میں
 ذرا پھر آ مرے قاتل کہ دیکھنے کے لیے
 سخت برگشتہ میں کیا پڑ گئی ہے سخت گرہ
 کھل کے رو بھی نہیں سکتے کہ مٹے کلفت بھر
 بکھری ہوئی جو چہرے پہ یوں زلفِ یار ہے
 تیرنگا و یار بلا ہے، اگر کہیں
 دل لے چکے تو کیا ہوا حاضر میں حضور
 حضور آئینہ رویہ تو دل میں عکس رکھتا ہے
 حسرت وصال کی ہر گلوگیر، بحر میں
 ناچار ہے دل زلفِ گرہ گیر کے آگے
 دل تو تھیں بے ہی چکے جان بھی
 اب کی بچے جی تو کسو کے تئیں
 دل بھی جواہر ہے، لیکن حضور
 ادا کوں تری میرا جی جاتا ہے
 کروں قطعِ الفت بتاں سے لیکن
 پھرے گانہ یہ دل تری بندگی سے
 مجھ سے مرنے کی نہیں کسی رو سے
 عشق میں دو ہے ہو مروتِ دل
 پھر دیتے ہیں کوئی صنم لے کر
 دل سے نکلی ہے آہ دم لے کر
 روشن رہے گی آہ انھوں کی بجائے شمع
 ترے لیے مراد تم رہا ہے آنکھوں میں
 مٹے پڑے ہیں پنکھ رہا ہے آنکھوں میں
 کھلتی ہی نہیں جسکو طرح یہ کم سخت گرہ
 ہو گئے چشم میں آدِل کے مرے سخت گرہ
 میں پوچھتا ہوں سب میمے دل پہ مار ہے
 ترچھا بھی لگ گیا تو کھینچے کے پار ہے
 حاضر ہے بندگی میں اپنی جاں تک
 میں حیراں ہوں کہ کس صورت کے جاؤں مدد اس کے
 ورنہ بھی میں بھاڑوں گریبانِ ندگی
 دیوانے کا کیا چلتا ہے زنجیر کے آگے
 بچے حاضر ہے، اگر چاہیے
 پھر نہ کبھی بار دگر چاہیے
 اس کے پرکھنے کو نظر چاہیے
 حریف اپنا ہر کوئی پہچانتا ہے
 یہ کافر مامل نہیں مانتا ہے
 یہ بندہ ہے تیرا خدا جانتا ہے
 چشم کھتا ہوں تیری ابرو سے
 چشم کو آبرو ہے آنسو سے

تیرے ہاتھوں سے عاشق کو معشوق کو چین ۱۱۰ دونوں جلتے ہیں ادا ہر شمع ادا ہر پروانہ
میر حیدر علی حیران شاگرد لالہ سرب مکہ دیوانہ، دوزمرہ نکتہ سنجان پسندیدہ

محبوب است۔ ایش دہلی و اکڑن در لکھنؤ بصری برد۔ از کلام اوست
ہوانہ ہم کو کبھی سیر باغ و کشت نصیب کریں گے زیت کا کیا یاد ہم سے زشت نصیب
دلِ ستم نہ کا آج بڑھتے ہو حال غم فراق سے کب کا ہوا بہشت نصیب
دکھ اس سے کون کے تاب التماس کہاں کسے ہر ہوش بجا دل کہاں جو اس کہاں
ہوا ہوا اب تو نئے دوستوں سے ربط دلی تمہیں اب آنے کی فرصت ہمارا پاس کہاں
میر حامد۔ مردیت آزادہ صفت و نیکو خصلت در لکھنؤ پنجمت پیر خود میر
نصیر کہ جانشین خواجہ باسط مغفور است بصری برد و ذوق بیار بہ سخن دارد۔ از دست

دنیا سے دلی کو جو کہ کافی سمجھے وہ قصہ عمر کو کہانی سمجھے
در! حقیقت کو وہی جانی سمجھے جو شل حجاب زندگانی سمجھے
حضور۔ ایش شیخ غلام محلی از اغرہ عظیم آباد است۔ در نحو صرف مہارتے
دلداد۔ و کب تجارت معیشت خود می کند۔ تلاش معنی در عایت صنائع لفظی از دست
نمی دہد۔ از دست

گر ایسی ادا تو دکھا تا رہے گا تو کب تک کوئی جی بچا تا رہے گا
مڑنا ہوں در عشق سے آرام ہو چکا بس اے طیب عشق مرا کام ہو چکا
گر کہیں تجھ کو نظر آجاوے وہ رنگ چین سحر تری آنکھوں میں کھلے گل خلد اسن زلیب
اُسے اس واسطے میں دیکھتا ہوں راستی یہ ہر کہ ہوتا ہو نہ نوا بروے غم دار کی صورت
کبھی شوقی تو کیا مارے لب کے دم نہیں مارا غبار اس آئینہ رو کے ہر دل میں اس کا کیا باعث
دیکھنا تو ہی گانٹھا ہر دل یار سے دل سنگ و شیش کو کیا ہر میں ہنر سے پیوند
ہر تجھ سے کیا کہل لے شعلہ و مانند شمع حال دل روشن ہو کچھ برقوت نہیں اظہار ہو

کس طرح سے آج پہنچوں دا دکو
 کوئی نہیں سننا مری فریاد کو
 نہیں رہتے تو کم ہر چند میں کتا ہوں رہنے کو
 چلے جاؤ بھلا وہ جائے گی یہ بات کہنے کو
 پہنچاؤ میرا کوئی یہ پیغام یار کو
 مرتا ہو آکے دیکھ اس امید وار کو
 خدا جانے کہ ہووے گوریں کیسا الم دل کو
 مرے بعد لے عزیز و کچھ نہ کیو میرے قاتل کو
 میرا احوال مت کسی سے پوچھ
 پوچھنا ہو تو زلف ہی سے پوچھ
 جی دھڑکتا ہو مرا ہجر کی پھر رات آئی
 کیا بات تھی اب تک جو ترے جی میں رہی ہو
 اس دوانے سے جو اتنی خفگی رہتی ہو
 جو کیا زلف یار نے ہم سے
 جی میں آتا ہو کسی صورت اس تک جائیے
 میرے حمل کا ان دنوں کچھ اور رنگ ہو
 صفائیں سادہ ہو کی دیکھ یہ سہراں
 اگر تیری صورت بنائی نہ ہوتی
 جی میں وہ کہہ کر آیا ہو اسے اب دیکھیے

رباعی

دنیا کا شوق دل سے جانا معلوم
 اور اتنا خیال جی میں آنا معلوم
 یہ وہ ہر طلسم جس سے رب اک روز
 جانا ہو وہاں جہاں سے آنا معلوم
 مولا جعفر علی حسرت دلدرد زانو الخیر از مشاہیر رختہ گویان لکھنؤ است۔ اکثر
 تازہ گوین آن شہر شاگرداوند صاحب تصانیف و غزلیات۔ و تا حال کہ ۱۹۲۲ء ہجری
 نبویست در قید حیات است۔ اور است

اتنا رسوا یہ دل زار ہوا کچھ نہ ہوا
 کچھ بھی غمش سے بیزار ہوا کچھ نہ ہوا

آہ کچھ اُن نے نہ بوجھا ہم سے جی کی جی ہی میں رہی جاتی ہے
 میرنو حیرانِ خلص - طیشِ غلیم آباد - از مفتیان بعدگار بودہ - دس سی سالگی
 ودلیت حیات نمود - دمر تیرہ گویا ہمارت خوب داشت و منظم خلص ہی کرد - اشعار شش
 بلوصت کم چورج زیادہ و بلا غصب بے اندازہ دارد - سر صد شعر از و دیدہ شدہ - از دست

کیا مجھ کو تیری آنکھیں نے رسوا کوئی اب مجھ کو کیا رسوا کرے گا
 مدت کے بعد آج وہ جھلکی دکھا گیا اس دل جلے کو پھر نئے سرے سے جلا گیا
 شہد پہ ہمارے وہ کبھی آن نہ نکلا مرنے کو موے جی کا یہ ارمان نہ نکلا
 جس وقت یار آکے ہم آغوش ہو گیا شکوہ جو دل میں تھا سو فراموش ہو گیا
 یار جب بے حجاب ہووے گا ایک عالم خراب ہووے گا
 غیر کے ساتھ تو شراب نہ پی دل ہمارا کباب ہووے گا
 اُس جفا جو سے دیکھے حیران کب تک کامیاب ہووے گا
 جو تو نہ ہو جن آرا ہمار میں ساتی ہر ایک گل کی چھبے ناک خار کی صورت
 دیکھ کر اُس کے گلے میں ہار آج ہو گئی حسرت گلے کا ہار آج
 دیکھے کس کس کی آتی ہر اجل یار نے کی ہر علم تلوار آج
 گر پڑے آنسو مے اس کے حضور راز دل کا ہو گیا اظہار آج
 آتی نہیں زبانِ تلک آہ سر دہل لے دے تجھ کو میں کس سے دردِ دل
 ہے مجھے ایسے بدگماں سے کام جس کو ہر دم ہر استخوان سے کام
 یار کے زلف و درخ پہ مرتا ہوں نہ غرض صبح سے نہ شام سے کام
 گلشنِ دنیا میں بس دل گیر ہوں میں بزرگ غنچہ تصویر ہوں
 نہ بعد اے غزلو اس قدر محبوب کے نام میں بہاؤ آنے دو میں مک جنوں آباد کرتا ہوں
 وہ ظالم ایک دلی بھی تیری کرتے ٹھانے پہلو میں تڑپ کر مر گیا آخِ دلِ دیوانہ پہلو میں

حسن دہلوی نامش میر محمد حسن۔ بسیار خوش فکر۔ احوال مفصل تا ترجمہ میں محمود

دریافت نشد۔ متفرق اشعارش نظر آمد۔ اور است

گستاخ بھلا آج یہ سارا جہاں خراب شاید کہ مر گیا ہو کوئی خانہاں خراب
قاتل اگر کہے کہ سکتا ہی چھوڑ دو خنجر تو ایک دم کے لیے نہ نہ موڑ دو
حق نہ جاتا ہو دل کا ندل کی بیانی یہ کچھ بھلے نہیں آثار دیکھیے کیا ہو
ہر دم آئینے میں نہ دیکھنے لگتا ہو گا ایک دم آپ ہیں وہ شوخ جو پاتا ہو مجھے
کوئی نہیں کہ یا کی لادے خبر مجھے لے سیل شک تو ہی ہمارے اُدھر مجھے
یہاں تک تو صفت ہے کہ جبر مجھ گئی مانند نقش پا کے وہیں لگ کے رہ گئی
بہر دیکھ اٹھی آگ دل کی ہلے میں نے روروا بھی بھائی تھی
دل کو دلوں میں یا جگر کو حسن مجھ کو دو لوں سے آشنائی تھی

خواجہ حسن بن ابراہیم معروف بخواجه کمال۔ سید حسینی دموطن آبائش پہاڑ گنج
دہلی سے چند سال بزمہ منتہاں مرزا حسن رضا خاں ی گزرا ند و کلاش حالتے دار۔ تخلص

اوحسن۔ اور است

پہنچے وہاں کچھ جب تیں پیغام ہمارا یہاں تب تیں آخر ہی ہوا کام ہمارا
دل دلا سوں سے کہ ہو بقراری بیشتر خانہ ماتم میں ہو پڑے سے زاری بیشتر
چلنے سے کب اٹک پارتا ہو دریا ہو کہ جوش مارتا ہو
آکر بلا سے قتل ہی کر جائے مجھے صورت اسی بہانے سے دکھائیے مجھے

میر غلام حسن حسن تخلص دہلوی ابن میر غلام حسین فاضل کہ دہلی کہنہ دہلی مکین
داشت۔ و شاگرد میر ضیا بود۔ از دہلی سفر گزیدہ وار دکھنہ گوشتہ با جواب سالار
جنگ و خلعت ایشان نوازش علی خان می گزرا ند۔ مضامین سخنم لیش تاز گینا

دلرو۔ اور است

کاش کے مشق جتا۔ ماہ میں اُس کو حسرت
 قیوں کے حوالے کر کے خط کو نامہ بر آیا
 نہیں غنچوں پہ بنم اُس دین کے وصف اُن کو
 تصور نے تمے ظالم یہاں تک تفرق ڈالا
 بزرگ بدلے دے یہ کیا زندگانی ہو
 کس کا ہو جگر جس پہ یہ بیدا کر دو گے
 تاراج کیا صبر و دل و جان پھر آگے
 تے بن کس طرح پیائے مری او قاتل کے گی
 اُس زلف میں جاو فات پائی
 اس دل نے عجب ہی رات پائی

ہمارے کام پہ ہر جہد آسمان پھرے
 چلا تھا لشکر غم چڑھ کے گھر پہ مجنوں کے
 حیدر مری دہلوی۔ امش شیخ غلام علی۔ پدش مدام در پشہ عالمی الموت و بقوی
 و صلاح موصوف بود۔ بسبب گردش زمانہ جلالت وطن اختیار نمودہ در عظیم آباد مقیم شد۔ ہر چند
 خوشن سخن است اما روش کلامش روانی دارد۔ دے راست

یہ دل اسیر زلف گرہ گیر ہی رہا
 سو بار تار تار گریبان ہو چکا
 جاتی ہو بندگی میں قاتل کی
 ہم کیس وہم میں نہیں اُس کے
 حیدر مری کے قید کرنے کی بحث تدبیر ہو
 اُس پریشاں کو خیالِ لعل ہی زنجیر ہو

حضور تخلص دہلوی۔ از طبقہ ہندوستان است۔ دے راست

زبان شمع سے روشن ہوا یہ اہل مجلس پر
 کہ جہاں جو دم گزرتا ہو ترقی میں تنزل ہو

انک کا ذکر کیا ہے آنکھوں میں خون دل آ رہا ہے آنکھوں میں
خون دل کیا بلا ہے آنکھوں میں آپ دل آ رہا ہے آنکھوں میں
خلیق دہلوی: ہاش مرزا ظہور علی خٹک مرزا ہوشیار - در علم موسیقی و مرثیہ خوانی
دستگاہ تمام دارد - در عہد محمد شاہ مغفور حسب طلب شہامت جنگ وارد و بنگالہ شد -
بالفضل و برسر کار نظامت مرشد آباد شک - اور است

آئی بہار، کیوں ہے دل انسرہ لے خلیق مانند گل کے تو بھی گریبان چاک کر
خیالی: ہاش راجہ خیالی نام از اغزہ ہائے عظیم آباد است - از چند شیرکت
راجہ کلان سنگھ پسر راجہ شباب رائے مال گزاری صوبہ عظیم آباد باو تعلق دارد - مرد
عادل و قابل و موزون طبع - ذوق سخن بسیار دارد - از دست -

حالت نزع ہوا سے یار کہاں جاتا ہے ابھی مرزا ہے یہ بیمار کہاں جاتا ہے
دم تو لے بات تو سن کس سے ہوا ہے برہم تیغ لے ہاتھ میں خوشخو اکھاں جاتا ہے
ہو خیالی کو اگر دولت کو نین نصیب دود قدموں سے تھے یار کہاں جاتا ہے
آپ سے ہم نے جگہ ہنسائی کی کیوں کسو سیتی آشنائی کی
ماڑنا بھر جلا ناک دم میں لے بناں تم نے یہاں خدائی کی

رباعی

کس کس کو چے میں عشق لایا ہم کو کیا کیا ستم وجود دکھایا ہم کو
منظور یہی اگر دل آزار ہی تھی سوتے تھے عدم میں کیوں جگایا ہم کو
خاکسار: ہاش محمد یار - طوفش دہلی - خادم قدم شریف - معاصر مرزا رفیع
سودا گفتارش آبدار است - دے راست

خاکسار اُس کی تو آنکھوں کو کہیں مست لکھو بجو ان خانہ خرابوں ہی نے بیمار کیا
تیغ قاتل سے ہے محروم بے تقصیر ہم روز عشر کو اٹھیں گے گور سے دل گیر ہم

چو نہ اندو حال تغافل اُس اپنے مہرباں کا
 دامن مچھڑے اٹھنے کو حسن کا جی نہیں
 دم زکنا ہو آتا ہو لب تک ترے غم سے
 کہنے کی بیچ باتیں کس بن نہیں گذر تی
 نغمہ عشق میں ہیں سجتہ و زنا رے
 رہنے نہ دے سکا اُس بن یہ دل تو ایک دم بھی
 کیا ہنسے اب کوئی اور کیا رو کے
 جو چاہے آپ کو تو اُسے کیا نہ چاہیے
 مجھ سے نہ تجھ کو چاہا تو چاہا با عجب نہیں
 حقیقت - امش موتی نعل - شاگرد میر محمد سوز - در لکھنؤ ساکن ہست

بیاگوش بلوریں میں یہ دُر گستا پیار اہی
 جو ہواک بات میں قتل کی تو میں کہیں اُس کو
 گلشن دہریں کو نہ کروہ بھلا شاد پھرے
 کہ جیسے نعل مہتاب کے ہوتا سارا اہی
 ادا ہو تا زہری، غمزہ ہو، آنکھوں کی خار اہی
 رات دن جس کے لیے گھات میں صیاد پھرے

رحمت اللہ حسرت - از موند نان عظیم آباد است - وہ راست

جتنا سخی کھنڈ لدا رکب ہی رنگ آمیز
 آکر کے تم تو ہر میں ے نوش کر چلے
 کہو کئے قتل کی ہی اس کے ہاتھ رحمت آویز
 اور ہم کو چشم مست سے مدہوش کر چلے

حرف الخ

میر سبحان علی خا کسار - احوال معلوم نیست - میں ابیاب از دوست -

دیدہ خونبار سے بھال تک تو دکھ پانے لگا
 جوستم جو ترے ہست تھا
 خون دل سے ہائے پار وختِ دل آنے لگا
 مرگب آج کوئی کستا تھا
 خواب کا ذکر کیا ہی آنکھوں میں
 انک حسرت بھرا ہے آنکھوں میں

اٹک نہ میرے لائے کتنے ہی دیا کے پاٹ
 کی تو تھی تاثیر آتشیں نے اس کو بھی
 شیخ کہے ہو کے پہنچا ہم کشتِ دل میں ہو
 اگر یوں ہی یہ دل سستا رہے گا
 میں جاتا ہوں دل کو توبہ پس چھوڑے
 غل مری زنجیر نے رفتار میں ایسا کیا
 جیوں غنچہ بجز اک دل صداک نہ پایا
 جان پہ کھیلایوں میں میرا جگر دیکھنا
 گلا کرنا نہیں کچھ میں تیری نامہ زانی کا
 جگ میں آیا اُدھر ادھر دیکھا
 جان سے ہو گئے بدن خالی
 اُن لبوں نے نہ کی سبھا ئی
 واضح میں دینِ دل کے تئیں اب تو کھو چکا
 جیوں چاہیے اُس طرح بیان ہم سے نہ ہوگا
 شب گزری اور آفتاب نکلا
 ہر چند کیے ہزار نالے
 تسلی ہو گئی دل میں خیال اس کا جیسی آیا
 آشیانہ میں دردِ بیل کے
 رسوائیاں اٹھائیں جو رعباب دیکھا
 ہم نے چاہا بھی پر اس کو بچے سے آیا نہ گیا
 گلی سے تیری کوئی ایک بار ہو نہ گیا

دامنِ محراب میں در نہ اس قدر کب گھیر تھا
 جب تک پہنچے ہی پہنچے راگ کا بھالہ میر تھا
 درخزل ایک تھی ملک راہ کا ہی بھیر تھا
 تو اک دن مرا جی ہی جاتا رہے گا
 میری یاد مجھ کو دلا تار رہے گا
 حشر کو بھی شور جو ہونا نہ تھا ہر پا کیا
 منہ ڈال کے جب اپنے گریباں میں دیکھا
 جی نہ رہے یا رہے مجھ کو اُدھر دیکھنا
 مجھے شکوہ ہے لے ظالم اس اپنی سخت جانی کا
 تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا
 جرطرت تو نے آنکھ بھر دیکھا
 ہم نے سو سو طرح سے مرد دیکھا
 حاصل نصیحتوں سے جو ہونا تھا ہو چکا
 کراپے دین سے تو ہی وصف اپنی کمر کا
 تو گھر سے بھلا شتاب نکلا
 پر جی سے نہ اضطراب نکلا
 بچے مرنے سستی گویا ہائے جی میں جی آیا
 آتش گل سے آج بھول پڑا
 عاشق تو ہم ہوے پر کیا کیا عذاب دیکھا
 وصل سے جو نقش قدم لگا اٹھا بانہ گیا
 کہ نقدِ دل کے تئیں وہ غریب کھو نہ گیا

دل شیفہ کر کے کیا لیا تو اے خانہ خراب کیا کیا تو
 کیا ہر چل تھکے ناصح مرے سمجھانے سے آہ جیوں شمع ہر راحت مجھے جل جانے سے
 تیری زلف سیہ سے اے پیارے بھ کو یک سر ہزار سودا ہی
 کیا ہر اس خاکسار کی تقصیر یہ مگر تم کو پیار کرتا ہی
 قیامت بھی ہوئے تو میری بلا سے مجھے داد خواہی کی طاقت کہاں ہی
 رونے سے خاکسار کے سزا نہیں کوئی اس خانہ خراب کو چپکا خدا کرے
 خادمِ عظیم آبادی۔ ہاشم خادم حسین خلف حاجی احمد قیامت تخلص از
 منصب داران و علم زلزلگان علی ابراہیم خاں است۔ دے راست
 بے پری جب تھی مجھ تب نکلا آزادی نہ تھی خوب تھا آراں جب بے رحم وہ صیاد تھا
 میر منظر علی خوب تخلص۔ از دوست

ہر جنوں کا دورِ طوفان ان دنوں میں ہوں اور میرا اگر بیاں ان دنوں

حرف الدال

خواجہ میر درد و خلف الصدق خواجہ ناصر دیلویت۔ مرکز دائرہ اہل کمال۔
 سخن سخن مکتہ رس شیریں مقال۔ قطع نظر از مہارت فنون سخن کہ دون مرتبہ آن و لا
 تعلیم است و خدا پرستی و تحمل معائب و تسلیم نواب نظیر خود نداد۔ سید عالی مرتبت،
 بقیم گوشہ عزلت، رہبر و شہرستان تفرید و سائر کوچہ تجربہ۔ دیوان ز تختہ
 اش اگر چہ از ہزار بیت تجاوز نیست، لیکن ہمہ یک دست و احتیاج بہ انتخاب
 نداد۔ در شاہجہان آباد تا این زمان کہ سنہ یک ہزار و یک صد و نوہ و چار
 ہجریست گوشہ انزوا اختیار نموده بہرہ یاب فیوضات ناقصا ہی الہی است۔
 این چند شعر ز تختہ از خلاصہ نالہ ماے شود انگیزا دست

عاشقِ بدل ترا بیاں تک تو جی سے میر تھا زندگی کا اُس کو جو دم تھا دمِ شمشیر تھا

بارے یہ داغ عشق ہوا شہر یار دل مدت سے بے چراغ بڑا تھا دیار دل

حیراں آئینہ دار ہم ہیں کس سے یارب دو چار ہم ہیں

آپ تو تھیں ہی پراس کا بھی کیا خانہ خراب درد اپنے ساتھ نکھیں دل کو بھی لے ڈوبیاں

اُن نے کیا تھا یاد مجھے بھول کر کہیں پاتا نہیں ہوں تب سے میں اپنی خبر کہیں

مدت تک جہاں میں ہنستے پھر اکیے جی میں ہی خوب روئے اب ٹھیک کر کہیں

پھرتے تو ہونائے سچ اپنی جدِ مرتد مصر لگ جائے دیکھو نہ کسو کی نظر کہیں

آہ پردہ تو کہیں مانع دیدار نہیں اپنی غفلت کے سوا کچھ درد دیوار نہیں

آہ مشتاق ترے صفت ہو جاتے ہیں اک نظر بھولے سے بھی ہوے تو جی پاتے ہیں

گیتم سخت سیہ سایہ دار رکھتے ہیں یہی بساطیں ہم خاکسار رکھتے ہیں

یہ کس نے ہم سے کیا وعدہ ہم آغوشی کہ مثل بحر سراسر کنار رکھتے ہیں

نقطہ ہی ثمر داغدار رکھتے ہیں جہاں کے باغ سے ہم دل سوانہ بھل پایا

اُس کی باتیں مجھ سے کیا پوچھو ہو تم اُس کی باتیں مجھ سے کیا پوچھو ہو تم

درد کو تو پہنچا معلوم ہے درد کو تو پہنچا معلوم ہے

جس کے بن دیکھے نہ زند آتی ہیں جس کے بن دیکھے نہ زند آتی ہیں

بردم بتاں کی صورت رکھتا ہوں دل نظریں بردم بتاں کی صورت رکھتا ہوں دل نظریں

کہیں ہوے ہیں سوال و جواب آنکھوں میں کہیں ہوے ہیں سوال و جواب آنکھوں میں

کرے ہر دست بنگا ہوں میں ایک عالم کو کرے ہر دست بنگا ہوں میں ایک عالم کو

آگے ہی بن مئے تو کے ہے نہیں نہیں آگے ہی بن مئے تو کے ہے نہیں نہیں

ہیں معنی بلند مرے عرش کے پرے ہیں معنی بلند مرے عرش کے پرے

اگر میں نکلتا رہی سے ترادہاں پاؤں اگر میں نکلتا رہی سے ترادہاں پاؤں

یہ رات شمع سے کتنا تھا درد پروانہ یہ رات شمع سے کتنا تھا درد پروانہ

مدت سے بے چراغ بڑا تھا دیار دل
کس سے یارب دو چار ہم ہیں
درد اپنے ساتھ نکھیں دل کو بھی لے ڈوبیاں
پاتا نہیں ہوں تب سے میں اپنی خبر کہیں
جی میں ہی خوب روئے اب ٹھیک کر کہیں
لگ جائے دیکھو نہ کسو کی نظر کہیں
اپنی غفلت کے سوا کچھ درد دیوار نہیں
اک نظر بھولے سے بھی ہوے تو جی پاتے ہیں
یہی بساطیں ہم خاکسار رکھتے ہیں
کہ مثل بحر سراسر کنار رکھتے ہیں
نقطہ ہی ثمر داغدار رکھتے ہیں
مدتیں گزریں کہ دیکھا بھی نہیں
کوئی بھال فریاد مننا بھی نہیں
خواب میں بھی دیکھتے اُس کو نہیں
ہوتی ہر بت پرستی اب تو خدا کے گھر میں
یہ بے سبب نہیں اتنا حجاب آنکھوں میں
لیے پھرے ہی یہ ساقی شراب آنکھوں میں
تجھ سے ابھی تو ہم نے وہ باتیں کہیں نہیں
مدت کہہ کہ بات درد کا کرسی نشیں نہیں
کر کو چاہیں تو اس کے تئیں کمال پاؤں
کہ حال دل کوں گرجاں کی اماں پاؤں

دل بھی لے دردِ قطرہ خوں تھا
 آنسوؤں میں کہیں گرا ہو گا
 تجھی کو جو یہاں جلوہ فرما نہ دیکھا
 برابرِ جزو دنیا کو دیکھا نہ دیکھا
 کیا مجھ کو داغوں نے سروِ چراغاں
 کبھو تو نے آکر تماشا نہ دیکھا
 مثلِ نگیں جو ہم سے ہوا کام رہ گیا
 ہم دریاہ جاتے رہے نام رہ گیا
 جی میں ہر سیرِ عدم کیجیے گا
 یک بہ یک خلق سے ہم کیجیے گا
 سودِ قہر تو یاں ہم ہی ہیں
 اور کس پر یہ کرم کیجیے گا
 وہ ہو کر کہیں تو ہوا بے حجاب رات
 تھاخل زلفِ دل کو عجب تیج و تاب رات
 تیرے گناہ آتے ہیں کوئی شمار میں
 اے دردِ ہم نے جی میں کیا تھا حساب رات
 جائیے کس واسطے لے دردِ میخانے کے تیج
 اور عی مستی ہو اپنے دل کے پانے کے تیج
 تیج و تابِ تنہا جو یہاں اس دل صد چاک کو
 زلفِ لہجی ہو کسو کی ظاہر شانے کے تیج
 یا کرم تھا اس قدرِ ناظلم رانی اس قدر
 جان کو آنے سے لبِ بیک نزع میں کب تک ہو
 دہ تو کرتا ہر معنی کے تیس صورت پذیر
 حیرت ہو یہ کہ تجھ سے ستم گر کے ہاتھ میں
 موڑنا منہ نہ ابھی سوزِ مرزاں ہم سے
 نہ کیا تو نے ایک بار افسوس
 دل پہ ہونا جو کچھ تھا سو گزرا
 ہا یا نہ تھا تو آج تیس ہاتھ سے تیغ
 جاننا زامد بھی ہیں پر اے ابرو دان یار
 لے دردِ مثلِ زخمِ زمانے کے ہاتھ سے
 پیغامِ یاس بھیج نہ مجھ بے قرار تک
 ہوں نیم جان سو بھی ترے انتظار تک
 دابہ میرے قتل سے تھی آرزو سے تیغ
 میری طرح نہ ہو گا کوئی دوبرو سے تیغ
 دیکھا نہ آنکھ کھول کے ہم غیر رو سے تیغ
 ہوں نیم جان سو بھی ترے انتظار تک

اپنے ہاتھوں کے بھی میں زور کا دیوانہ ہوں
 جو جفا جو ہیں انھیں سنگ دلی لازم ہو
 آج ہو آہ کی ہو اکچھ زور
 زلف کی کج ادائیاں دیکھو
 مراجی ہو جب تک تری جستجو ہو
 خدا جانے کیا ہو گا انجام اس کا
 تشا ہو تیری اگر ہو تشا
 کسو کو کسی طرح عزت ہو جگ میں
 نظر میرے دل کی پری دس کس پر
 آتش عشق جی جھلاتی ہو
 تو ہو اور سیر باغ ہو ہر وقت
 گریاغ میں خنداں وہ رالب شکر آوے
 قاصد سے کہو یہ خبر اودھر کو ہی لے جا
 کہنے میں یک دست تری تیغ چلے ہو
 گرچہ بنیرا ہو پر کچھ تو اُسے پیار بھی ہو
 دل بھلا ایسے کو لے قد نہ دے تیغ کیونکر
 تا ابد جوں قطرہ مجھ سے مانفعل
 غشا کی بیودہ رونے کو ڈبو تی ہو
 دم لینے کی فرصت بھل ٹک سی نڈی نے
 لبتی ہو فرخہ کا کام ابرو
 اس طرح جی میں مانس کھٹکے ہو
 رات دن کشتی ہی رہتی ہو گریباں کے ساتھ
 کلام توار کار رہتا ہو سدا سان کے ساتھ
 دیکھیے کس طرف پلٹتی ہو
 ہر گھڑی منہ سے جالیتی ہو
 زباں جب تک ہو تری گفتگو ہو
 میں بے صبر تر ہوں وہند خو ہو
 تری آرزو ہو اگر آرزو ہو
 ننھے اپنے روتے ہی آبرو ہو
 جدھر دیکھا ہوں وہی رو برو ہو
 یہ جہاں ہی پر آتی ہو
 داغ ہو اور سبز چھاتی ہو
 گل مانتواں سے منہ ڈھانپ کر آئے
 بھال بے خبری آگئی جب تک خبر آوے
 تب جانے جب تک دو قدم چل ادا آئے
 ساتھ انکار کے پرست میں کچھ اقرار بھی ہو
 ایک تو بار ہو اور سب طرح دار بھی ہو
 جس جگہ سجدہ کرے ٹھان نہ رہے
 گرا تک بجا ٹھیکے آسٹو نہیں موتی ہو
 ہم تجھ کو دکھا دیتے کچھ آہ بھی ہوتی ہو
 یہ تیرے نہ گو کمال سے
 سانس ہو یا کہ پھانس کھٹکے ہو

دل میں رہتے ہوا دماغ نکھول دیکھنا مقدور نہیں
 چاہیے دماغ جہاں جل جاوے اس شعلے کے سا
 نزع میں ہوں بہو ہی نالے کیے جاتا ہوں
 ہم تجھ سے کس ہوس کی فک جستجو کریں
 جب تک ہر ہستی ہمیں اسی اضطراب میں
 میں اور مجھ سے درد خریداری بستان
 وہ نگاہیں جو چار ہوتی ہیں
 بے وفائی پر اس کی دل مت جا
 نزع میں تو بول دے تیرا گلا کرتا نہیں
 عشوہ دنا زور شہر میں بھی جان بخش لیک
 فتنے جوں سایہ ہم تجھ بن ادھر ادھر بھٹکتے ہیں
 مانع نہیں ہم وہ بت خود کام کہیں ہو
 کیا فرق داغ و گل میں کہ جس گل میں نہ ہو
 جینے کے سوا کوئی بھی ایسا کام کرتا ہو
 مجلس میں بار ہوئے شمع چلے گو
 اپنے بندوں پہ جو کچھ چاہو سو بیدار کرو
 کبھی ہم نے نہ پایا امراں نے تند خو تجھ کو
 تنائیں مبدل حسرتوں سے ہوئیں دلیں
 رکھتی ہو میرے غنیمت دل میں وطن گرہ
 کیونکر یہ کار عشق گرہ در گرہ نہ ہو
 رہا ہو تو ہم کو بھی مری جان کے ساتھ

۲۳
 گھر سے دروازے تلک و توجہ دل دور نہیں
 درد ایسی سردا ہیں عشق میں منظور نہیں
 مرنے مرنے بھی ترے غم کو لیے جاتا ہوں
 دل ہی نہیں رہا ہر جو کچھ آرزو کریں
 جیوں مرنے آپھن سے ہیں محبت بیج و تاب میں
 ہر ایک دل باطن میں سو کس حساب میں
 برجیاں جی کے پار ہوتی ہیں
 ایسی باتیں ہزار ہوتی ہیں
 دل میں ہر وہ ہی وفا پر جی و فاکر تا نہیں
 درد مڑتا ہو کوئی اس کی نہ داکر تا نہیں
 جہاں جا ہیں قدم کھیں تو پہلے سر چلتے ہیں
 پر اس دل بے تاب کو آرام کہیں ہو
 کس کام کا وہ دل کہ جس دل میں تو نہ ہو
 کہ ہونا مود کا دشمن اور اپنی رو سیا ہی ہو
 لاویں اگر ہم اپنے دل داغ داغ کو
 پر نہ آجائے کیس جی میں کہ آزاد کرو
 نہ دیکھا ایک دم بھر آکھ لے خورد خند و خجھ کو
 رہی تو بھی نہ مٹنے کی ہمارے آندو تجھ کو
 تجھ سے نہ کھل سکے گی مبادیہ کٹھن گرہ
 بھال مل گرو کی مشکل ہر اور وہاں دہن گرہ
 جی ہر وہاں سے مراد یکھو ہر ایک آن کے ساتھ

سینے کو چاک صبح کے مانند اگر کروں
 اس درد غیر کا نہیں شکوہ مرے تئیں
 آنکھوں کی راہ ہر دم انجان ہی رواں ہو
 آہوں کی کشکش میں تک دیکھو نہ ٹوٹے
 میرے غبار کا کچھ پایا نشان نہ ہرگز
 آج نالوں نے مے زد ہوئی دل سوزی کی
 آرام سے کبھو بھی نہ اک یار سو گئے
 خواب عدم سے چونکے تھے ہم تیرے واسطے
 اٹھتی نہیں ہو خانہ زنجیر سے صدا
 ہو غلط گر گمان میں کچھ ہو
 دل بھی تیرے ہی ڈھنگ لکھا ہو
 بگھلا دل اثر نہ مے محل پر کبھی
 چاہو وہ فاکرو نہ کرو اختیار ہو
 سیلاب شک گرم نے اعصابے تباہ
 نہ وہ نالوں کی سوزش ہو نہ آہوں کی ہودہ ڈھونی
 گلِ رُخاں کا بحرِ ویریں جو ہو سود ہوش ہو
 مرا تو جی وہیں رہتا ہست جہاں تو ہو
 جھاتی ہے گر پہاڑ بھی ہوئے تو ٹل سکے
 جان تو اک جہان رکھتا ہو
 نالہ جاں خراش مست کرنا
 اک خلق سیہ مست نے بے خبری ہو

جیوں آفتاب نکلے مراد لکنا سے
 جو کچھ گلہ ہو مجھ کو سوا اپنے ہی یار سے
 جو کچھ ہو میر دل میں نہ پر سر عیاں ہو
 - انفس سے دل وابستہ میری جان ہو
 صحرائیں جا صبا نے ہر چند خاک چھانی
 زخمِ دل جھنسنے تھے یہاں سب کی جگر دوزی کی
 ایسے ہمارے طالع بیدار سو گئے
 آخر کو جاگ جاگ کے لاچار سو گئے
 دیکھو تو کیا سبھی بے گرفتار سو گئے
 تجھ سوا بھی جہاں میں کچھ ہو
 آن میں کچھ ہو آن میں کچھ ہو
 ہر چند پڑتے روتے ہیں نالے بہا دیے
 خطے جو اپنے جی میں تھے وہ لٹھیا دیے
 لے درد کچھ بہا دیے اور کچھ چلا دیے
 ہوا کیا درد کو پیائے گلی کیوں آج ہو سونی
 ہم نے دنیا میں بھی دکھا بلبلوں کا جوش ہو
 اگر چہ ہیں یہ نہیں جانتا کساں تو ہو
 شکل ہو جی میں بیٹھے سو جی سے نکل سکے
 کوئی میری سی جان رکھتا ہو
 بلبلو گل بھی کان رکھتا ہو
 کس زلف کے کوچے میں نسیم سحری ہو

دشام دے ہو غیر کو تو جان کر مجھے
ظالم سمجھ کے اپنی نظر پھینکیو کہیں
نہ مرتے ہیں نہ فید آئی نہ وہ مورت بستی ہو
دند اپنے حال سے تجھے اسکا ہ کیا کرے
دل دے چکا ہوں اس بت کا فرکے ہاتھ میں
سر سبز تھانیاں میرے ہی اشک غم سے
اذیت کوئی تیرے غم کی میرے جی سے جاتی ہو
کب تراد پوانے آوے قید میں تدبیر سے
اس کو سکھلائی یہ جفا تو نے
دیکھ کر نبض طلیب آج یہی کہہ کے اٹھا
یار مرا شکوہ ہی بھلات کیجئے اُس سے
جیوں جیوں وہ کئے ہو تو یہی کاف ہے دل میں
ہم کہتے نہ تھے دردیاں جوڑ یہ باتیں
گو نام عاشقی ترے نزدیک تنگ ہو
کرتا ہو اس قدر تو خفا درد کو عبث
نہ ہاتھ اٹھاوے فلک گو ہائے کینے سے
نہیں خیال نہ تھے خاتم سلیمان کا
بسان دانہ انگورے پرستوں نے
بسا ہو کون ترے دل میں گل بدن لے درد
آہستہ گزریو تو صبا کوے یار سے
اُس سنگدل کی وعدہ خلانی کو دیکھئے

پیارے یہ لطف کیجئے پہچان کر نہ تھے
گزار جدھر یہ تیر تو پھر وار بار ہو
یہ جیتے جاگتے ہم پر قیامت عاشب گزرتی ہو
جو سانس بھی نہ لے سکے سو آہ کیا کرے
اب میرے حق میں دیکھئے اللہ کیا کرے
تھے سیکڑوں ہی نالے وابستہ ایک دم سے
کبھو تک جی کیا خالی تو پھر جھپاتی بھراتی ہو
جیوں مدد نکلا ہی جاوے خانہ زنجیر سے
کیا کیا اسے مری و فنا تو نے
مر گئے ہائے اسی درد سے بیمار کئی
مذکور کسی طرح تو جا کیجئے اُس سے
پھر چھڑیے اور باتیں بنا کیجئے اُس سے
پائی نہ سزا اور وفا کیجئے اُس سے
کرئیے نہ قتل ہم کو تو پھر کیا درنگ ہو
ظالم وہ اپنی جان سے آپ ہی بہ تنگ ہو
کے دماغ کہ ہو دو بدو کینے سے
برنگ نام ہوں برکنہ دل بگینے سے
لیا ہو فیض مرے دل کے آگینے سے
کہ بو گلاب کی آئی ترے پسینے سے
بیجوش نہ کیجیو مرے ہر گز غبار سے
پتھر لگئی ہیں آنکھیں مری انتظار سے

خواب میں رات خیالِ رُخِ دلہ ار کیا
 کیا کرے میری وہ خوب بھتا ہو طیب
 جنوں کا ہو گریباں کو دستِ کا رنیا
 ہو نہت انھیں خیالِ مرے امتحان کا
 کیوں نہ ہو دل اور جگر دل جو تپے پکیاں کا
 گلہ کم سختی تا نہ کرے کشتہ ناز
 ۱۲۶ منہ پہ آنسو کو چھڑک چشم نے بیدار کیا
 کہ تری چشم کا بیدار نہیں جینے کا
 نت اٹکے توڑ رہے ہر دو چار تار نیا
 عشقِ تباہ کمال ہو کہ سودا ہو جان کا
 دیکھا ہی کرتے ہیں منہ اہلِ کرم مہمان کا
 ایک شام سے تو کارسیا کا کرنا

اضطرابِ ہجر میرے دل پہ زور آور پڑا
 زلفوں سے اہل دل سے کب تک نہ ساز ہوتا
 بزمِ ہوسِ صفت میں حاصل نہ ہوا کچھ
 ہمیں نے ایک تری زلف کو نہیں چھیڑا
 جو امتحانِ جہا میں نکل گیا یہ دل
 اب تک میں غیث اور کس ڈھونڈ رہا تھا
 پہنچے پائے نہ عارضِ تلکس یار کے ہات
 سلنے تیرے تو لائی ہو مجھے تقدیر کھینچ
 چھوڑتے ہیں بار بار اگر نصیحت کر مجھے
 جو تیغ کھینچی ہو قاتل تو درگزر مت کر
 دلِ بیار کو چھوڑا نہ قضا نے آخر
 ملے ہاتھوں میں سے اپنے لہو کو ظالم
 دل نہ کہتے تھے شبِ ہجر میں بھیڑ ہو
 شکوہ احسانِ قضا تیر کی زہ سے چھوٹ کر
 فتح کا ناقوس بجوایا فغانِ واہ سے

پڑے ہیں اسی دل کے مرا یار حبیب تھا
 زلف نے باندھ لیے اپنے گنہگار کے ہات
 قاتل اب ترکش سے اپنے تو بھی کوئی تیر کھینچ
 مار بیٹھوں گا کسی دن پاؤں کی زنجیر کھینچ
 مرے گناہ نہ کرنے پہ تو نظر مت کر
 نہ کیا سودِ طبیعوں کی دوائے آخر
 خونِ ثابت ہی کیا توجہ جتنا نے آخر
 دل کی صبح دکھائی نہ خدا نے آخر
 جا لگا اغلیہ کے دل سے ہمارے بھوٹ کر
 ان بتوں نے کعبہ دل کو ہمارے لوٹ کر

جب کہ پہلے سے یار اٹھتا ہو ۱۲۶ درد بے اختیار اٹھتا ہو

رباعیات

لے درد یہ درد جی سے کھونا معلوم جیوں لالہ جگر سے داغ دھونا معلوم
مگلز لڑ جہاں ہزار بھولے لیکن میرے دل کا شگفتہ ہونا معلوم

لے درد بہت تو نے ستا یا مجھ کو بے درد بہت تو نے ستا یا مجھ کو
اک جاں جو رکھتا تھا سو کرتا ہوں شمار لے درد بہت تو نے ستا یا مجھ کو

تیرے لیے درد کی کسی سے نہ بنی بہتیروں نے چاہا یہ سبھی سے نہ بنی
یہ خانہ خراب رفتہ رفتہ آخر ایسا بگڑا کہ اپنے جی سے نہ بنی

لے درد بہت کیا پر کیا ہم نے دیکھا عجیب اس جہاں کا کیا ہم نے
بنائی یہ تھی تو دیکھتے تھے سب کچھ جب نکمہ کھلی تو کچھ نہ دیکھا ہم نے

کو بچے میں تھے جب ان کو بیٹھ گئے اتنا روئے کہ جنم تر بیٹھ گئے
جس سمت کو پھر نظر اٹھا کر دیکھا مانند جباب گھر کے گھر بیٹھ گئے

محمد عابد متخلص بدول برآمد کلاں محمد روشن خوش شمش مولود و موطش عظیم آباد۔
دہ تہوڑی و جرات بیکانہ عہود نہ کہہ سکی وقابلیت خلاصہ دہر از چندے شغل طبابت
معون می باشد۔ دیوانش ہزار بیت دیدہ شد۔ این چند شعر از خلاصہ کلام او کہ تاثیر بہ
دل و جان می کند یہ تحریر می آید۔

گر یار نے آنے کا وعدہ نہ کیا ہوتا اب تک دل مضطرب کیا کیا نہ کیا ہوتا

۹۲
دہ نکلے نہ مچھے پہ بہر تسلی

دہ اپنی جفاکاری افسانہ زاد ادا کرنے

تھامے درد پہ جو دریاں نے آستیں کپڑی

جس گھڑی رخصت ہم اپنے یار سے بھونے لگے

لے دو دو آہ کیو اس ابر بہار سے

دل میں ہوائے عشق کا جو درد ہو سو ہو

قاتل ٹٹولتا ہو عیث لاش کو مری

مجھے تو حکیم ضبطِ نالہ و فریاد ہوتا ہو

مکھالیں حسرتِ دل اپنے دیدہ گریاں

اگر تیغِ جفا سے یار سے پھال جی چھا دیں گے

جو تک فرمت طے نہ اتوانی سے تو لے کر دو

اس دل کے پار کس کی نگہ کا خدنگ ہو

شاہِ دانا۔ امش شیخ فضل علی از معقدان شاہ برہان الدین واز شاگردان

مضمون دہنوی ست۔ در نیولاب لباس فقر و ارستگی در جگالہ بسری برد۔ گفتار۔ بیشتر

بطرز ایہام است۔ اور است

اب ہم کنار ہونے کی کب ہو مجھے امید

تھاری تیغ گو یا اس کے حق میں ابر مدت ہو

تجہ انتظار میں پیائے مثالِ آئینہ

جس وقت وہ کرے ہو زلفوں کو اپنی شانہ

دل میں ہر ایک کے سودا ہو خسریاری کا

نہ چائے خون کو جس روز میرے اس کو بقاء ہو

۹۲
تک ایک حلقہ مدہلا دیکھیے تو

جو ہم پہ گزرتی ہو سوس کی بلا جانے

بزرگ نقش قدم ہم نے بھی زمیں کپڑی

وہ اُدھر رونے لگا اُدھر ہم اُدھر رونے لگے

تو جو سیاہ ست مروں میں غمار سے

چہرے کا میرے رنگ ہی زرد ہو سو ہو

حسرت کا مجھ میں وہ جو دم سو ہو سو ہو

ہر اس بیتاب لکے حق میں کیا اوشاہ ہوتا ہو

کوئی دم اور اگر تیغ یار فرمت دے

قیامت میں دفا کو ہم نہ اپنا کیا دکھا دیں گے

مجھے بھی آہ و نالے کا تماشا ہم دکھا دیں گے

آتش کو دیکھتا ہوں تو لوہے کے رنگ ہو

شاہِ دانا۔ امش شیخ فضل علی از معقدان شاہ برہان الدین واز شاگردان

مضمون دہنوی ست۔ در نیولاب لباس فقر و ارستگی در جگالہ بسری برد۔ گفتار۔ بیشتر

بطرز ایہام است۔ اور است

اب ہم کنار ہونے کی کب ہو مجھے امید

تھاری تیغ گو یا اس کے حق میں ابر مدت ہو

تجہ انتظار میں پیائے مثالِ آئینہ

جس وقت وہ کرے ہو زلفوں کو اپنی شانہ

دل میں ہر ایک کے سودا ہو خسریاری کا

نہ چائے خون کو جس روز میرے اس کو بقاء ہو

خنجر گر ترا ہی کبھی آگے لگے

شہیدوں میں تو اسے سبز و آنا کھیت میں آگے

تمام عمر ایک سے کبھو ایک نہ لگی

اُس آن کیوں نہ میری چھاتی پہ پناہ پھر جا

یوسف مصر گر تو ہی ہو اسے یار عزیز

رگ گردن سے سیری اُس کے خنجر کو علاقہ ہو

۱۲۸
 کچھ اٹھا کل گریبانِ قاتل نے میرا آکر
 دل تو میں مے چکا ہوں تجھے بلکہ جان تک
 تیری زلفوں میں بھسا دل سے یہ تقصیر ہوئی
 زلف سلجھا فی صنم آسان ہو
 دل تو جلتا ہو مرے سینے میں پر جانے کون
 تو نے بدست کو میرے تو اٹھایا لے دل
 دل مضطرب کرے درد و غم ناحق جدائی میں
 دکھاتا ہو جو اپنی کانٹھ میں یہ نقد حیرت کا
 توقع اور تو کیا ہو مگر سنگ بھالے دل
 گو دل بھی دیں پڑاؤں سے نہ بوسطہ طلب کریں
 رچا ہو اس قنداب انتظار آنکھوں میں
 سُن خریدار بول ہنستے ہیں
 شرمندہ ہوا آخر میرے دل پر غم سے
 لے ابرہم تو وہ ہیں اگر چشمِ غم کریں
 ندیکہ اُس طرف وہ ظالم بادل دیکھتا ہی ہو
 اگر محض کریں فریاد کے خوں کا تولدِ مہم
 نے ناوک کا ترے گشتہ احسان نہ ہو
 دُلوں کس واسطے میں آفتابِ روزِ محشر سے
 غیر کو شربتِ لطف ادا مجھے زہرِ نگاہ
 مری خاکِ ملکِ آپ آدیکھیے تو
 ہماری وفا ہو اور اُس کی جفا ہو
 منت نے جی چھڑایا بارے خدا خدا کر
 دیکھیں تو اب کرے ہی جفا تو کہاں تک
 نقدِ جاں لیجیے حاضر ہو گنہگارِ سی دل
 کھولنا دل کی گرہ کا ہو کٹھن
 درد مندوں کو ترے عشق کے پہچانے کون
 نام سے توڑے گا اب شیشہ و پیانے کون
 یہی انصاف کیلے خدا تیری خدائی میں
 مگر یا ہو آئینے نے اُس کی رونمائی میں
 سو تبصرہ بھی نہ ہاتھ آیا بتوں کی آشنائی میں
 یہ ہم سے ہو سکے ہو کہ ترکِ ادب کریں
 گئے ہو آنکھ تو بھرتا ہو بار آنکھوں میں
 دل بھی کیا ان دلوں میں کہتے ہیں
 منہ ڈال کے جب دکھا غنچے نے گریباں میں
 طوفانِ نوح سے نہ ہوا ہو سو ہم کریں
 دل اپنی جان کا دشمن تو مستِ خواہی نہ خواہی ہو
 کہ میرے دلِ غم کی مہر سے اُس پر گواہی ہو
 جب تک سینہ عشاقِ زیستہ ان نہ ہو
 مرے بھاؤں قیامت آجکی دکھا جی اُس کو
 آہ مارا کہے اور تو نے حبلا پا کس کو
 ذرا دامن اپنا لٹا دیکھیے تو
 اب آپس میں ہوتا ہو کیا دیکھے تو

دو دن ہیں کہاں کہ خوش معاشی کیجیے باہمی
دے بار کہاں کہ یار باشی کیجیے
اک گوشے میں بیٹھ کر دوانے تنہا اب ناخنِ غم سوں دل خراشی کیجیے
داؤد بیگ از موزن ابنِ عہد محمد شاہ غفران پناہ تخلص او داؤد ابنِ بیت

از دست

زلفِ دلبر سے مجھ کو سودا ہے لوگ کہتے ہیں تجھ کو سودا ہے
شاہ فتح محمد تخلص بہ دلِ معاصر نجم الدین آبرو از فرزندان شاہ ابو الفوت

از دست

کیا نکلی تیز زد کھیں ہیں مڑکھان یار کی ہم نے مٹیاں بھی نہیں دکھیں کیں سار کی
درخشاں ہوشِ نکلویگ - از مٹے مقیم فیض آباد بود و ہما بخار حلت نمود۔

از دست

یاراں و دایعِ عمر کو بجز کی رات ہے مانند شمع میری محسوس کو دنات ہے
حرف الذال

ذہین - اسٹش میرستعد از دستان میر محمد تقی بود - از دست

باتیں ہماری رات انھوں نے نہ جانیاں کیا کیا باتوں کے جی میں رہیں بد گمانیاں
ذاکر اسٹش میر حسین دوست ابن میر علی دوست - وطن مراد آباد سنبھل -
چند سال در شاہجہان آباد میر منظور مدین خسرو لور بات ہے اقام مرزا محمد رفیع خساں و
بدیع الزماں خاں بود - مرد ظریف و شعر فہم خوب - در صرف و نحو ہم فی اعجاز مہارت

داشت بہ ندرت کافا ہے شعرے می گفت - از دست

جو چاہو سو کو مختار ہو عدد کو دے حسین دوست کے دشمن کے تئیں نزدیکو

کرم اللہ خاں درویشیو زادہ نواب میر خاں۔ مرد خجاعت و زبان آدر بود۔
در معرکہ مرہٹہ ہمراہ میر علی اصغر کبری داد خجاعت داد و بروضہ نعیم شرافت۔
کلامش الم انگیز است۔

سنانے ہوتے ہی پھر نفس نہ بائی دل کی
اگر وہ بت کسی صورت سے میرا رام ہو جائے
میرے سینے میں ہر کہ سانس ہر کہ سانس کھلے ہر
ادب ضرور ہر اس خاک آستانے کا
بٹ گیا لوگ سناں پھٹ میرنگان کے بیچ
تو پوچوں اس عقیدت سے کہ کھرا سلام ہو جائے
خلش دل کی نکل جائے تو کیا آرام ہو جائے
تو پھیرو ایسا تو بسل کہ بال و پر نہ لگیں
کھارے سے کتا رکب کا ہر کھرا یار و
درد مند۔ ہنس نقیہ۔ ولدا آبائش و کھن۔ و خود دروہلی نشو و نما و تربیت
از مرزا مظہر جان یافت۔ حسب اطلب نواب شہامت جگہ ازدہلی مرشد آباد آمد۔
بازندہ بود از مسلکای نواب مسطہ بود سانی نامہ رختہ اوز بان ددانام است و
سیاہے آن شعرے ندیدہ شد۔ مگر این رباعی کہ بہ تخریر می آید۔

رباعی

کُسا میں جاگرا ہر ناحق کے تئیں
نکھر کوئی پہاڑ سے لیتا ہر
دوست۔ نامش غلام محمد۔ طوفش بہار۔ مرد عاشق مزاج است۔ اور است
کافر و جن کے دل میں تری آرزو نہ ہو
منم جو ریکہ خجہ کی کہ ہر دور آنکھوں سے
دیوانہ۔ ہنس سرب سکھ راے۔ از اقرباے راجہ ہما ز این بفر فارسی
می گوید۔ بعضے رختہ گویان لکھنؤ شاگردا ویند۔ گاہے فکر رختہ می نماید۔ اور است
طلب کہ نہیری تیغ کے گائے سے ٹل نہ جائے
رستم کا کیا جگر ہر جو زہرا بگھل نہ جائے

بچھ کے کچھ جن میں خرام لے گل رو
 مر گئے شب فراق سے لے آفتاب صبح
 صفحہ جاں پہ جو نقش رخ قاتل کھینچا
 گر بے حجاب ہو کے ہیں منہ دکھائے دوست
 مے ہے جن ہے ابرہہ مینا ہے جام ہے
 خوشبو کی بٹیس لٹی ہے لے رتد اب نسیم
 شب بجرال میں تیری نیند آئے کس طرح مجھ کو
 گر خوش آئی ہے تجھے جلنے میں پڑنے کی طرح
 چھاپا ہلک میں لے میلا اس کو ڈھونڈوں کہ
 جانے سے کھڑے پہ تیرے یوں کبھی جاتی ہے زلف
 لے رتد نے کی طرح سے شور و فغاں کے نتیج
 آستیں اکھوں پہ یا دل پہ رکھوں اپنے اتمہ
 گر نہ بیٹا شراب ص لڑکیوں
 غم خوری کا جبستی آیا ہیں پیغام غم
 توڑتے ہیں اس لیے سر اس کا لے پستہ دہن
 نہ مہر ہے نہ مروت نہ کچھ وفا ہے یہاں
 تری لگی سے جواٹھا ہے ہر گھڑی شعلہ
 ہر آن اس کو دیکھوں میں ناز و عتاب میں
 گرچہ جیوں سایہ میں پامال ہوا جاتا ہوں
 تھا کل جو ساتھ غیر کے تولاہ زار میں
 یہ دن فراق کے ہے جی میں یوں تمام کریں

ہر تیرے پاؤں تلے فرش دل ہزاروں کا
 لے آفتاب صبح اٹھلا لے نقاب صبح
 جان سے اتمہ گرتو نہ اب لے دل کھینچا
 مرجائے بلاستی لے کر بلاے دوست
 لیکن ہزار حیف کہ خالی ہو جائے دوست
 شاید کسی نے کھولا ہے بند قباے دوست
 لگا کر آنکھ تجھ سے کوئی سو سکتا ہے کیا قدرت
 دل بھی میرا جانتا ہے خوب جل جانے کی طرح
 کہ آدمی رات اُدھر رات اُدھی رات اُدھر
 جس طرح سوچ کے منہ پر کئے بھٹ جاتا ہے ابر
 جب تک کہ تیرے دم میں جو دم تو کمی نہ کر
 ایک مہریت میں کار دو جاں ہے دہیش
 کھینچتا ہجر کا خار یہ دل
 دل ہوا بے تاب تب سے اور کیا آرام دم
 ہمسری کا لے ہے تجھ چشم سے بادام دم
 نہ جانے کیا ہے سبب دل جو مبتلا ہے یہاں
 نہ جانوں کون سے عاشق کا دل چلا ہے یہاں
 لے دل پھنسا یا تو نے مجھے کس عذاب میں
 تو بھی قدموں سے ترے پاؤں لگا جاتا ہوں
 سن کر لگی ہے آگ دل داغ دار میں
 سحر سے باد میں تیری جو روئیں شام کریں

حرف الزاء

رہنمہ۔ آتش میر ہزہ علی۔ ترک علائق دنیوی نمودہ در مرشد آباد چندے
 سو یا بر بنہ می گشت و اشعار خودی خواندوی گرسیت۔ الحال کہ ۱۹۴۴ء یک ہزار
 و یکصد و نو دو چار است در عظیم آباد بوارستگی تمام بلا تعین مکان زندگانی می کند۔
 پہلوان معرکہ سخنور سیت۔ اکثر اشعارش در کمال لطافت واقع شدہ اند۔ از لطیف
 ترین آہناست۔

دل مرا شوخ شنگار سے اب یار ہوا	آپ سے جا کے بلا بیچ گرفتار ہوا
سینے سے داغ عشق مٹایا نہ جائے گا	ہم سے تو یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا
تنہا وہ شوخ رات کو آوے گا تو سہی	پرہم سے گھر میں چاند چھایا نہ جائے گا
تسے بن دیکھے لے ظالم ذرا میں جی نہیں سکتا	اے جینار با یک طرف میں مر بھی نہیں سکتا
ترے لعل جان بخش کو ہم نے بتلا	کیا آب حیا کو پانی سا بتلا
اٹھا جانا ہر جی میرا تو لے جاں زندگانی سے	نہ کر تو پاس میرے بیٹھ کر مذکور اٹھنے کا
مجھے لے زندہ وہ بال کرنا ہو کہاں بھاگول	نہیں جیوں نقش پا میرے تئیں مقدور اٹھنے کا
پھر اُسے ہم نے چشم تر دیکھا	تیرے تئیں جس نے یک نظر دیکھا
چشم بد دور آج لے مردم	یار کو ہم نے بھر نظر دیکھا
قطرہ گرا جو منہ میں مے خوش گوار کا	دُشنام یاد آیا مجھے اپنے یار کا
قمریاں بولیں جن میں تری رفتار کو دیکھ	اب تک سرو خزاں نہ ہوا تھا سو ہوا
یوں ذریب میں ہیں تسے منہ پہ داغ چپکے	ہر گرد چاند کے گویا، ہجوم تاروں کا

لے دو ذوں نسوں میں یوں ہچکھا ہے۔ ردیف تہم میں میر مدائنہ والہ (۹) میر ہزہ علی اند۔

اگر جن میں تو زگر کے پاس جا بیٹھے وہ شوخ دیدہ وہیں انکھڑیاں لڑا بیٹھے
 مجھے تو کم سخنیتی یا رقتیں کیا پہ لاکھوں جی اٹھیں گریک زباں بلا بیٹھے
 وہ دن گئے کہ نہ اٹھتا تھا میری صحبت سے زانہ اور ہوا اب تیری بلا بیٹھے
 دم تنہوں میں میرے نفس باز پس ہو چپ نالے کہ دم مارنے کی بات نہیں ہو
 آنکھوں میں غیر سے نہ اشارات کیجیے مانع ہو کون شوق رستی بات کیجیے
 اس چشم اشک بار سے اتنی تو ہر امید بل مارنے میں موسم برسات کیجیے
 بے پرواں ہی رہنے کا خیال اپنا ہو سو رکی طرح پردہ بال و بال اپنا ہو

رباعی

اب تم سے کیوں جو کچھ ہی میرے دل میں سب تم سے کون جو کچھ ہی میرے دل میں
 پہلے کہہ لو کہ ہم نہ مانیں گے بُرا تب تم سے کون جو کچھ ہی میرے دل میں
 محمد جعفر خاں راغب دہلوی، برادر زادہ نواب لطف اللہ خاں صادق
 تقرب بزرگان ایشان نزد سلاطین ہند مشہور۔ از مدتی خان مذکور در عظیم آباد مقیم گردیدہ
 شعر فارسی در سختہ ہر دوی گوید۔ این ابیات در سختہ اور است

بہتوں کے دل جاں کا تجھ سے تو زباں ہوگا لڑکے تو غضب ہوگا جس وقت جواں ہوگا
 راغب کو کوئی دھونڈے کو بچ میں نہ اُس کے وہ سوختہ دل یاد دشا ید کہ وہاں ہوگا
 تجھ میں یثرب لے یا زبٹ ہم پہ کر دی ہو ہر اس کی گھڑی روز قیامت سے بڑی ہو
 رفعت۔ اش شیخ محمد رفیع۔ موطنش الہ آباد و مسکنش عظیم آباد۔ چندے
 رفیق نواب عالی جاہ بود۔ از مدتی بخندست مالی آن صوبہ قرین اعتبار ہی گزرا نہ -

گاہ شعر سختہ ہی گوید۔ اور است

الہی داد رسی قتل کی اٹھا دینا کہ بودہ حشر میں قاتل کو خوں بہا دینا
 کیا جگر ہی جو تھے وہ پہ فعال کرتے ہیں ہم تو آہستہ قدم رکھتے ہوئے ڈرتے ہیں

شب فرقت میں تیری نالو زاری ہر اور میں ہوں
 جھکتی ایک بل نہیں آنکھ بیداری ہر اور میں ہوں
 مجھے ہر دم میں ہم جہت کٹھن غلوار ہر اور میں ہوں
 کیا کروں گا یاد ساقی تیرے مینا کے تئیں
 پوچھوں ہوں ہر چہ جاکے کبریت خانے کے تئیں
 منہ میں اگر نہاے چوں غنچہ سوزباں ہو
 گو تیرے دل میں میری طرف سے غبار ہو
 کہ میری آنکھوں کے آگے تم اس کا دیدار کرو
 ہوا کیا مجھ سستی ایسا گناہ لے بدگماں بچ کہہ
 چشم بڑوں سامری تو بھی کہاں ہر شیشہ
 چراغ زندگی کوئی بل میں اب خاموش ہوتا ہو
 گھٹل گھٹل دل خانہ خراب ٹپکے ہر
 میں آپ میں نہیں ہوں اور اُس کو گماں کہہ
 نالے کی مت رکھ تو قلع لب لب تھویر سے
 تیری نگاہ پیار کی پیارے ہر بس مجھے
 زاری سے اپنی بارے رکھا ہر ہم نے روکے
 آنسو کے عوض چشم میں خون جگر آوے
 جرم آنکھوں سے ہوا ہر یہ تو بے تقصیر ہر
 شیشہ دل چور ہوگا بیش پا افتادہ ہر
 ہر نقد جاں جو باقی ہے آویں منہ دکھائی
 نہ اٹھتے آہ کے شعلے جگر سے
 نشے سے گردن دھلک گئی زگس پیار کی

شب فرقت میں تیری نالو زاری ہر اور میں ہوں
 جھکتی ایک بل نہیں آنکھ بیداری ہر اور میں ہوں
 مجھے ہر دم میں ہم جہت کٹھن غلوار ہر اور میں ہوں
 کیا کروں گا یاد ساقی تیرے مینا کے تئیں
 پوچھوں ہوں ہر چہ جاکے کبریت خانے کے تئیں
 منہ میں اگر نہاے چوں غنچہ سوزباں ہو
 گو تیرے دل میں میری طرف سے غبار ہو
 کہ میری آنکھوں کے آگے تم اس کا دیدار کرو
 ہوا کیا مجھ سستی ایسا گناہ لے بدگماں بچ کہہ
 چشم بڑوں سامری تو بھی کہاں ہر شیشہ
 چراغ زندگی کوئی بل میں اب خاموش ہوتا ہو
 گھٹل گھٹل دل خانہ خراب ٹپکے ہر
 میں آپ میں نہیں ہوں اور اُس کو گماں کہہ
 نالے کی مت رکھ تو قلع لب لب تھویر سے
 تیری نگاہ پیار کی پیارے ہر بس مجھے
 زاری سے اپنی بارے رکھا ہر ہم نے روکے
 آنسو کے عوض چشم میں خون جگر آوے
 جرم آنکھوں سے ہوا ہر یہ تو بے تقصیر ہر
 شیشہ دل چور ہوگا بیش پا افتادہ ہر
 ہر نقد جاں جو باقی ہے آویں منہ دکھائی
 نہ اٹھتے آہ کے شعلے جگر سے
 نشے سے گردن دھلک گئی زگس پیار کی

ابر ترے چشم گریاں کم نہیں موج دریا ہر شکنج آستین
 کام عاشقوں کا کچھ تجھے منظور ہی نہیں کہنے کی ہر یہ بات کہ مقدور ہی نہیں
 بچوں ہوں میں اس پاس یہ دل نیم نگہ کو اس پر بھی ستم ہو جو خریدار نہ ہو دے
 رخشاں - اسٹخ محمد چاند مشہور است کہ در زمان احمد شاہ برز عفران
 نامے فریقہ شدہ بیمار و ضعیف بزرگ زرد و دم سردی بود - اور است

یہ دل تب سحر میں تیرے جایا ہر مراک عمر جب لو ہو پیا ہر
 رضا عظیم آبادی - اسٹخ میر محمد رضا ابن میر جمال الدین حسن، از اقربائے
 میر حبیب اللہ مرحوم - نوشق سخن است - از دوست
 کبھو خنای طرح ہاتھ بھی نہ لال کیا عبت لہو مرا قاتل نے پائمال کیا
 اب جاتے ہو میر رضا اس کی نگلی میں ڈرتا ہوں پھر آنا تمہیں دشوار نہ ہوے
 رضا دریافت نشد کہ کجائی است - شعرش برجستہ است
 اکٹم تو رضا کے پاس تو بیٹھ آج وہ اس جہاں سے اٹھتا ہر

زنگین کشمیری در دلی مقیم و شاگرد مرزا رفیع سودا بود
 مدت ہوئی ہم اس میں کچھ کبھی اثر نہ پایا اس واسطے دعا سے آخر کو ہاتھ اٹھایا
 رشید تخلص از تلامذہ ملا نظام الدین مرحوم - ساکن لکھنؤ بود - در سن
 شباب کشتہ شد - در علم منطق و حکمت طبع بسیار رسا داشت - گاہے زخمی می گفت - از دوست
 نقش یا اس کا زمیں پر جب دیکھا ہر رشید ورد ہو تب اسے یا لبتنی گنت تراب
 لام تعلیق کا ہر اس بت خوش خطا کی زلف ہم تو کافر ہوں اگر بندے نہ ہوں اس لام کے
 رستم تخلص رستم علی خاں مشہور بہ نواب بہادر ابن نواب اشرف خاں ابن
 نواب مصلم الدولہ خان دوران مرحوم عظمت و شان در دودمان محتاج با ظہار
 نیست خلاصہ خان موصوف مع برادر خرد رفیق والا شان سعادت علی خان بہادر اند

رسوا۔ ہاشم متاب راسے در عہد سلطنت محمد شاہ غفران پناہ بسبب عشق
جوانے از لبت و مشرب گزشت و کارش بہ رسوائی کشید۔ ساعتے بے شرب خمر بنی ماند
و در کوچہ و بازار سوارہ می گشت۔ راقم دے را بار بار بہ این صورت در دہلی دید گشت
حالتے دارد۔ از دوست

مراگر پاس ہوتا دل تو غم کھانے کے کام آتا
مغل ملک جہلم کی خاطر کھانا تم نے رسوا کو
ہے اس یو اپنے دل نے کام کیا۔ بجا کیا
قفس سے دوں گئے ہیم اور جن میں جالے نہیں
گو زخم دل مرے کا نہ سیوے مر امیاں
آرام تو کہاں کہ ملک سو کے چپے ہوں
کوئی جا نہیں زمیں میں کہ آنسو سے نم نہیں
وصل میں بے خود ہے اور ہجر میں بے تاب ہے
رسوا اگر نہ کرنا تھا عالم میں یوں نہ تھے

رسائی۔ ہاشم معلوم شدہ و احوال شریفہ اور راست

اُس زلفت میں ہیں بند غریبوں کی بہت دل
لیتے ہو تو اب دل کو رسائی کے ویکن
لے شانے خبردار کہیں تار نہ ٹوٹے
شیشے سے بھی نازک ہو مے یار نہ ٹوٹے
راقم۔ ہاشم بند را بن مرطیطن شاہ جان آباد و شاگرد تقی میر است۔

اشعار در نہایت روانی بہ بحر بر می آمد۔ از دوست

دل مر زلفت کے پیچوں میں نہ الجھنا نہ کھلا
سنتے ہیں ہم کہ ہوتی ہو جگ میں دوام صبح
جیت یہ عقدہ بھی شانے سے نہ سلجھنا نہ کھلا
ہوگی کبھی لے چرخ ہمارا بھی شام صبح
اُجڑا دیتے ہیں اُٹھ کی بات ہنس کر
کے کیا درد دل مہل نگوں سے

چکھتے دانت دیکھے پردے زنجیں جانے میں جڑی ہیں قطبیاں الماس کی بنلم کے خانے میں
 عشق میں مہر و فداغت گرچہ کچھ مشکل نہیں ایک اُن کو ہے کہ جن کو دل ہو میر دل نہیں
 لے گل و بل ہمارا آئی ہے کہک دل کھول لو چار دن صحبت غنیمت جان کر بنس بول لو
 عشق کے سوئے میں حاجت اور فدا میں کی نہیں دل جگر گزشتہ ہمارا ہے اسی کو اول لو
 بعدِ مرگ کوہ کن شیریں اگر جیتی رہے دیکھ کر یہ جوے شیر اپنا الہو جیتی رہے
 عشق میں بلبل کو کیا نسبت ہے پروانے کے سا وصل سے مر جاوے وہ یہ بحر میں جیتی رہے
 چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کرنا رفو - اقیامت سوزن تدبیر اگر جیتی رہے

مغل بیگ زار - از دوستان تقی میر است - وے است

مشہور تھے جو نالے میرے گلی میں اُس کی کوئی اور بھی چور دیا سمجھا کہ زار ہو گا
 زار - امش میر منظر علی - شاگرد مولوی شاہ حفیظ اللہ و متوسل لواب مرزا
 علی خان بہ صفت ہے نیکو موصوف و در کھنڈو مقیم است - اور است

نیز تیرے ہوتے آتی ہو محال بار تو چاہے تو سو، بیٹھے ہیں ہم
 چھوٹ جاویں غم سے ہر دم کے جو پکھلے دم کہیں خاک ہے یہ زندگی جو تم کہیں اہم کہیں
 ایک دن آگے ہی دنیا سے اٹھانا مجھ کو شبِ فرقت کو الہی نہ دکھانا مجھ کو

حرف السین

سودا - امش مرزا محمد رفیع، مولد و مولش دارا الخلفہ دہلی - انجو بہ زمان
 دوسر خیل زخمہ گویاں ہندوستان بودہ - در جمع فنون نظم خاصہ و قصائد وقت بسیار
 بکار بردہ ہر زبان نکتہ سنجان یہ سلم الثبوتی مشہور، و اشعار لطافت شعارش در چاروق
 معانی مستند الیہ جمہور - الحی مرتبہ زخمہ گوئی را بجائے رسانیدہ کہ شاہ باز بلند پوڈ

دور بنارس رحل اقامت انداختہ اند۔ اقم را یک مرتبہ اتفاق ملاقات ہر دو صاحبان
شدہ۔ الحی کہ متصف بصفات حمیدہ اند۔ از اشعار نواب بہادر است۔

شریک حال میرا غم ہو میرا وہی ہوس وہی ہدم ہو میرا
کمال ابرو کے ہوتا ہو مقابل بڑا جانناز دل رستم ہو میرا
نہ ہمیں دیں کی تنہا ہو نہ دنیا سے کام تو میسر ہو تو بھر کچھ ہمیں درکار نہیں
تری زلف زنجیر شوریدہ گاں ہو کھلے لب تو کیا کیا میں دھو میں بجاؤں
غم ہجران نے تو آتش ہو جلایا مجھ کو اس کے چشم کے طوفاں ہو بہا یا مجھ کو
ہوں میں اب جان سے بیزارتھا ہے ہاتھ لے دل و دیدہ بہت تم نے ستایا مجھ کو
رخصت دہوئی نامشیر قدرت اللہ بخلت میر سبقت اللہ نسبت شکر گو
بامزا جعفر علی حسرت درست وارد و در لکھنؤ ہی گزارا نہ۔ از دست۔

یکجو دوچار ہجر کی مت راست مجھے یارب بجا ہی کھو اس کافایت مجھے
آتا ہو میرے ملنے سے اب کب تک عمار حال ہوا یہ تیری ملاقات مجھے

رند۔ آتش مہربان خاں گویند مخد مت دیوانی نواب احمد خاں چندے
اختصاص داشت۔ شاگرد میر سوز۔ در علم موسیقی و سہم اندازی و تیغ شناسی ماہر۔
از دست

حاصل تو ہو اہل ہیں بات پراسوس اک بل میں شب بے پیش و طرب ہو گئی آخر

حرف الزاء

جعفر علی خاں تخلص بہ ترکی ۱۰ ابن مرزا موسیٰ بیگ، در منصب داران محمد
شاہی بنصب سہ ہزاری سرفراز و مقرب نواب عمدة الملک امیر خان مرحوم بود۔
بعد جلت ایشان چندے بنا کامی بسر بردہ از این جہان مد گذشت فکر صادق داشت
و بطر خوش گو یاں قدیم حرف می زد۔ مثنوی ز تخته او مشہور۔ این ابیات از غزلیات

میں دشمن جاں اپنا جو تھا ڈھونڈ نکالا
 سو حضرت دل ستمہ اللہ تعالیٰ
 جب مست جہن سے ہو چلا گھر کو وہ لا لا
 غنچے نے صراحی لی اٹھا گل نے بیا لا
 انگا جو میں دل کو تو کہا بس ہی اک دل
 جتنے ہی تو جا ہے مرے کوچ سے اٹھا لا
 جسک زلف سیہ نے تری ڈسا ہوگا
 غرض ہ مری گیا ہوگا کیا گیا ہوگا
 بھلا بتاؤ مری جاں کبھو بھی عاشق نے
 تمھارے جوئے شکو کہیں کیا ہوگا
 مگر یہی نہ کہ بے اختیار ہو کے کھو
 تھا کس کے دل کو کشمکش عشق کا داغ
 توڑوں یہ آئینہ کہ ہم آغوشِ عکس ہو
 یہ جو کہ ظالم ہو وہ ہرگز بھولتا پھلتا نہیں
 قتل کر مجھ کو کھلے نامری خاطر سے گرہ
 موج آتش ہو سیل آنکھوں کی
 نہ جیا تیری چشم کا مارا
 طعن لے اشک کی جیوں شمع گھلا جاتا ہوں
 چہن دینے کا نہیں زیر زمیں بھی نالہ
 قطرہ اشک ہوں پایے مے نکلے سے
 چہرست باد بہاری کہ میں جوں نکمت گل
 آدم کا جسم جب کہ غنا صر سے مل بنا
 سالما ہم نے صنم نالہ شنب گیر کیا
 اے دیدہ خانل تو مرا ہی ڈبو سکا
 سودا قمار عشق میں شیریں کے کوہ کن
 کس منہ سے تو پھر آپ کو کہتا ہے عشق باز
 ہووے نہ مجھ کو پاس جو تیرے حضور کا
 سبز بونے کھیت دیکھا ہی کبھو شمشیر کا
 میں یہ عقدہ گرو ناخن شمشیر کیا
 شاید اس دل کا آبلہ پھوٹا
 نہ تری زلف کا بندھا چھوٹا
 رحم لے آہ شرر بار کہ جبل جاؤں گا
 سوتوں کی نیند میں کرنے کو خسل جاؤں گا
 کیا خفا ہوتے ہو بل مارے دھل جاؤں گا
 بھاؤ کر کپڑے ابھی گھر سے نکل جاؤں گا
 کچھ آگ بج رہی تھی سو عاشق کا دل بنا
 آہ اک روز ترے دل میں نہ تاثیر کیا
 لیکن غبارِ یار کے دل سے نہ دھو سکا
 بازی اگر چہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
 اے رو سیاہ تجھ سے نہ بھی نہ ہو سکا

فکرت بہ پیرامونِ ادنیٰ تو اند پرید۔ اٹھب جہانِ بگرد و خیالِ بگرد ادنیٰ
تواند رسید۔ بالجلہ آن مختصر فن تازہ از بد و ثباب، اخصصت سال در دہلی
بہ رفاه و عزت و حرمت و دشناسی وزیر و امیر بسر برد۔ بعد ویرانی و خرابی
آن دیار نقل و حرکت نموده چندے در فرخ آباد نزد نواب احمد خاں گزرانید۔
و بعد وفات او بہ لکھنؤ آمدہ ساکن گشت نواب شجاع الدولہ بہادر مرحوم کمال شفقت
و مروت بہ مرزاے مزبور مرغی می داشت تا حال کہ ۱۱۹۳ھ یک ہزار و یک صد
نود و چار است در لکھنؤ استقامت دارد۔ کلیاتش از اقسام سخن شنش ہفت ہزار
بیتہ خواہد بود۔ این چند شعر از منتخب غزلیات آن عظیم المثل است۔

حالِ دل میرے جب تک وہ خبردار نہ تھا	جز دمِ سرود کوئی محرمِ اسرار نہ تھا
تیرے کپے سے جو میں آپ کو چپتے دیکھا	جی کسی تن سے نہ اس طرح نکلتے دیکھا
بے وجہ نہیں ہوا آئینہ ہر بار دیکھنا	کوئی دم کو بھولتی ہی یہ گلزار دیکھنا
ہر نقشِ پایہ ترپے ہی یار و ہر ایک دل	تک واسطے خدا کے یہ رفتار دیکھنا
کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکیں روزِ ہجر کو	پر جو خدا دکھاوے سونا چار دیکھنا
جو گزری مجھ پہ اُسے مت کہو ہوا سو ہوا	بلاکشانِ محبت پہ جو ہوا سو ہوا
بہنچ چکا ہو سر زخمِ دل تک یا نہ	کوئی ریسو کوئی مرہم کرو ہوا سو ہوا
دیا اُسے دل و دیں اب بہ جانِ ہر سودا	بھر آگے دیکھے جو ہو سو ہو ہوا سو ہوا
قابلِ شان ہوئی زلفِ تری جس دن سے	کبھی جو دل کہ بریشان نہ ہوا تھا سو ہوا
تجھ قید سے دل ہو کر آزاد بہت رویا	لذت کو اسیری کی کر یاد بہت رویا
مالے نے ترے بلبلِ نمِ چشم نہ کی گل کی	فریادِ مری سن کر صیاد بہت رویا
جو میں پڑی بہتی ہیں جادو کیہ گھٹاں میں	تجھ قد سے گل ہو کر شاد بہت رویا
اگر دنیا میں اب پول ہی سخن رسم وفا ہوگا	تو کس امید پر کوئی کسی کا آشنا ہوگا

رنجش کامری نہ پوچھ باعث
 غیول سے نہ کر تو گرم جوشی
 بلبل کو کیا تڑپتے میں دیکھا جن سے دور
 تجھ کشتگاں کو شعلہ فائوس کی طرح
 بال و پر ہونے نہ پائے تھے نمودار ہنوز
 زخم شمشیر ستم کرنے کیا اپنا کام
 تیری دودی سے عجب حال ہر اب سودا کا
 کس کے ہیں زیر ز میں دیدہ نناک ہنوز
 باغ میں جب سے گیا ہے تو خار آلودہ
 ساتی گئی بہار ہی دل میں یہ ہوس
 آشاں کو مت اُڑوا کرے فریاد و خروش
 اشک آتش دخول آتش ویرخت دل آتش
 گلاب نہ مجھ غریب کی بالیں تک آئے شمع
 اے ہلکہ گر فلک نے دیے تجھ کو چاند داغ
 بل تھا بس کہ دل مرا پیدا کی طرف
 پہونک ہی ہے عشق کی تپے ہلے تن میں گل
 گر نہ ہو پانی بل اس کا خوں سے لے غلہ خو
 کرتی ہے مرے دل میں تری جلوہ گری رنگ
 ہووے نہ کلب عشق سے کم رسم داغ دل
 کتنا تھا اس لیے میں نہ ہوا آشنا گل
 دیکھے اگر صفا سے بدن کو تری صبا
 آ جانے سے بار، در گزر کر
 میرے دم سرد سے حذر کر
 یارب نہ کجیو تو کسو کو وطن سے دور
 تن پر اگر کفن ہے تو تن پر کفن سے دور
 تب سے ہم کنج نفس میں ہیں گرفتار ہنوز
 یار تو تم ڈھونڈتے ہو مرہم زنگار ہنوز
 میں تو دیکھا نہیں ایسا کوئی بیمار ہنوز
 جا بجا سوت ہیں باقی کے تہ خاک ہنوز
 گل ہیں خیائے میں انکڑائی میں ہوناک ہنوز
 تو منوں سے جام ہے اور میں کہوں کہ بس
 باغیاں ظالم ابھی سویا ہے بلبل خوش
 آتش پہ برستی ہے پڑی متصل آتش
 دل بکیسی کا مجھ پہ جلے ہے بجائے شمع
 چھاتی مری سرا کہ اک دل ہزار داغ
 خوں بہ چلا بدن سے تو جلا کی طرف
 دیکھے ہے جیوں شعلہ فائوس پیرا بن میں رنگ
 گل ٹٹے تیری نگاہ گرم سوں در پہن میں رنگ
 اس شیشے میں ہر آن دکھاتی ہے پر ہی رنگ
 روشن رہے ہمیشہ الہی چہر داغ دل
 لے غنایب دیکھی نہ آخرو فائے گل
 کھولے کھمو نہ شرم سے بند قبا سے گل

آتی ہر آنجھ گلی سے پریشاں صد آہ
 دل بہت ٹپک نظر سے کہ پایا نہ جائے گا
 قفس کے پاس نہ جا کر لے نام تو گل کا
 کبھی گور نہ کیا خاک پر مری ظالم
 نہ کھینچ لے خانہ زلفوں کو بیل سودا کا دل کا
 سخن میں رات سن کہ ہر کسی کے پاؤں کا کھٹکا
 قاصد لشک آ کے خبر کر گیا
 کیونکہ کوئی کھانے تراغیب
 سیر کی یوں کو چہ ہستی کی ہم
 ترادل مجھ سے نہیں لٹا مارجی رہ نہیں سکتا
 کہ مر کو چھوڑ گئے مجھ کو ہمارا تنہا
 ہندو ہیں بت پرست سماں خدا پرست
 ملک سادہ دلی پر تو مری رحم کر لے یار
 جس نے نہ دیکھی ہو شفق صبح کی ہمار
 سودا میں اپنے یار سے جا ہا کہ کچھ کہوں
 شمع میں ہر جہد ہر سر سے گز جانے کی طرح
 یا بستم بانگہ یا وعدہ یا گاہے پیام
 کاٹ کر پلٹے ہر ناگن تب اثر کرتا ہر زہر
 میں دیکھتا ہوں جسے ہر وہ آپ ہی نالاں
 کیا ہر قدم کو مرے نخل اور غواں کا رشک
 چاہے تجھ چشم کے آگے جو بوبادام سفید

شاید کسی کا شیشہ دل چور ہو گیا
 جیوں لشک پھر زمیں سے اٹھا یا نہ جائے گا
 ضرور کیا رک نہ ناحق ہو خون لبیل کا
 میں مبتداستی کشتہ ہوں اس تغافل کا
 اسیر نا تو الہیہ نہ لے زنجیر کو جھٹکا
 اٹھا یا سر جو بالیں سے تو پھر دیوار پر ٹپکا
 قفل کوئی دل کا نگر کر گیا
 حال مراسب کو خبر کر گیا
 نے میں سے جیوں نالہ گزر کر گیا
 غرض ایسی مصیبت ہو کہ میں کچھ کہ نہیں سکتا
 پھر ہوں ہوں بوشت میں جیوں گرد کا دوا آتنا
 پوچھوں ہوں میں اُسی کو جو ہر آشا پرست
 ہوں تجھ سے شکر سے طلب کا رنجست
 آ کر ترے شہید کو دیکھے کفن کے بیچ
 ایسی کی یک نگہ کہ رہی من کی من کے بیچ
 کھب گئی لیکن ہمارے دل میں رہنے کی طرح
 کچھ بھی اے خا خراب دل کے بھانے کی طرح
 سیکھ لے زلفوں کی تیری ماس بل کھانے کی طرح
 تمھاری کیجیے کس پاس اے تاں فریاد
 تمھارے ہاتھ سے لے چشم خون فشاں فریاد
 کھینچ کر پست کرے گردش ایام سفید

گنتی بھلی ہیں لختِ دل کی تارِ اشک سے لڑپا ۱۲۵
 دوانا اُن لٹول کا ہوں قسم ہر روحِ مجنوں کی
 تو نے سودا کے تیئں قتل کیا کہتے ہیں
 زینجیے گل کے کھلتے ہیں نہ زنگس کی کھلیں کلیاں
 زخار دیکھتے ہو تم ان خوش قدوں کی ہاے
 اُس بے وفا کے عشق میں کچھ ہم کو جس نہیں
 حیرت نے اس کو بند نہ کرنے دیں پھر کبھو
 اندامِ گل پہ ہونہ قبا اس مزے سے چاک
 کیا چاہیے تجھے سرِ آشتِ برحنا
 سودا کے دل سے صاف نہ رہی تھی زلفِ یار
 سُن کے یہ کہتا ہی میرے نالہ جاں کاہ کو
 دم مارنا پھبتا ہی اُسے عشق میں تیرے
 اس دل کو دے کے لول دو جہاں یہ کبھو ہو
 آئینہ وجود و عدم میں اگر ترا
 ہی زلف میں دل میرا مت کجیو خوشا
 اب درِ دل سے موت ہو یا دل کو تاب ہو
 اس کشمکش سے دامن کی کیا کام تھا مجھے
 جی کو چاہا تھا کہ خالی کروں مانندِ جباب
 ممکن ہی تیر خودہ تو پک کر سنبھل سکے
 دیوانگی ہماری کیا کیا بچانی دھو میں

یہ آنکھیں کیوں سرِ جی کے گلے کی بارہو پڑیاں
 نہ لارو چوبِ گل مجھ کو بغیر از میدی کی چھڑیاں
 یہ اگر سچ ہی تو ظالم اُسے کیا کہتے ہیں
 جن میں نے کے خیا زے کو سونے آنکھ پیاں لیاں
 ٹھوکر لگے ہر دل کے تیئں جس خرام میں
 پاؤں تک بھی ہائے ہیں دسترس نہیں
 آنکھیں جس آرسی نے ترے منہ پہ کھولیاں
 جوں خوش چھبوں گے تن پہ سکتی ہیں چولیاں
 جس بے گنہ کے خون میں جا میں ڈبولیاں
 شانے نے تیج پڑ گریں اس کی کھولیاں
 کیوں مجھے ایسا بنا یا کیا کہوں اللہ کو
 جس کا دم اول نفس باز پسین ہو
 سودا تو ہو دے تب ناکہ جب ایں تو نہ ہو
 منہ دریاں نہ ہو تو کہیں ہم کو رو نہ ہو
 زنجیر نہ کھل جاوے یہ سخت ہی دیوانہ
 قسمت میں جویدا ہو الہی شتاب ہو
 اے الفت! جن ترا خانہ خراب ہو
 ہو گئی جان ہو اک نفسِ سرو کے ساتھ
 مارا تری نگہ کا جگہ سے نہ ہی سکے
 زنجیر پڑ کے پاؤں گر اپنے گھر نہ لاتی

میں اور عندلیب ازل سے ہیں بے نصیب
 کیا بجائی اُن نے میرے دل کے کاشانے میں صوم
 دلف کو کھولا تو کراس دل کی شورش کا علاج
 کب لے سودا شراب بس بزم میں پیتے ہیں ہم
 عاشق تو نامراد ہیں پر اس قدر کے ہم
 کتنا تھا کل کیسو سے کروں گا کیسو کو قتل
 سودا نہ کہتے تھے کہ کسی کو تو دل نہ دے
 ذبح تو کرتا ہر ملک فرصت گلے لگنے کی دے
 دل نالاں کو مرے کس کے ہوا آرام سے کام
 بھری ہو دل میں ترے یان تک محبت غیر
 تیرے ہی دیکھنے کے نہ آوے جو کام چشم
 عاشق کی بھی کشتی ہیں کیا خوب طرح راتیں
 باتیں کتنی ہی نہیں منہ لگنے سے منظور ہیں
 مجھ کو نہیں ہو دل میں تے راہ کیا کروں
 مرزا اس چشم کی کھٹکے ہو دل مفتوں میں
 ڈرتے ڈرتے ترے کوچے میں جو آجاتا ہوں
 حسرت سے آئے کا دل کیونکے ہونہ پانی
 چھب کر جو کہیں تجھ کو تنک دیکھ رہوں میں
 اب تو حاجت نہیں کہو ترکی
 باؤک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
 ننگا ہر میں دیکھے کا کچھ اسباب ہی نہیں

مجھ پر تراستم ہر نیت اُس پر بجائے گل
 شور ہو جس کے لیے کہے میں بت خانے میں صوم
 سخت دیوانے کی ہو زنجیر کھل جانے میں صوم
 تو نے لے کم ظرف کی پہلے ہی بیانی میں صوم
 دل کو گنوا کے بیٹھ ہے صبر کر کے ہم
 ایسا تو کشتی نہیں کوئی نگر کہ ہم
 رسوا ہوا پھر ہے تو اب در بدر کہ ہم
 عید قرباں ہو تجھے دیں گے مبارک باد ہم
 کوئی بے چین رہو اپنے اسکے کام سے کام
 کہ جا نہیں میرے کینے کو مہر تو معلوم
 تو زخم چیرے پر ہو کہ اس کا ہر نام چشم
 دو چار گھردی روزنا دو چار گھڑی باتیں
 سو میسر نہ ہوتا بہ لب گو رہیں
 پر بے اثر ہو عشق مرا آہ کیا کروں
 بڑ گئے آہ نیشتر جگر بخنوں میں
 صید خائف کی طرح رو بہ تغا جاتا ہوں
 شاہ حضور اس کے زلفوں کی لے بلائیں
 ہر ایک مجھے آکے مٹاتا ہر کھوں میں
 شوق سے دل کے پرے کاٹتے ہیں
 تڑپے ہو مرغ قبلہ نما آشیانے میں
 آئے مگر تو خواب میں سو خواب ہی نہیں

اپنا ہی تو فریفتہ ہو دے خدا کرے
 زاہد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے
 اس قدرے لئے تری محزون کیوں آواز ہے
 اُس جگہ شور قیامت فرشِ پا انداز ہے
 بھر دسا کچھ نہیں اس کا یہ نہہ دیکھے کی الفت ہے
 تیرے قدم کو چھوڑ سکے یہ نہ ہو سکے
 کہ خاکِ ڈال کے سر پر سدا رویا کیجے
 کہ حق کی بندگی اس طرح سے ادا کیجے
 نہیں ہے اور سے یہ کچھ ادا اس کو سوا ہم سے
 میں آپ کو جلا کے سروں خاک تو سہی
 کچھ سخت آرزو پہ کتاب تک اٹک رہی
 عیسیٰ کئے دوانہ رہی درد ہے سو ہے
 دامن کے ساتھ ساتھ تیرے گرد ہے سو ہے
 دکھاتا ہے اسے مجھ کو جسے آزاد کرتا ہے
 عکس بھی دیتا نہیں اب آئنے میں رو مجھے
 جو سر سبز ہو دے تو برگِ حنا ہے
 دلہا تو ہوا تو دل آزاد کون ہے
 پوچھنا یہ کبھو بس پوچھنا کون ہے
 پہچانتا ہے تو یہ گنہگار کون ہے
 یہ کچھ شمی ہم سے فلک خوب نہیں ہے
 اس چشم کو ہم چشمی یعقوب نہیں ہے

بدلاتوئے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے
 گر ہو شراب و خلوت و معشوقِ خور و
 درد میرے استحال کا کیا ترا دسا زہر ہے
 قد کو تیرے جس جگہ مشقِ خرام ناز ہے
 نہ بھول اے آرسی گریا کی تجھ کو محبت ہے
 عشقِ درد جہاں کی یہ دل ہاتھ دھو سکے
 یہی تلافی ہے اک دم تباہ سے ہنسنے کی
 کہا تھا شمع سے پروانہ رات جلتے وقت
 تمھاری زلف کا کچھ منیٹھی ہی رہتی ہے سدا ہم سے
 جس دن تری نگلی کی طرف ملک پون سے
 تڑپے ہے مدتوں سے مری جان پر اسے
 چہرہ مریض لب کا ترے زرد ہے سو ہے
 گزرا ہے کس کی خاک سے ظالم تو بے خبر
 عجب بیدا اب مجھ پر مرا صیاد کرتا ہے
 منہ لگا دے کون مجھ کو گر نہ پوچھے تو مجھے
 ترا کشتہ تیغِ سیج کہہ تو کیا ہے
 گر تجھ میں ہے وفا تو جفا کا کون ہے
 نالہا ہوں مدتوں سے تیرے سایے کے تلے
 سودا کو جرمِ عشق سے کرتے ہیں قتل
 دوس جال کے بننے کا کچھ اسلوب نہیں ہے
 ہرگز میں تجھے چھوڑ کے یہ نہ سکوں دیکھوں

مرے گراغش مسکین تو ماتم دار دشمن ہو
 نسیم بھی تب کچے میں اور صبا بھی ہو
 ترا غرور مرا غمزہ، تاکجا ظالم
 جلے ہو شمع سے پروانہ اور میں تجھ سے
 جب اپنے بند قیام نے جان کھول دیے
 سازن کے بادلوں کی طرح سے بھر ہوے
 کہتا ہو بنا گوش ترا زلف کے آگے
 نیم جاں ہیں گئے تری چشم کے بیار کئی
 کوئی کھسکتا ہو کوئی تڑپے ہو کوئی ہو بے چین
 رات پروانے کی الفت رستی روتے روتے
 ساق سبیں کو تری دیکھ کے گوری گوری
 بیکھر نے کبھی تجھ لب سے کیا تھا دعوا
 لگ گیا رات کو یہ دزد خانیہ ہات
 بھر نظر تجھ کو نہ دیکھا کبھی ڈرتے ڈرتے
 جیوں غنچہ تو جن میں بند قبا جو کھولے
 باغ جہاں میں رہ کر کچھ ہم نے پہل نہ پایا
 ایسا ہی جاؤں جاؤں کہتے ہو تو سدھارو
 تصور میں تے کیو صبا اُس لا ابالی سے
 جس روز کسی اور پہ بیدار کرو گے
 جبر کی تو مدتوں سے مساوات ہو گئی
 یاد وہ شرم سے چونہ بولا تو کیا ہوا

سدا زنجیر کے گھر واسطے غزوں کے شیون ہو
 ہلاری خاک سے دیکھو تو کچھ رہا بھی ہو
 ہر ایک بات کی آخر کچھ انتہا بھی ہو
 کہیں بھی مہر ہو جگ میں کہیں فنا بھی ہو
 صبا نے باغ میں جاگل کے کان کھول دیے
 یہ نین ہیں وہ جن سے کہ جنگل ہرے ہوے
 میں صبح قیامت ہوں مری شام یہی ہو
 مر گئے خنجر مرزاں کے دل انگار کئی
 آج دیکھتے تھے کچے میں گرفتار کئی
 شمع نے جی ہی دیا صبح کے ہوتے ہوتے
 شرم سے شمع ہوئی جاتی ہو تھوڑی تھوڑی
 آج تک اُس کی جدا کرتے ہیں پوری پوری
 دہندہ جا پاؤں کو لاگا ہی تھا چوری چوری
 حسرتیں جی کی رہیں جی ہی میں مرتے مرتے
 پھر گل سے لے پیلوے طبل کبھونہ بولے
 اک دل ملا کہ جس میں پیکیہ رموں طولے
 اس دل پہل جو ہوئی ہو آج ہی وہ ہوے
 گلے گلے میں وہ یارات تصویر نہالی سے
 یہ یاد رہے ہم کو بہت یاد کرو گے
 کالی کبھونہ دی تھی سواب بات ہو گئی
 نظروں میں سو طرح کی حکایات ہو گئی

قاتل سے کیوں جھگڑنے ہو کیا مجھ سے برہم
 تجھ تیغ تلے کہہ تو رسم سے کہ سو دھڑ
 ہر ون تو مجھے اپنے کوچے سے نکالے ہو
 ایک تو رسوا کیا عالم میں تیری نیہ نے
 سر و گلشن ہی نہ کچھ مفتوں ہو
 کتنا ہو عشق عقل سے مجھ کو تو بیر ہو
 آہنگ سفر کب مے سینے سے کرے اشک
 جس دم وہ صنم سوار ہووے
 جو اٹھ نہ سکے تری گلی سے
 کن زخموں میں زخم ہو کہ جب تک
 کھینچی ہو بھواں نے تیغ منہ پر
 تری یہ زعفرانی دیکھ چولی

رباعی

مومن نہیں زنا سے میرے آگاہ
 اس رشتے کو ہو سچہ اسلام میں راہ
 اُس بت کا برہن ہوں کہ ہم صوفی و شیخ
 کہتے ہیں جسے دیکھ کے اللہ اللہ

رباعی

طالع یہ کہاں کہ جام بھر بھر پیچھے
 اور بار کے لب سے کام دل کا ایچھے
 باشد اگر جو یہ میسر ہووے
 در پردہ بندگی خدائی کیچھے
 میر سید محمد سوز تخلص دہلوی، از سادات عظیم الشان و مشاہیر نکتہ
 رسان است در ادب بند و بختگی و برشتگی کلام و فن کمانداری و خوش نویسی یہ مینا
 دارد۔ در او اہل حال بسیار بکام دل زندگی کر دو در او اخیرہ رہنمائی خاطر وارستہ

مری آنکھوں میں تو بستا مجھے تو کیوں لاتا ہے
 میسر ہو اگر محراب تیری تیغ کے خم کی
 شب متاب میں جاری نہیں سودا کے دکھا کر
 الٹی بزم تباہ سے وہ شمع ٹل جاوے
 کچھ ان دونوں تری نظروں سے گر چلا ہے دل
 سینے کو رستوں کے ننگ تیری توڑ دے
 آہا ہر تنگ دام میں زلفوں کے مرغ دل
 نہیں مکن اسیروں کی کوئی فریاد کو پہنچے
 عبت لالہ اس گلشن میں لے بل ناواں
 ماریں گے ایک دو کو باآپ مر رہیں گے
 کیا حسد ہے خدا جانے مرے ساتھ وگر نہ
 کہہ ابر قسم ہے تجھے رونے کی ہمارے
 کیا جانیے کہ کس کے دل کا لہو پیا ہے
 مرجاں کا نخل ہوں نہ بھلوں بگٹ بارے
 اس دل کی نف آد سے کب شعلہ بر آوے
 مک داغ سے جھاتی کے سرک جاو جو بھاہا
 دے شکوے کی رخصت جو ہمیں شرم محبت
 ظالم کراہ انصاف کہ سینے میں کہاں سے
 بے خوابی سے تر ہا ہے شب، ہجر میں سودا
 ہمیں تہانہ تری چشم کے بیمار ہوے
 تبسم دیکھ تیرا کھل نہ دل بتیاب ہو جاوے

۱۴۸

سمجھ کر دیکھ تو اپنا کوئی بھی گھر ڈالتا ہے
 طرہ کہے کے سجد پھر تو کس کا فر کو بھاتا ہے
 تجھے گر جاندی میں سیر دیا کا خوش آتا ہے
 ذروں میں جو کسی کا نہ دل گھیل جاوے
 جو دستگیری مرگاں ہو تو سنہل جاوے
 آنکھوں کی ہر لپک صف عشر کو پوڑے
 سزا قدم سے ولہ کے مدد میں چھوڑے
 صبا بہ رخت پر اس دام سے صیاد کو پہنچے
 نہیں ہر رسم بھال کوئی کسی کی داد کو پہنچے
 پیلے تری گلی میں کچھ ہم بھی کر رہیں گے
 کافی ہے تسلی کو مری ایک نظر بھی
 تجھ چشم سے پیکا ہے کھو حنت جگر بھی
 کٹھنی نے اڑے ہاتھوں کیا زلف کو لیا ہے
 ٹپکے لہو ہمیشہ مرے شاخسار سے
 بجلی کو دم سرد سے جس کے حذر آوے
 آتش کے ٹپس قدرت خالق نظر آوے
 غنچے کی طرح ٹکڑے ہو منہ تک جگر آوے
 ہر دم کے لہو چنے کو تازہ جگر آوے
 اب کہنے کو افسانہ کوئی نوہ گر آوے
 اس مرض میں تو کسی ہم سے گرفتار ہوے
 اگر بجلی اُسے دیکھ تو زہر آب ہو جاوے

مزرع دنیا سے کچھ حاصل نہ پایا جز گناہ
 دل پہ جو آن ہو قربامت ہو
 آج کہتے ہیں کہ اوے گا وہ جاناں باہر
 تجھ پر اے جان آن ہو کچھ اور
 غنچے کو اُس کے لب سے کیا نسبت
 جانِ ستم، عزیزِ جفا، آشناے جور!
 عرق نہیں ہو سموم ہوا سے چہرے پر
 بہت کیا کہ نظر بھر کے دیکھ لوں اُس کو
 اے دلِ باخدا کی قسم تیرے ہجر میں
 تیری نگہ کی تیغ نے غم سے آن میں
 ابلائی نہ تیرے حسن کی لرزاں ہو شمع
 کیا کھب رہا ہو گُل کے کلیجے میں خارِ حیف
 اب تو ہر سینے میں حسرت جائے دل
 دور ہونا صبح کہیں بہہ جائے گا
 لے غم یا رذرا کیجیو اندیشہ دل
 گلِ فیحِ دل میں رشک کی آتش سے آج تو
 لو جی اب آرام سے بیٹھے ہو جاتے ہیں ہم
 منہ بنا میری طرف آئیے کا بوسہ لیا
 ہو ڈوب گیا کہ صحرِ گد دن
 آرزو ہر رات دن صورت تری دکھا کر
 آنکھیں جو نہ لگ جاتیں تو زار نہ ہوتا میں

برقِ پرتی کاش کے یارب کے رخسار کے بیچ
 کیا کہوں تیری آن کی سوگند
 مت گناہِ رشتا بی نکل اے جاں باہر
 میرے دل میں گمان ہو کچھ اور
 چُپ رہو یہ دہان ہو کچھ اور
 عاشق اگر ہزار مرے تو وفانہ کر
 نگاہ آب ہوئی ہو حیا سے چہرے پر
 نہ ٹھہرا باے نظارہ صفا سے چہرے پر
 دل چاک ہو گیا کہ قبا کو نہ ہوئی خبر
 جی اس طرح لیا کہ فنا کو نہ ہوئی خبر
 جان کے خون سے فانوس میں نہاں ہو شمع
 جیتی ہو عند لبِ توب تک ہزار حیف
 تیکہ مہر جاتا رہا ہو اے دل
 جوش میں ہو اس لہری دریائے دل
 ٹھیس لگ جائے گی نازک ہو شیشِ دل
 روشن ہو عند لب کے گھر میں چراغِ گل
 پھر نہ آویں گے کبھی کاہے کو جھنجھلاتے ہو تم
 واہ وا اچھی طرح ہو موند ہسکا تے ہو تم
 کیوں شامِ فراق مر گیا دن
 پرتیسرے نہیں سکتی ہو یارب کیا کروں
 پھر ہیز اگر کرتا بمبار نہ ہوتا میں

تک علائق دنیوی نمود و لباس فقر پوشید۔ تا این زمان کہ سنہ یک ہزار و یک صد و نو
و چار ہجریست در لکھنؤ می گذراند۔ دیوانش از ہزار بیت متجاووز دیدہ شد۔ این

لیات از لفظا منعلہ زن اوست

اگر میں جانتا ہوں عشق میں دھڑکا جدائی کا
خدا یا کس کے ہم بندے کہا دیں سخت مشکل ہے
دل کے ہاتھوں بہت خراب ہوا
تو بستر تک نہ لیتا نام ہرگز آشنائی کا
یکے ہر صبرم اس دور میں دعویٰ خدائی کا
جل گیا بھئی گیا کباب ہوا
تو ز کو اس عذاب سے مارا
میں تو غبار دل کا یکبار دھوکے آیا
اہل ایام سوز کو کہتے ہیں کافر ہو گیا
تیری دل سوزی سے بول بنی زنا صبح دور ہو
آج اس راہ دل رُبا گزرا
رات کو نیند ہر نہ دن کو چین
یو الویس دعویٰ بہت کرتا تھا اپنے عشق کا
تا تو اں ہو دل اسے زنجیر کی طاقت نہیں
ضبط سے میرے تھم رہا ہر شرک
کیا ہر اتنا بھی ادمر منہ تو پھراؤ صاحب
چور کچھ اہر بھلا کیا ہے بغل میں سچ کہہ
دل نہ جاتا کہیں گر مجھ سے اُسے ہوتا پیار
ذکر مت کیجیو مجنوں کو ہو، کافی ہے
یہ وہی یار قدیمی ہے اسے پہچانو
نہ لغت نامروت نا تو اضع نامدرا ہے

وہ واجی بڑا ثواب ہوا
کوچے میں خبر بروکے کل خوب روکے آیا
ہاے یارب را ز دل من پر بھی ظاہر ہو گیا
دل کو کیا رونا ہے لے جی بھی مسافر ہو گیا
جی پہ کیا جانے کہ کیا گزرا
ایسے جینے سے لے خدا گزرا
سامنے ہوتے ہی اُس قاتل کے کیسا ٹل گیا
زلف کو کھکھول دے لے جان تیر بل گیا
ورنہ اب تک تو بہہ گیا ہوتا
لو جی ہم تم سے نہیں بولتے جاؤ صاحب
اب کہ صر جاؤ گے ہاں ہم کو بتاؤ صاحب
یاد مت اُس کی دلاؤ نہ رُلاؤ صاحب
نام لیے کے نہ سوتے کو جگاؤ صاحب
اپنے اس سوز کو اتنا نہ بھلاؤ صاحب
کھلیا پاک گیا ہے ہم یہ دکھ کیونکر ہیں یارب

من ماننے مجھ پر ہوا تیرا جھان کیا کہوں
 کہنے سے بن آتی نہیں تعریف اُس کے حُسن کی
 جو ایک دم بھی میری شوق سے کلام کروں
 نصیب توں پہ بہت ہے گھمنٹ نا صبح کو
 ہر دل میں اُس سے کہوں چہ پتا ہوں تھوڑے تئیں
 مصحف کو روکے دیکھ کے چاہا کہ چوم لوں
 کھٹ گیا حسن یار آنکھوں میں
 دل کو میرے ہوائے باغ نہیں
 شب ہجران کو تیرے عاشق کے
 ایک تنہا نہیں ہے سوز جلا
 گو کہ اے دل مجھے سرو نہیں
 دل رُباے سوز کیوں تیری طرف مائل نہیں
 قدم ہر رک دل کی ہے معلوم ہر دلدار کو
 کوئی ہمد نہیں غریبوں کا
 کون تھا جو پھر بسا نالشور دیوانگی
 منہ نہ موڑا تیغ سے جم اٹھائے زخم ناز
 جس پر مرے صنم کی کرم کی نگاہ ہو
 اے دل خدا کے واسطے تک صبر کر بھلا
 واللہ اب جو دل میں کچھ اور آرزو ہو
 اے دیدہ کوہ و صحرا تو نے ڈباے لیکن
 اے قیامت نہ کہجو پھر جلاؤ مجھ کو

مجھ کو تو بن آتی نہیں غیر اندامیں کیا کہوں
 چھٹ کیتھے ہی مگر گیا اس کی لطافتیں کیا کہوں
 تو بے تکلف اُسی وقت جاں تمام کروں
 جو اس کے رو بروئے تو میں سلام کروں
 عجب مزا ہو کہ لائے سے غلام کروں
 کہنے لگا غلط ہے یہ حرکت سہی نہیں
 کیا ہی بھولی بہار آنکھوں میں
 دور بلو بلوے گل داغ نہیں
 غیر داغ جگر چسراغ نہیں
 تیرے ہاتھوں سے کوئی داغ نہیں
 شاد ہو نا بھی کچھ ضرور نہیں
 دل ترا داغی ہے یا تو عشق کے قابل نہیں
 دل دکھاؤں کس کو ہر کوئی صدا دل نہیں
 آہ بھی ناتواں کی یار نہیں
 میں اگر برپا نہ کرتا خانہ زنجیر کو
 آفریں لے دو صد رحمت ہے تیرے پیر کو
 باللہ عاشقوں میں وہی بادشاہ ہو
 ہاتھوں سے تیرے کوئی کہاں دلاؤ خواہ ہو
 میری یہی دعا ہے دنیا ہو اور تو ہو
 اس کی گلی ہوں مدح بل تب مجھ کو آبرو ہو
 میں ترستا ہی ہوا آکے اٹھاؤ مجھ کو

مسکراتا ہر کبھی روکے ڈراتا ہر کبھی ۵۲
 مومنوں عالم ہوں ترے حسن کے معبود تو کیا
 سوز کا کلبہ احسن ان تو آباد نہیں
 بندگی سے تری کچھ عار نہیں
 کس کی آنکھوں سے تجھے میں دیکھوں
 تشنہ لب کب ترستا ہوں میں
 گرچہ میرے مضطرب دل کو شکبائی نہیں
 دل محزون عاشق کس طرح ہوشاد دنیا میں
 ستم گر حنک جو ظالم وفادار دشمن بہت سے تھے
 بند میں اپنے گروہ دے کہ تجھے یاد رہے
 تیغ ابد سے تری دل کو لگا ہو دھڑکا
 آج میں سوز کو دکھا تو اتنے جیسے میں رہا
 زباں سے ہو سکے کتب لہ با تیری زندگیاں
 قیامت تک نہ بھولے گی میاں اس آن کی لذت
 سبھوں کے رو برو کہنا کہ میرا سوز عاشق ہو
 چین کیا آوے جو دیکھے دل کی یہ بے تابیاں
 مرد کم یوں چشم زمیں سیر کرتے ہیں مدام
 مردم تو تھک کے بیٹھے نہ آیا نظر کہیں
 کہتے ہیں لوگ یار ہمارا ہو خوش کمر
 نہ دواں راحت پہ دل ہرگز محبت اس کو کہتے ہیں
 ہوا دل خاک جا کوچے مولیٰ کے پہ چلا ہی نہیں
 نہال عشق کو تازہ کیا پھر سوز نے دو رو

۵۲
 لکون ماسنیوہ بیدار تھے یاد نہیں
 سوز کا کلبہ احسن ان تو آباد نہیں
 پر میاں تو ہی وفادار نہیں
 کون تجھ چشم کا بیا رہ نہیں
 کیا رتے ہاتھ میں تلوار نہیں
 پر ترادر چھوڑ کب جاؤں کہ ہر جانی نہیں
 نہ جانا جس نے غیر از نالہ و فریاد دنیا میں
 توافل کا غضب تو نے کیا ایجاد دنیا میں
 میں یہ ڈرتا ہوں نہ ہو جاؤں فراموش کہیں
 جی نکلتا ہو میاں کھول بھی آغوش کہیں
 سر کہیں پاؤں کہیں ہوش کہیں گوش کہیں
 گز صورت کو تیری دیکھنا اور واہ و اکناں
 ہمارا ہنس کے جی دینا و تیرا مرجھا کھلاں
 مناسب نہیں ہو بابائے اسی باتیں ہلا کھلاں
 نیند ہی جاتی رہی سُن سُن مری بد خواباں
 جس طرح پانی میں پھرتی ہیں پڑی مرغاباں
 ہاں اے سرشک لبچھو دل کی خبر کہیں
 میں نے تو اُس میاں کی نہ دیکھی کمر کہیں
 نہ سوؤں نیند بھر خواب فراغت اس کو کہتے ہیں
 ذرا افسانہ کر دو کیو کہ طاقت اس کو کہتے ہیں
 عزیزاں ابرہہ ہر کابِ رحمت اس کو کہتے ہیں

لاش مت اُس کی گلی سے میری اٹھوانا کوئی
 جب ہٹے وہ تند خوئے تیغ میرے قتل پر
 تاد پھر اُس آشنا کش کا ہود یوانا کوئی
 دوستو بہر خدامت اُس کو سمجھا نا کوئی
 قید میں یوسف کو بھیجاواہ یوں ہی چاہیے
 خوب کی تو نے زلیخا چاہ یوں ہی چاہیے
 سجاد اکبر آبادی ہاش میر سجاد، صلش ایران و مولدش دہلی - از شاگردان
 شاہ نجم الدین آبرو بہمان طرز حرف می زند - میر محمد اکرم خاں جد میرزا کدرد دارالافتاء
 بادشاہی رفیق نواب بکھی خاں میرنشی بود - اشارش تدون - از دست

تیری شمشیر سے جدا ہو کر
 سر مرا مجھ کو تن نہیں دیتا
 بتاں تو چاہتے سجاد تجھ کو
 کریں پر کیا خدانے جو نہ چاہا
 تجھ کو لے سجاد غیر از خنجر بیدار کے
 اور بھی کچھ ظالموں کی دوستی نے پھل دیا
 قاتل کی تیغ آگے جاتے ہیں ہم نہ ہٹ کرے
 برگز ہمارے دل میں سکنا نہیں ہے دھڑکا
 مرے دیکھ کر حال دوامان کا
 پھٹے کیوں نہ سینا گر بیان کا
 جیسے لائق نہیں گل توڑ کر کے ہاتھ میں رکھنا
 تری یہ انگلیاں ہندی لگی پھولوں کا ہر دستا
 ہم اسیوں کے دل پہ بھندوں کا
 تیری زلفوں نے تار باندھ دیا
 یعقوب کے جو عشق پراسر پہ ٹوٹ کر
 آنکھوں نے اُس کی رو دیا آخر کو پھوٹ کر
 نخت جگر ہمارا پاؤں کے ساتھ کھا کر
 کہتے ہو ہم سے باتیں یہ نہ چاہا جگر
 بند میں مت رہ دو انے عقل کے
 گر گریباں چاک چھاتی کھول کر
 دوزخ میں رخسار کے تیرے کہیں انصاف نہیں
 خط چرا لے جائے دل کو اور باغی سجاد زلف
 ایک محل رکھتا ہوں چاہے سو لے جائے اُسے
 خواہ زلفیں خواہ خرگاں خواہ ابرو خواہ چشم
 خوش و قیوں سے کہوں نہ کرے ہاتھ پاؤں گم
 سجاد اوس کے پاؤں لگیں جن کے ہاتھ میں
 جب ہم آغوش یار ہوتے ہیں
 سب منے در کنار ہوتے ہیں
 تیرے سینے کے پار ہوتے ہیں
 تیرے سینے کے پار ہوتے ہیں

ہم نشینوں کی صحبت کا ادا واجب ہو
 سوز میں اپنے شب روز جلو ہوں جوں شمع
 یاد اُس کی مجھ کو بس ہر آنس و رفیق سوز
 ہر گھڑی گھر سے مت نکل ظالم
 دم چلائے مجھ سے آہو دوڑیو
 ناک چشم خدنگ انداز ہاے
 اب ہزاروں ملیں آویںگی آتی ہر بہار
 آپ سے گزرے اگر جلد ہی ملے تو آپ سے
 آیا ہر سوز پاس ترے دست بستہ ہو
 زکس سے گو کہ جمع ہوں نظارگی تمام
 جو تیرے تدو دیکھے شمع پانی ہو کھل جائے
 ہوا تو رو برو لیکن رہا محروم نظارہ
 ساغرے کی منط پاوں اگر جا خالی
 مثل نے ہر استخوان میں حمد کی آواز ہو
 نہ شہر میں اُسے آرام ہو نہ صحرا میں
 خدا کے واسطے اک تیغ ادھر قاتل
 سنا ہر سوز زمانہ تو نا تو اں ہیں ہر
 احمد علی خاں سوز ال خلف مرزا علی خاں افتخار الدولہ، برادر زادہ
 ذاب سالار جنگ در لکھنؤ بظلمت ذاب وزیر الممالک آصف الدولہ بھلہ
 میگزاند - چند روز باتفاق میرضیا کہ رفیق افتخار الدولہ بد فکر اشعار می نمود۔

۱۵۷
نہیں ہر تاب مجھے سامنے ترے جا نا
کسماں سر آج کہاں آفتاب عالم تاب

شغلہ خوجب سے نظر آتا نہیں
لڑتا ہر تب سے انگاروں میں دل

انگ تیری پس کی ظلمات میں
ماہ نو دیکھا ہر آدمی رات میں

رفوگر کو کہاں طاقت کہ زخم عشق کو مانگے
اگر دیکھے مرا سینہ رنو چکے میں آ جاوے

سلیمان ہمشوق میر عبدالحی تاہاں۔ از دوست

تجھ سے ظالم سے ملا دیکھ تو طراری دل
کچھ بھی دھڑکا نہ کیا بل بے جگر داری دل

میر سادات علی سادات تخلص۔ وطنش امر وہ مرید شاہ ولایت اللہ،

ہر آج آئہ ہاست و در شعر و سخن طرزیہام اکثری و رزد۔ از دوست

بائے جو سیر لوح ترا نام نہ ہوتا
ہرگز کسی آغاز کا انجام نہ ہوتا

بس کہ ہوں کم ظرف دو پالے میں جاتا ہوں
ہوش کھویتی ہیں میر اس کی آنکھیں سے پرست

کس سے پوچھو دل مرا جو ہی گیا زلفوں میں رات
ایک چو شانہ ہر سو تو تیل میں ڈالے ہر بات

یار بس یار کا ملنا مجھے مقدور نہیں
تو اگر فضل سے دکھلائے تو کچھ دور نہیں

یار سے جو رقیب لڑتے ہیں
یہ ہمارے نصیب لڑتے ہیں

میت دکھا اس طرح کی آن مجھے
جینے دے کوئی دم تو جان مجھے

نجم الدین علی خاں سلام اکبر آبادی، معاصر نقی میر۔ دے راست

حدیث زلف چشم یار سے پوچھ
درازی رات کی بیار سے پوچھ

سادات اللہ تخلص دے سادات۔ از دوست

نہیں تجھ بھر میں پیتے شراب اغوانی ہم
ارے ساتی تے مائے ہیں نہیں انگلیں پانی ہم

ستید دہلوی، اش میرام الدین۔ مولف دے راندیدہ گرا بن شعر شمشید۔

تھائے حسن کے کوچ میں بے نوائی ہر
یہ آنکھیں دیکھتے ہو کا سہ گدائی ہر

میر باد علی ستید تخلص، از سادات میوات دموز و نان عہد شاہ عالم است۔

اخلائی، ملک ایک کرسا قی
 آنے کا خواب میں بھی نہیں وہ کبھی نظر
 اب تو ہم نے کیا گریباں چاک
 ہر سادہ رو غلط ہونے کی دھن کہیں ہیں
 ہیں شیشیاں شراب کی پیالے بھری ہوئیں
 تو روز وصل میں لے بیٹھے پاس کن کن کو
 یہ سجادہ کے دل کے جلنے کی قدر
 ہمارا جامہ ہیں ہر گام عزیز
 تہوں کے تئیں کس قدر ماننا ہے
 اے صنم نہ تار بہنی تجھ وفا کے واسطے
 ہرگز آنے نہ دیں گے غیروں کو
 آکھڑا تو ہوا جو کوٹھے پر
 دل ہو گیا پھچھو لا پیارے تمام جل کے
 جب تک نہیں پہنچتی ترے آستانِ ملک
 پاؤں جنگل میں دھرنے نہیں دیتے
 زلیخا تنگ جب کی تھی بدگوئی کے طعنے سے
 تیری ان کالی کالی زلفوں پر

۵۶
 ایک کشتی میں پار ہوتے ہیں
 سجادہ تو گیا ہی عبث کس خیال میں
 تیرے دامن کے تئیں کھلی چھوڑیں
 لیکن کوئی نکالے تیرا خط تو لکھ دیں
 آنکھیں نشے کے سچ تھاری گلابیاں
 یہ راتیں بھر کی کاٹیں ہیں کیا اسی دن کو
 نہیں بوجھتی شمع اُس کو بجھاؤ
 یوسف اپنا پیر بن نہ کر رکھے
 یہ کافر مارجی خدا جانتا ہے
 در نہ کوئی کافر بھی ہوتا ہے خدا کے واسطے
 جان ہر چند ہم گئے ہوں گے
 گھر کے گھر عاشقوں کے بیٹھے گئے
 کیا تجھ نہال سے ہوں امید و ابھل کے
 تب تک ہماری خاک کی ٹہنی خراب ہے
 کیا پھچھو لوں نے سر اٹھایا ہے
 کیستی تھی عزیز باولی ہر جاہ کیا کیجے
 کیا گھٹا کی طرح برستی ہے
 سراجِ امش میر سراج الدین اورنگ آبادی، از سوز و ناہی عہدِ عالمگیر

خلد مکان بود۔ کلامش شورش تمام دارد۔ دین ابیات از دست
 مجھ سے غم دست و گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا
 آہ سوزال سے مری دامن صحرا میں سراج
 چاک سینے میں نمایاں نہ ہوا تھا سو ہوا
 قبر مجنوں پہ چراغاں نہ ہوا تھا سو ہوا

۱۵۹
 یہی مہنا پہاڑ کی گھونٹ سے گزرا آنکھوں کا
 نظرائی جا بندی مجھے کل کس کے ہاتھوں کی
 جھکی جاتی ہیں آنکھیں آج نرگس کی گلستاں میں
 واکس مست کے ہاتھوں میں اپنے شیشہ دل کو
 ہر طرح سے تجھ کو یار کرنا
 الہی یہ کیس چکا بھی ہونا سو آنکھوں کا
 کرا شک سرخ سے کاسہ ہوا معمور آنکھوں کا
 جن میں ذکر تھا خاید تری مخمور آنکھوں کا
 سیلماں تجھ سا کوئی دیکھا نہیں مخمور آنکھوں کا
 اس جی کے تئیں نثار کرنا

حرف الشین

شاہی دکنی آتش شاہ قلی خاں، درحیدر آباد از منسلکان ابو الحسن تانا
 شاہ بود این بیت ز تختہ از دست
 لانا ترک غیر سے کوئی بھوت کوئی سچ مجھ کے
 کس کس کا منہ موندل سچ کوئی کچھ کے کوئی کچھ کے
 مجھ شاہ کر تخلص بہ بشارت کر از دستان محمد علی حشمت بودہ - دے راست
 کیا پوچھے ہر حال لبوں کا
 جو ان پہ گزرتی تھی گزری
 گل توڑ کے تو تو گود بھری
 میر شاہ علی خاں دہلوی، جوان رعناے بود - در محمد نواب سر ج الدولہ
 بہ بنگالہ رسید و چند سال بہ فلاح و مسرت خاطر بسر برد و بعد انقرض ثروت نواب
 مسطورہ آوارہ گشتہ بہ لکھنؤ افتاد - و ازان جا بہ زمان دولت نواب عالی جاہ میر محمد قاسم خاں
 بہ عظیم آباد آمدہ چندے لازم نواب بود بہ دکن رفت و دران سر زمین انتقال
 یافت - دے راست

کیا مری آہ کیا صنم کی نگاہ
 ایک ترکش کے تیر ہیں بلند
 رباعی

جو دل کہہ سدا صم کا تھا جلوہ گاہ
 اب غیر صنم نہیں کسی کی چلن راہ

خودشیں دل میں ہیں باقی تس پہاڑی ہر بہار دیکھے کیا کیا شگوفے اب کے لاتی ہر بہار

میر حسین علی ساقی - احوالش معلوم نشد - وے راست

قفس کو تو جہن میں رکھ جو آزادی نہیں ممکن یہ اتنی عرض ہوئے کر کوئی صیاد تک پہنچے

سکندر رشید و بہ خلیفہ سکندر در در شہ گویا سلیقہ درست دارد و در قصہ خوانی و عرق کشی ماہر و خود را شاگرد نا جی می شمارد - این دو بیت چکیدہ قلم اوست -

جو دھک داغ دل سب پاک کیجیے تو جاری دیدہ نناک کیجیے

جلا جب آتش غم سے سرا پا علاج اس کا پھر پتیا خاک کیجیے

سلیم عظیم آبادی - نامش میر محمد سلیم - فکر سالم دذہن قایم دارد - بہ تحصیل قلیلہ کہ از تجارت بہم می رسد وطن می گزراہند - از دست

ہوا معلوم تو یہ خون دل کے جوش سے مجھ کو کہ زخم تازہ پہنچے گا کیونے نوش سے مجھ کو

شراب بے غدی سے کیا کچھ ہو تیغ قاتل کی کہ زخم اس کالے جاتا ہر ہر دم ہوش سے مجھ کو

سلیم اس نیکی سے اے زیر خاک جاتا ہوں کہ دُشمن گے لگا منکر نیکہ آغوش سے مجھ کو

سہروردت اسمش مفتی غلام مخدوم، متوطن قصبہ پھلواری شاگرد مولوی آیت

اللہ جو ہری تخلص - از چندے سجدت اقلے عظیم آباد مغرض گشتہ ذہن درست

دارد - وے راست

جو گلہ ہوا داغ دل خورشید تامل کی طرح چاک ہر سارا گریباں صبح غنڈاں کی طرح

ہوئے مئے میں عکس ترے خط کا لیل نمود پانی کے بیج جوں نظر آوے گباہ سب

لیل لیل ہوں گویا ہوں قمری ہوں گر تو سرو تو چاہے پہن خواہ قبا سب خواہ سب

سلیمان خان سلیمان تخلص، متوطن دہلی، در عظیم آباد آمدہ شاگردی اشرف علی

عظیم آبادی - جو خط لیل دارد - وے راست

۱۶۱
 عشق نے دل کو جلا کر خاکِ ناحق کر دیا
 ملے ہی اُس دوستِ دل میرا دشمن ہو گیا
 جانِ تجھ بن رہا نہیں جاتا
 دل پہ میرے جو کچھ گزرتی ہے
 افسوسِ آستیں سے پھوپھوں تو کیا کروں
 چھپے چھپتا نہیں کسی طرحِ شورش
 سر کو دکھ بالیں پہ باہم کوئی دم گر لیٹے
 پیدا کیے جہاں میں ہم نے ہزار دوست
 نہیں ہوتی ہے اتنی تو حسنا سُرخ
 گزر خاکِ شہیدال پر کرے ہے
 یہ کس دستِ حنائی نے کیا چاک
 گو نہ دی داد اُس کو شیریں نے
 وہ تو ہمان میں کتا ہوں بھلا آج کے روز
 مجھ سے کتا نہیں ہے یارِ افسوس
 آرزو جی کی رہ گئی جی میں
 یارِ آوے گا کب تک شورش
 اتلہ روئوں میں تے بھر میں لے جان کہ بس
 کتا ہوں نہ کہ مجھ کو مری جانِ فراموش
 ہے زیستِ مری یاد تری دہنہ اے ظالم
 کیونکر میں کروں دل سے تجھے یارِ فراموش
 اب بے کس ترے کلاں کو دل جانے ہے میرا
 گزرا تھا یا بھلا اُس کلا ہی دولتِ خانہ تھا
 پھر نہ کچھ سمجھا کیا اپنا تھا یا بیگانہ تھا
 مجھ سے یہ دکھ سہا نہیں جاتا
 کیا کہوں کچھ کما نہیں جاتا
 لختِ جگر سے ہے مراد امن بھرا ہوا
 ہمارا داغِ جگر تھا سو آفتاب ہوا
 اُس گھڑی پھر دیکھے کیا لطفت دکھلاتا ہر خوب
 تجھ سا ہر ایک بھی نہ ملے ہم کو یارِ دوست
 کیے ہیں کس کے خون سے دستِ دیا سُرخ
 عجب نہیں ہووے گرا ہوا سُرخ
 گریباں ہو رہا ہے جا بجا سُرخ
 سلام اپنا تو کر گیا فرہاد
 رونقِ بزمِ ہولے جان نہ جا آج کے روز
 ایک فسوس کیا ہزار افسوس
 مفت جاتی رہی بہارِ افسوس
 قتل کرتا ہے انتظارِ افسوس
 نوح کی روح کے دیکھ یہ طوفان کہ بس
 تازہ زیست نہ ہوئے گایہ احسانِ فراموش
 مر جاؤں اگر ہوئے تو ایک آنِ فراموش
 کوئی آپ کو کرتا نہیں زہنا رِ فراموش
 ہونے کی نہیں جی سے یہ تلوارِ فراموش

بُت نے یا رخصت کا گھر چھین لیا ۱۶۰ لا حول ولاقوت الا باللہ
 شورش : انش میر غلام حسین مشہور بہ میر بھیننا خواہر زادہ ملا وحید
 شاگرد میر محمد باقر، کہ تئیں دیکھو غلص می کرد، بود۔ دیوانش چار ہزار بیت از
 قصیدہ و مثنوی و غزل است شور کلامش مستحان را بخوش می آرد۔ از خلاصہ
 دیوان دوست

چھوڑا جو تو نے ہرودنا کو بھلا کیا	لیکن ستم بھی چھوڑ دیا یہ بُرا کیا
شکر خدا وہ بار نہ تھا یا رہو گیا	منہ دیکھتے گلے کا مرے پار ہو گیا
دکانہ دار غ دل کی سپرنے بھی ایک بار	جو تیراں نگہ کا لگا پار ہو گیا
خبر خدا کہ باز کو دیکھا میں خواب میں	جاگے تھے میرے تخت کس وقت سو گیا
لے دل ایس تو رہتا ہو کیا	کوئی دم میں دیکھ تو ہوتا ہو کیا
نکلا تھا دام زلف سے دل کو بچا کے میں	اس چشم رو سیاہ نے پھر کر بھنسا دیا
اب داد دل کی دیجیے یا میری جان تلجیے	دو دنوں میں ایک کبجے احسان ہو تمہارا
لٹنے سے ترے کچھ نہ ہو اکام ہمارا	اور رفت میں بدنام ہوا نام ہمارا
مرے مرنے سے اُس کی ہوئی تسلی	وگر نہ اب تک وہ بدگماں تھا
ملا دل جو گھبرا کے جا مارے گا	بنا پھر تو کس کو ستا مارے گا
مری جان کہتا ہوں غفر کسمت مل	تو کس کس مجھ کو لڑا مارے گا
دختر کو میں جان کے رو کر ڈلو سکا	پراپنی سر نوشت کو ہرگز نہ دھو سکا
میت پوچھو میرے رتنے کو تم اس کے سحر میں	جو کام برس نہ ہوا مجھ سے ہو سکا
یاں جان کا ہو سودا افشائے راز کرنا	منصور کے سخن سے تک احتراز کرنا
داناں اپنی گرسناؤں کا	ایک عالم کے تئیں رُلاؤں گا
کو دل ہونہ ہر شورش	شعب سال جس پہ دل جلاؤں گا

ہجر میں اُس کے لئے چین کہاں
 اب کون پیہ شراب تجھ بن
 برق کی طرح بے قرار ہوں میں
 دل جل کے ہو اکباب تجھ بن
 غرق ہو جاؤں کادہ سے تاکوہ
 غیر کی چاہ گر نہیں دل میں
 چوڑ زنداں میں مجھے آپ گیا یار کے ساتھ
 اگر بن تیغ چاہتے ہی شہادت
 روتے روتے چشم میری بہہ گئی
 غلیجہ و گل سب کھلے پڑتے ہیں آج
 غیشہ دل لے کے کہ مھر چائے
 کس طرح اُس کے دل میں جا کیجیے
 لطف و کرم کا تیرے امیدوار دل ہو
 کوئی صورت نظر نہیں چڑھتی
 آہوں کے ہاتھ سے شورش مرا
 ہو یقیں دل کو ہمارے جس کو اسے دو کر
 اُس شورخ سے کہا میں بس کی آرزو ہو
 ممکن نہیں شیشہ جو گرے یار نہ ٹوٹے
 میں اپنے تیغیہ سے ہراساں نہیں قاتل
 کب تمنا ہو مجھے عیش میں اوقات کٹے
 زلف میں تیری دل ہوا ہو گم
 ایسے جینے سے موت بہتر ہو
 نقد مل دیکھی اُسے شورش
 ۱۶۳
 برق کی طرح بے قرار ہوں میں
 دل جل کے ہو اکباب تجھ بن
 روئے ایک دم جو صحرایں
 آنکھیں کس واسطے جڑتے ہو
 دل نے کیا کام کیا مجھ سے گرفتار کے ساتھ
 تو جا کر دیکھ وہ دستِ خانی
 دیکھنے کی دل میں حسرت رہ گئی
 کان میں بادِ صبا کچھ کہہ گئی
 سنگِ حادث ہو جد صحرائے
 بس نہیں حلتِ آہ کیا کیجیے
 بال کر نہ اس کو آخرے یار دل ہو
 ہو وہی گردھیاں میں کچھ ہو
 دل کہاں ہو خوشہ انگور ہو
 ابروے خمدار تیری زور ہی تلوار ہو
 کہنے لگا کہ چپ رہ یہ کون گفتگو ہو
 دل اُس سے بھی نازک ہو خبردار نہ ٹوٹے
 دھڑکے ہو مر لول تری تلوار نہ ٹوٹے
 یاد میں تیری کٹے دن کٹے یارات کٹے
 کہہ دے شانے کے تئیں چلب کہے
 کب تلک کوئی انتظار کرے
 اپنے تئیں جو کوئی بیار کرے

۱۶۲ کیوں اس طرح سے روئی کھڑی زارنا شمع

دشمن کروں مزار پر اپنے ہزار شمع

جاؤں ہوں نقش پاکو ترے میں بجائے گل

اک جو رہاغبان ہو تس پر جفاے گل

کہ اُس نے کر دیا قاصد مرے کا کام تمام

اس میں جو ہونی ہو سو ہولے چشم

تجھے دیکھتا ہوں اگر دیکھتا ہوں

ترا بھی بھلا اب اثر دیکھتا ہوں

تو اگر لطف کرے یار تو کچھ دور نہیں

ہنستے ہی گھر سنا ہو بستے ہیں

کتنی مدت سے ہم ترستے ہیں

اس لیے داغ کو سینے کے نہاں رکھتے ہیں

مستعد رہتی ہو اُس کے آگے جل جانے کے تئیں

دیکھو تو ہم سے لگی ترس بھی نہ لانے کے تئیں

شمع رو ہاے کیا کیا تو نہیں

آشناؤں سے کیا کیا تو نہیں

حال شورش کا کچھ سنا تو نہیں

بس نہیں چپتا ہو مرا کیا کروں

ہاے سے ہاے کیا کیا ہم نہیں

نام بڑے کا جب لیا ہم نہیں

دھناک باغ اور بہار ہوں میں

پردانے کی نہ ہوتی اگر دل سے یار شمع

تب جانو کہ عشق کا مارا ہوں آہ سے

ظالم مرے مزار پہ گو تو نہ لائے گل

کیونکہ کر کے ببل جن میں آہ

بنو ز کہنے نہ پایا تھا وہ پیام تمام

ابر روتا ہو تو بھی روئے چشم

میں کب غیر کو بھر نظر دیکھتا ہوں

مجھے آہ تجھ سے توقع نہیں ہو

ہم متنا جو کریں وصل کی مقدور نہیں

ہم جو روتے ہیں لوگ ہنستے ہیں

ایک بوسے کو تیرے اے ظالم

خوف آتا ہو کہ خورشید نہ جل جائے کہیں

شمع سے کیونکر نہ ہوئے عشق پرانے کے تئیں

جان کر عاشق مجھے خوش چشم مشوقوں کا آہ

دل کو لے کر جلا دیا تو نہیں

غیر کی بات اک طرف ظالم

سر شکیب کر مواترے در پر

جی میں تو ہو حل میں تیرے جاکروں

کس ستم گر کو دل دیا ہم نہیں

سکا لیوں تک پہنچ گئی نوبت

یاد نکھوں میں تیری خلد ہوں میں

کیا کیا ستم نہ تھے جو کیے چشم یار نے
 جو سختیاں تھیں مجھ کو زمانہ دکھا چکا
 ماتم میرے کوئی نہ رویا تو غم نہیں
 تربت پر میری شمع کا ہنسا بھی کم نہیں
 تلوار کس پہ کھینچتے ہو ہم تو مر چکے
 پیلے ہو کس خون کے ہم ملی دم نہیں
 عبود بحر دنیا میں سبکداری سے کرتا ہوں
 جابجا سا شمار دم سے بے کشتی گزرتا ہوں
 آنکھوں کی سیاہی بھی سفیدی کی نذر کی
 لورہ کے تری یاد میں یوں شام سحر کی
 سنتے ہی نہیں یہ بت گمراہ کسی کی
 ان تھکے کس طرح اللہ کسی کی
 آچکا خط بھی یہ تیرا نسا نیا اک ناز ہو
 ہو چکی آخر بہار اور اب تئیں آغا نہ ہو
 مدت سے یہ بخت دریاں ہو
 پر علم نہیں کمر کساں ہو

لہ باعنی

اِس دور میں بدخماش اکثر دیکھے
 تھے وہ جو غلام تاج بر سر دیکھے
 لے لہجہ باز چرخ ہاتھوں سے تر
 اور اقی جاں تمام اتر دیکھے
 شاد آب۔ امش مالہ خوش وقت رائے مسکنش چاند پود نہ یہ است۔

انشا خوب می نوشت۔ از دست

دیکھ اُس کے منہ پہ زلف سیہ نام کے تئیں
 کیا زب دی ہو کفر نے اسلام کے تئیں
 بس ہو چکی شفا تو دلی زار کے تئیں
 لے کاش موت ہو ترے بیمار کے تئیں
 جب تک ہو کام مزرگاں سے تو ابرمت ہوا
 تیرے کہہ ہوتے بھی کھینچے ہو کوئی تلوار کو
 شہرت دہلوی آتش مرزا محمد علی شاگرد کیسی امان جرات در لکھنؤ میر

برہ از دست

کہا میں یار تو مجھ سے خفا ہو
 کہا جیل، کون تیرا آشنا ہو
 کہا میں تیرے ہاتھوں جاں بلب ہو
 کہا اُس نے ہی تیری سزا ہو
 شانی جان آبادی، امش امین الدین، در عظیم آبادی گزرا نہ از دست

۱۶۴
رباعی

لے جلان مے دل کو جلا یا نہ کرو قربان مے دل کو جلا یا نہ کرو
گر ہی نہیں نظر تو کا ہے گاہے ہر آن مے دل کو جلا یا نہ کرو
خسفا آتش حکیم یار علی، معاصر محمد علی حشمت بودہ اور است
جیوں دھانک دئے سے دونا کھلے ہی یا قوت چکا ہی رنگ پل سے جو ہر ترے لبوں کا
شاعر نیش میر کلوا از اقرباے خواجہ میر درد و در ذکاے ذہن معروف

از دست

گر گمانک بھی مرا کیجھ گاہے پھر جو جی چاہے کیا کیجھ گاہے
عوض لاکھ جفا ہی یہ ہیں ایک گرد وعدہ وفا کیجھ گاہے
تخ نگہ لگا ملک اور زخم دل فکا رہے آہ نہیں یہ واہ ہی تیرے ہر ایک وار پہ
میر فتح علی شیدا متوطن شمس آباد مؤد متوجاے میر سوز و شاگرد مرزا
رفع سودا است

دہ صورتیں الٹی کس ملک بستیاں ہیں اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں
آنے تلے کیوں عدم سے کیا کر چلے جاں میں پرگڑ زلیست نل آہیں میں ہنستیاں ہیں
شوق آتش حسن علی از شاگردان خان آرزو و متوسلان نواب عماد الملک

غازی الدین خاں - شہزادش در کمال لطافت و خدادادی است - از دست

اگر قاصد ترے کوچے شک جلدی نہ لے گے تو بیاے دیکھو پھر تو کہ میر جی ہی جاے گا
آج ہی تو تو بہت وعدہ غلط ہی کل کا جیوں طفل شک میں تو مہاں ہوں کوئی پل کا
تیری جفا اٹھاے یا جو آسمان کا انصاف کر تو ایسا چھری دل کساں کا
دکھا دیلا لے پایے کہ میں فرقت سے مرگڑا مری فوٹو عشر آج ہی میں کل سے درگڑا
کسی کو باغ دنیا سے نہ دیکھا تلوہم جاتے رنگِ شبنم کا عالم بہاں سے چشم تر گڑا

سینے میں آہ دل میں طیش اشک چشم میں شہرہ تو عاشقی کا مری جا کجا ہوا
غمرے سے اڑتا ہو جلاتا ہو ناز سے کیا ملک حسن کا لے صنم تو خدا ہوا

صفدری حیدر آبادی از قدماست۔ وے راست

سبز جامہ بریں پی کے رنگ بھینا دکھو شمع کا فوری پہ یہ نالوس مینا دکھو
صداق دہلوی، آتش میر جعفر خاں، نبیرہ معارف آگاہ میر سید محمد قادری
مرد صالح و پرہیزگار بود۔ بہارستان جعفری تصنیف دوست در مقبرہ جد خود آسود
است وے راست

یوں بیس غیر شراب اور مثال زنگس ہم رہیں دیکھتے ہی ہاتھ میں پیما نہ لیے
میر محمد علی صبر اکثر مرثیہ حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام انشائی کہ

از دست

گو کہ دلبر نے مجھ پہ جبر کیا میں بھی دل اُس کوٹ کے صبر کیا
غم ہجرت میں رات دل کی بے قراری سے نہ تھی فرصت مجھے وقت سحر تک ہزار سی
صانع بگرمی نامش نظام الدین احمد از آشنایان ابن راقم آثم است
در مشاد آباد زمان ثروت نواب میر محمد جعفر خاں اشتر با اتفاق ہم غز لما طرح می شد۔
در سخن سنجی صنعتا می نماید صاحب دیوان فارسی است۔ در سخته گاہے می گوید بالفعل

در کلکتہ بسری برد۔ از دست

کیا کہ کرگ یلی کو رخصت استحوال اپنا بچھوڑا ہے کچھ مجبوز نے صحرائیں اپنا
سجن کی اس محبت پر دیا تھا جان دل صانع نہ تھا معلوم ہو جاے گا وہ نامہاں اپنا

حرف الضاد

میر ضیاء الدین ضیا تخلص دہلوی، معاصر مرزا رفیع سواد از شاہجہان آباد

۱۶۶
 مت زخم دل مرے کو کوئی التیام دو
 شہید غازی پوری آتش مولوی غلام حسین دتے در رفاقت ذاب فضل علی
 خاں غازی پوری بکرمت گزرا نید۔ مرد سنجیدہ اطوار فضیلت شعار است۔ گاہے
 ذوق سخن می تند از دست

کچھ بس نہ جہا دل کا ترے زور سے دیکھا فریاد سے اور نالے سے اور شور سے دیکھا
 فیکس جو مرے انکب شرر بار زمیں پر سبز نہ اگے خاک سے زہار زمیں پر
 لے آبلہ پا مجھے یہ چشم ہی تجھ سے پیاسا نہ رہے دیکھ کوئی خار زمیں پر
 میر محمد شفیع از ہم محبتان مرزا رفیع سودا و تقی میر است۔ در لکھنؤ آزادگی
 تمام بسری برد۔ از دست

رات کیا ہو گیا تھا تجھ کو شفیع جب کھلی آنکھ دوتے ہی دیکھا
 یار کی پاؤں نہیں دو رکھ اپنے تئیں خاک ہوا چاہیے

حریت الصاد

صمصام الدولہ خان دوران بہار، موسوم بہ خواجہ عاصم، از امرائے عہد فرخ
 سیر بادشاہ بودہ و در زمان سلطنت محمد شاہ غفران پناہ امیر الامرا شد۔ در محاربہ نانہ شاہی
 بہ شجاعت تمام کشتہ گشت۔ اوصاف آن امیر عالی قدر بیرون از احاطہ تحریر
 است۔ گاہے بہ موزونی طبع شعر فارسی و رباعی نظم می کرد از دست
 نزدیک ہر خزاں کا ہوے گز جن میں اب شور کر لے بلبل آوے جو تیرے سن میں
 شکریا لب نے بس گرم جوشی سے آج مرے دل کو پہل میں مرنڈا کیسا
 صنعت آتش نعل خاں از متوسلان ذاب نظام الملک آصف جاہ۔ بود۔

از دست

بلائے آبِ خنجر ہم کو قاتلِ تشنہ جاتے ہیں
 رسوائیوں کی اپنی مجھے کچھ ہوس نہیں
 ہم رہے باندھے ہی محل کو
 کبھی جاگل کو دیکھے ہو کبھی دیکھے ہو نرگس کو
 جلیو وہ دل کہ نالہ کبھی جس سے سر نہ ہو
 نہ چھو آبداری سے نیاں اُس کے شرکھاں کی
 ضیا کو عشق نے کس کے کیا ہو بے قرار ایسا
 بے کسی اور بے بسی اور یا اس وغربت چھا گئی
 یار جو ہو سو بے وفا ہووے
 آہ کیا جانے کہ کس کی آنکھ سے ہم گر گئے
 اُس نگہ سے نہ پوچھ کیا گزری
 تیرے ضیا کا حال جو پوچھا تھا شمع سے
 یہ آرزو ضیا کے دل کی بتاں خدا سے
 کون سے زخم کا کھلا مانکا
 دل تیرے پاس ہو کہ نہیں خیر ہو ضیا
 ضاحک دہو ہی آتش میر غلام حسین، در بندہ گوئی و نہرانی ماہر و در فیض آباد
 بہ لاہر وائی می گزرا نہ - اور است

کیا دیجئے صلاحِ خدائی کو لبیک
 مرزا ضیا بیگ ذکاے طبعش ازین بیع روشن است دے راست -
 ایک دم کے واسطے ملت جھیرے بادِ سموم
 یہ چراغِ خانہٴ بلبل ہو گل ہو جائے گا

وارد کھنکھتہ کرتے درآن شہر گزرا ہند۔ اکثرے از موز و نالِ آں دیار بشاگردی
 اور آمدند۔ بالفعل در عظیم آباد بسری برد۔ از لعلہ سخنہائے آں روشن ضمیر است
 جمع کر کے دوسرے تو نے پیدا دل کیا کہ تو لے دست قضا بھر اس سے کیا حاصل کیا
 دل دیکھ اس کی آنکھوں کو مہوش ہو گیا دو ہی پیالے پی کے یہ بے ہوش ہو گیا
 شل سشار جا بھی نہ کی گرم مر گئے اپنا چراغ جلتے ہی خاموش ہو گیا
 میں نے پوچھا کل ضیائے لکوکید صحر دیا اُس نے کوچے کو ترے بتلا کے پُپ دے رو دیا
 جھوڑ و شیمہ میاں آہ یہ بیدادی کا تاکہ کرجاوے اثر مت کسی فریادی کا
 دل جل کے راگھ ہو گیا یار و رہہ گیت مدت ہوئی جگر سے دھواں اٹھتا رہ گیا
 کچھ کل سے بھی زیادہ ہے تاب آج تو قاصد ضیا کو کسی خبر آج کہہ گیا
 دیکھو لے دو تال چپکا ضیا کیوں ہو گیا مر گیا بے تاب ہو یا روتے روتے سو گیا
 باو بھی کھائی نہ تھی دل نے کہ کھلنے لگا آہ یہ غنچہ تو کچھ کھلتے ہی مرجھانے لگا
 قیس دیوانہ ہوا اور کوہ کن جی سے گیا عشق ہم کو بھی وہی پھر کام فرمانے لگا
 کل کی رسوائی تجھے کچھ بدلتی تھی لے ننگ خلق اُس کے کوچے میں ضیا تو آج پھر جانے لگا
 اُس زلف میں کہ خطا میں دل زار گم ہوا کیا جانے کہ صر وہ گرفتار گم ہوا
 نالہ سینے سے کب نہیں اٹھتا شعلہ اٹھتا ہو جب نہیں اٹھتا
 آہ سے سمجھے دل کو آگ لگی یہ دھواں بے سبب نہیں اٹھتا
 مجھے رونا آتا ہو دیکھے سے دل کے یہ ویرانہ اک وقت گھر تھا کسی کا
 آہ کس قد کس ہنس کس رخ کے دیوانے ہیں ہم گاہ قمری گاہ بلبل گاہ یروانے ہیں ہم
 ضیا کے دیکھ کر دل کو بسل میں ہم کو رنگ آیا کہ رہتا تھا بول ہیں اپنا بھی اک ہمد پہلو میں
 رونے سے آگ دل کی کیا خاک سود ہوے آنسو کی جاگ بھاں تو جنگاریاں جھڑپ ہیں
 رو دیں ہم نرموں کو کیا یہ چرخ کے سب بھر ہیں شمع محفل تھے جو کل سوراگھ کے بٹ حیر ہیں

یہ جھٹکوا جامہ زہ بود امن اپنا ہاتھ اُس کے سے
 دیکھ کر باغ باغ ہو تے ہیں اپنے اُس گلخزار کی صورت
 جسے نہیں کہہ سوا اپنے آشنا کی یاد
 بے وفا سختی نہ کر تا وہ بھی دل پریاں ٹانگ
 وصل میں بھی جب خیال آتا ہے ڈرجاتا ہوں میں
 خاطر میں نہیں غرور سے لاتا کسی کے تئیں
 ہمارے دل کو سب سے ہم جام سے کام
 کس طرح کی ہو رسوائی کس کو پروا ہے
 باندھے ہو کشکی تری صورت کو دیکھ کر
 کیوں نہ ہو اس سیر میں دیوانگی شائے تئیں
 کون پوچھے ہو ظہور اس جنس کی خواہش کے
 تو نہ ڈر تک اٹھا نقاب کے تئیں
 تری مژگانِ عابر کی طرح بے طرح دیکھوں ہو
 بحث ہستی ہو تیرے دیکھنے کی آرزو مجھ کو
 زخمی نہ کر تو تیغِ وفا فل سے اب مجھے
 مراد اُس سے کہنے کو بہت باتیں بناتا ہے
 میرا رقیب ظالم آپ ہی ہوا یہ کیا ہے
 ظاہر نامشِ خواجہ محمد خاں تربیت از میرزا منظر یافتہ در زمانِ محمد شاہ مرحوم
 اتریں جہانِ دگدگشت - اور است

پھر زلیخانہ نیند بھر سوئی
 جب یوسف کو خواب میں دیکھا
 اے آہ اس قدر تو گر بے اثر نہ ہو تی
 ممکن تھا کہ اُس کے دل کو خبر نہ ہو تی

حرف الطّ

طیش دہلوی ناگرد خواجہ میر دردہ از منسلکان سرکار شاہ زادہ دالالتبار

جہان دار شاہ است - از دست

سرنگوں پر کر جو تک اس کا خیال رو کیا صورت خود شہید میں آئینہ زانو کیا
ساغرے سنہ تک پہنچا جو اس کے طیش عکس رنگ لبے اس کو صورت لو ہو کیا
ہر سرنگشت سے لکھنے میں خوں مچکے ہی آہ یاد جب وہ نند قیں آتی ہیں عتابی مجھے
ایک پہلو میں نہیں آرام آتا ہی طیش مضطرب رکھتا ہی از بس پر خ دو لابی مجھے
میر شمس الدین مخلص بہ طالع جوان قابل دزبیا و متوطن لکھنؤ بود۔ دے راست
ز بس معمور ہی سینہ مرا الفت کے دانغوں سے ننگاف سینہ اپنے کو در گلا ارکتے ہیں
عرصے میں ہر لے زاہد اس دور میں پیمانہ مسجد کے تئیں جاویں کیوں چھوڑ کے مے خانہ
آباد کر لے طالع تو جل کے بیا باں کوں منے سستی مجنوں کے ویران ہی ویرانہ
طرار۔ اسٹش گردھاری لال قوم کا تیہ، متوطن امر وہہ و شاگرد محمد قائم

است - از دست

نہ سلجھانے کے ہاتھوں بھی زلف تیری نہٹ کو تیج پڑا ہی معاملہ دل کا
آہ اس شوخ نے احوال نہ پوچھا ہرگز لڑچکا روٹھ چکا بیٹھ رہا مل دیکھا

حرف الطّ

ظہور۔ اسٹش میر محمد باقر ابن بہان میر باقر است کہ در حرف الحاک ذکرش
آمد۔ دوا و ایل مشق سخن حزن مخلص می نمود۔ آخر بہ ظہور قرار داد شاگرد میرزا منظر
و بہخت کلامش انظر۔ دے راست

چوں گل از بسکہ جنوں ہر دمے سالان کے ساتھ ۴۳
 مرادل یوں لیٹتا اس کی شمشیر ہلالی سے
 بندے ہیں تیری چھبک مہ سے جال والے
 تنہا جو میں چلو طرف وادی جنوں
 ایک بوسہ دے لے کافریت خدا کے واسطے
 محمد عارف متخلص بہ عارف ابر آبادی دشاگرد مضمون درد ہلی دکان دگر
 داشت۔ از دوست

دختر رزگو کہ کہ اُس سے ملے در نہ عارف انیم کھاے گا
 ہزاروں معنی بایک دین دل میں لے عارف اگر زلف میہ کا بیج اس کے منہ پہل جاے
 مرزا عباس علی خلیف عسکر علی خاں، سلسلہ نسب ایشان بہ نواب علی مہوان
 خاں مغفور می رسد۔ بار اتم خان مذکور دوستی دہربانی مفرط داشت۔ از مرزاے مسطور
 است۔

روتے روتے نہ رہا نام کو نم جٹوں میں آبرو کیونکہ رہے گی مری ہم جٹوں میں
 محمد عطا معروف بہ عطا بانکا در شاہ جہان آباد بصری برد۔ وے راست
 ہمارے دل میں اٹھتے ہیں بھبھو کبھو تو آشنا تھے ہم کسو کے
 خبر بھی آنے سے رہ گئی ملے بکو ترا گئے پیتم کے کو کے
 رقبہاں دیکھ کر جلتے ہیں ہم کو گویا رشتے میں ہیں اس شمع رو کے
 عطا کر مہر کو ذرہ انھوں نے جو عاشق ہیں وہ تجھ سے ماہر کے
 شاہ رکن الدین متخلص بہ عشق دہلوی مشہور بہ شاہ کھیٹا نواذہ شاہ فرہاد
 نقش بندی است از دہلی بہ مرشد آباد رسید لباس دنیا چندے با خواجہ محمدی خاں
 روزگار بعزت حرمت گز انید و بعد اذان بطریق آبائی خود لباس درویشی در ہر نودہ

ظہور: ہاشم خسرو سنگھ در عہد احمد شاہ بودہ - از سخن ہائے دوست
 رقیب مند سے دو انا ترا ہواور نہ یہ بوالہوس کوئی برباد خانہاں دیتا
 چشم گریاں حسن سے معمور ہی چاندنی برسات کی مشہور ہی
 از بس کیا بہار نے سب کو ہزار سبز ہی کیا عجب جو رنگ سے نکلے شراب سبز

حرف العین

سید عبدالولی عزت تخلص خلف الصدق شاہ سعد اللہ سورتی و درویش
 صاحب دل بود بہ بد حلت پدہ وارد دہلی گشت و طبعش بترختہ گوئی یایل شد و بعد از ان
 در زمان دولت مہابت جنگ از دہلی بہ بنگالہ رسید و در مرشد آباد احیاء نواب مسطور
 از متوسلان او بود و بعد انتقال ایشان بہ دکن رفت اشعارش مدون و سراپا لطافت
 و بلاغت است - از دوست -

بہ جز رفاقت تنہائی آسرا نہ رہا
 مجھ سے غبار دل میں ترے بیشتر کیا
 سولے بے کسی اب اور آشنائے رہا
 عزت گمان یوں تھا کہ جل کر ہوا ہی خاک
 خاموش ہوں کنالوں نے کیا خال کر کیا
 مست نکل جا جی تو شادی مرگ ہو کر دام میں
 پھر دودا دل نے مرادیدہ ترکیب
 تو بھتا ہی خوشی سے بے طرح دل مجھ سے بسمل کا
 اس قدر تک تو بھر مک جو خوش ہو دل صبا کا
 جلد مر گئے تری حسرت سے ہم
 اکی میری چھاتی پر نہ رہے پاؤ قاتل کا
 ہوش و دل لے کر ہمارا تو نہیں لیتا اسلام
 یہ ترادیر کا آملہ نہ گیا
 عشق کامل سے نمایاں ہو ہی آخر حسن یار
 فے جواب لے بے موت ہم نے تیرا کیا کیا
 نیم بسمل ہوا میں تیغ نگہ تیرا رکھ لی
 بید بخول میں ہی لیلی کے کھلے بالوں کی طرح
 ہم کبھی حیدر میں بھولے بھی نگور لے اے صنم
 کس بھلے وقت برا ہو گیا ضیاء کس
 جز فرہوشی تری اور کیا کریں گے یلہ ہم

مددِ انکس بہا بات بنا کہتے ہیں
 ہنس کے کہتا ہر کہ چپ نہ اسے کیا کہتے ہیں
 خوش ہوں میں تجھ سے صنم وعدہ فردا نہیں دوں
 پر قیامت ہو جو وہ دن ہو فراموش کمیں
 عاشق کی گور زاہد تار یک کیونکے ہوے
 جوں آفتاب تاباں ہو داغ دل کفن میں
 رسوائی جو جو ہم نے ہر شکاری میں اٹھائی
 دیکھی نہ ہوگی مجنوں تو نے دوان پن میں
 جان ہی کو جہاں سمجھتے ہیں
 یہ تبسم نہیں ہو کچھ بے چہر
 ایسا جگر جو رکھے سو اس سے دو بد ہو
 یہ تبسم نہیں ہو کچھ بے چہر
 حیرت کو دل میں مت رکھ شمشیر آدھے
 مر گئے تری جھاؤں سے قاتل تڑپتے تڑپتے
 بیٹھا ہوں یاد آنکھوں میں آنسو بھر ہوے
 نبض باراں سے ہو تبسم گل
 دیکھ نقش و نگار گلر دکا
 تے یا قوت لب کی دیکھ کر یہ گوہر افشانی
 جس کے سینہ میں چاہ ہوتی ہو
 طاقت ہو کیا زباں کو ترے آنچے ہل سکے
 حیرت نہ دل کو کام ہے کیا برگ و بلور سے
 عمدہ نامش سیتا رام از مردم کشمیر و معاصر خان آرزو بودہ - این ابیات

عمدہ دوست

مے چراغ ساروش کوئی چراغ نہ تھا
 کسو کے سینے میں ہرگز مر اس داغ نہ تھا
 وگر نہ سیر جن کا مجھے دماغ نہ تھا
 جن میں کھینچ کے لائیں ہیں گلر خاں مجھ کو
 مر چکے ہیں تیس پنوش آباہی ویرانہ ہنوز
 دل ہمارا دشت ہا ہوں کا ہو دیوانہ ہنوز

۷۴
 رحل اقامت در عظیم آباد انداختہ تا این زمان کہ سال ہزار و یک صد و نو دو چار ہجری
 است در بلدہ مذکور بشغل وجد و حال اکثری باشند دیوان ریختہ اش ہزار و پانصد بیت
 دیدہ این چند بیت منتخب آن است

جلوہ گرفتہ ہوا جدمر دیکھا	عرش تا فرش سیر کر دیکھا
اس طرح کا کہیں جگر دیکھا	تیر کے نام پر ترڈ پھٹا ہے
تیری آنکھوں کے آگے سبز یہ بادام کیا ہوگا	ننگو ذباغ میں ہستا تھا اس کے خام دھوپر
تیری آنکھوں سے آشنا نہ ہوا	دل ہوا جل کے تو تیا تو بھی
وہ عقید میں یجن کو کھلتا نہ دیکھا	ترا چین ابرو مرا غنچہ دل
پہر سنس کے تو نے تماشا نہ دیکھا	میں رو رو کے آنکھوں کی عشق بازی
کوئی بیمار چشم کا نہ جیا	اپنی آنکھوں سے ہم نے دیکھا ہر
سوئے تیرے نہ دیکھا غرض جہاں دیکھا	حرم میں نام سنا دیر میں نشاں دیکھا
مقدور جہاں ہونے قضا کا نہ قدر کا	دل کس طرح اُس خنجر مرزگاں کا سپر ہو
ایک میں بس جہاں سے گزرا	اور کو مسموم دکھائے صورت
پرنے کی طرح ایک بھی دما نہ پایا	سب عمر مجھے آہ و فغاں کرنے ہی گزری
آنکھیں بھراتی ہیں خون دل سے پیمانے کی طرح	یاد آجاتی ہے جو جب ساقی کے آجانے کی طرح
پایا ہر اب صنم کو ہم نے خدا خدا کر	باتیں نہ بنا اتنی زاہد تو بیٹھ جا کر
ان کے دم سرد سے حذر کر	افسردہ سمجھ نہ عاشقوں کو
غرض روتے ہی روتے مر گئے ہم	ترے ہاتھوں سے چشم تر گئے ہم
پھر اُسے دوسری نہ آئی شام	زلزلے نے جن کے تیس دکھائی شام
تھے تیری طرف جدھر گئے ہم	کہنے کو اُدھر اُدھر گئے ہم
تو نے کہا مر تو مر گئے ہم	تا جہاں نہ ہو وے عدل حکمی

نواب حسین قلی خاں بخدمت امینی شہر جہانگیر نگر چندے با احترام روزگارداشت
بالفعل مرزاے مسطورہ در مرشد آباد ساکن و بخدمت آنجا مشغول اذا شاطر بنگیر

اوست

جو خوش طالع کہ شادی مرگ تیری بزم میں ہوئے
نہیں وہ روزِ محشر کے بھی تا مقدر اٹھے کا
ہو دل کو مے راہ ترے دل سے خبردار
لگ جاوے بباد نہ کہیں دل بدل آتش
کریں کیونکر نہ کوچے میں تے لے یا مسکن ہم
ہوے ہیں خاکس در کی لکس جاکس کے دامن ہم
بات اب امتحان پر آئی قصہ کوتاہ جان پر آئی
عاشق موسوم بہ میر بجلی و مخاطب بہ عاشق علی خاں متوطن دکن بودہ -

این بیت اُوخون از رگ جان می چکاند

ہیں شہید کہ بلا سب سرخ پوش مصطفیٰ کی آل کا کیا رنگ ہے
عزیزِ ماضی بکھاری داس شاگردِ خواجہ میر درد مولدش دہلی است و آبائش
از متوطنان جو پور بودہ اند قبل ازین بہ بعضے خدمات بادشاہی مامور بودہ الحال
درالہ آباد مقیم است از اشعار اوست

اس رات تو فرقت سے مے جی پہ بنی ہو
ہر ایک ستارہ مجھے ہیرے کی کنی ہو
جو دم کہ نکلتا ہے سو ہو تیر ہو ائی
جو سانس کہ پلٹے ہو سو بر بھی کی انی ہو
کرے نہ یار اگر دل کو صاف کینے سے
عزیزِ موت بھلی بھر تو ایسے جینے سے
علی اعظم خاں تخلص بہ عاشق خلف محمدی خاں و مرید شاہ گھٹیا بہ ترک لباس
دنیا چند سال پیش ازین انتقال نمود - دے راست

روزِ دشب یار سے ملا کیجے
جہن اس پر نہ ہو تو کیا کیجے
محمد عظیم تخلص بہ عظیم از شاگردان مرزا رفیع سودا متوطنان دہلی است
خواہی پیالہ خواہ سب کیجو کلال ہم اپنی خاک پر تجھے نثار کر چلے

کمی تو نے نہ کی کچھ باغباں سیر ستانے میں
 نہ بابا جین سے رہنے میں اک مآشمانے میں
 جن میں اُس کے آنے نے منغض کر دیا مجھ کو
 خلل صیاد نے ڈالا سرے دھو میں چانے میں
 نہ اپنے مبتلاؤں پر غضب لے لو جاؤں رہے
 انھوں کو لبری کیجے انھوں پر مہر پاں ہے
 ناصح کا یہی کام ہے تدبیر کرے
 جو ہو فے دوانا سے زنجیر کرے
 اس میں دبیجے یا مے لازم ہے اُسے
 تدبیر کے کرنے میں نہ قصیر کرے

ناحق تو بتاں سے آشنا ہوتا ہے
 کیوں درد و بلا میں مبتلا ہوتا ہے
 مطلق نہ مروت ہمسازوں میں نہ وفا
 مجھ سے بھی عبث دل تو جدا ہوتا ہے
 عاصی نامش نور محمد توطن برہان پور دکن بودہ - اور است
 سمجھ ہیں ہم کہ اب کہیں تم نے بھی مل دیا
 بیٹھے کہیں ہو بات کہیں ہے نظر کہیں
 آنا تھا تیرے منہ کے مقابل ہوا آفتاب
 ایسا اگر اک تیغ کہیں اور سپر کہیں
 عشقی تخلص سید ابوالحسن - اباشاہ بادشاہ دکن کا ہے شعرے زبان

خود می گفت - از دوست

کس کا ہوں جاؤں کہ میرے دل کو بل بھڑا ہے
 اک بات گئے بول گئی پر دل تو بلہ باٹ ہے
 عارف علی خاں تخلص بہ عاجز از ابلی اکبر آباد و اشعارش مدون است

ابنظر نامہ - این دو شعر از دوست

دل بفل مارے ہو جاتے ہیں سب کتب کھل
 شیخ سعدی تم بھی ابے کر گلستاں دوڑو
 دو لو کوہ و صحرا پر جنوں میرا ہوا حاکم
 کوئی جا کر کو فرلہ و مجنوں کا وکیل آوے
 عمر دکنی نامش معتبر خان از شاگردان ولی دکنی و منصب داران آنجا

بود - دے راست

تلیں میں دل لے کے یوں کرتے ہو
 کہ گویا ان تلوں میں تیل نہیں
 مرزا محمد عسکری تخلص بہ عیش موطنش دہلی خلع مرزا علی نقی کہ از طرف

جو دیکھے تجھ کو بل گلی سستی ہزار ہو جاوے
 اگر گل تجھ ملک پہنچے گلے کا ہار ہو جاوے
 اشرف علی خاں تخلص بہ فعال برادر رضاعی احمد شاہ ابن محمد شاہ سلطان
 دہلی بودہ۔ لہذا بہ خطاب کو کہ خانی سرفرازی داشت۔ در اواخر سلطنت احمد شاہ
 اردہلی برآمدہ بہ صوبہ اودھ رسید۔ چندے در آن دیار توقف ورزیدہ در اوایل
 عشرہ سالبعہ بعد ماتہ والف بہ عظیم آباد وارد شد۔ روسا، آن شہر اور اگر اسی داشتند۔
 دخان مذکور جاگیر و آل تمغا حاصل نمودہ بغراغت می گردانید۔ و در مزاج راجہ
 شتاب رائے ناظم عظیم آباد دخل تمام داشت۔ و بواسطت راجہ مسطور خطاب
 ظریف الملک بنام خود گرفت و در سنہ ہزار و یک صد و ہشتاد و شش رحلت نمود۔
 و در عظیم آباد مدفون گردید۔ کلیات ریختہ اش دو ہزار بیت دیدہ شد۔ اکثر سخننایش
 تازہ مضمون است و سرایا لطافت و نسبت شاگردی مرزا ندیم درست داشت۔
 از افغان ہائے شورش افزائے اوست

خون آنکھوں سے نکلتا ہی رہا	کاروان اشک چلتا ہی رہا
اس کھنپا پر ترے رنگ حنا	جن نے دیکھا ہاتھ ملتا ہی رہا
اڑول تو برہنیں رکھتا چلوں تو پا نہیں گھتا	رہا کر یا نہ کر صیاد میں پروا نہیں رکھتا
لگا کر ہاتھ ملک دیکھو سر چاک گریباں کو	کہ یہ دست تو ہرگز دامن صحرائیں کھتا
مے واسطے ساقی نہ میں اب چشم تر آیا	دل دیکھتے ہی ابر کو لا چار بھر آیا
مت ڈھونڈ گزک کو اے میخوار ادھر دیکھ	یہ لے تری خاطر مرا لخت جبکہ آیا
گریبان چاک کرتے کہاں ہم	اگر بہ دامن محسرا نہ ہوتا
مراقظہ اشک دریائے ہوگا	جو آنکھیں یہی ہیں تو کیا کیا نہ ہوگا
میں دیتا ہوں لکھہ مانگے ہی ہوگی	خریدار یہ کی تو سودا نہ ہوگا
اگر تلخی عشق شیریں نہ ہوئی	تو کیوں جاں کنی اتنی فراہ کرتا

میرزا ابوالدین عاشق شاگرد میر حسن در لباس مدد ویشی بخوبی ظاہر و باطن
معروف است۔ اذوست
پہنچے نہ پاس ہم کبھی اُس گلزار کے دام و قفس میں جاتے رہے دن بہار کے

حرف الفین

غالب تخلص نواب اسد اللہ خاں سید الملک از عہد دولت نواب مہابت
جنگ الی الاں در بلدہ مرشد آباد استقامت دارد۔ سید بزرگ مرتبت بافتوت و مروت
است و در فن طبابت نیز ماہر گاہے بہ ہوزونی طبع انشاء شعر و تخیل می کند از دوست
عجب کیا ہو اگر اگر خگر گریں اب میری آنکھوں کہ دقتا ہو دل پر سوز آتش بار ہوں میں
میر تقی تخلص بہ غریب متوطن دہلی و ملازم نواب عالی جاہ لودہ۔ اور است
اکہی مت کسی کے پیش در در انتظار آوے ہمارا دیکھے کیا حال ہو جب تک کہ یاد آوے
غواص احوال معلوم نشد۔ این بیت او سمع رسید
جو کوئی مردع دل میں برہ کا بیج بو تا ہو تو ہر گل اس کے بستان چھ گل امید ہو تا ہو

حرف الفا

میرزا ابوالدین فقیر عباسی دہلوی از سخنوران برگزیدہ ہندوستان در جمیع
فنون شعر و در عبادت۔ چند سال پیش ازین بقصد زیارت عتبات عالیات شرفا
لود۔ بعد مراجعت گویند غریب دریائے آمرزش گردید۔ بنا بر تفضیل طبع گاہے رتختہ
می گفت۔ اور است

خالی تیری بیاض گردن پر نقطہ انتخاب ہو گیا
آئینے کی طرح بنے ہیں ہم دیدہ انتظار کی صورت

شب فراق میں دینا جگر کو داغ ضرور
 نہیں جفا سے خطا ہوں نہ میں ذرا سے خوش
 بھر ہی ہر آستیں کو ہوسے داماں یک طرف
 دیر و کعبہ میں بھی فریادی ترے موجود ہیں
 ان بلاؤں سے فحاش جاں پر نظر آتا نہیں
 طاقت کہاں کہ جائیے قاتل کے گھر تک
 خریداروں کو ہنستا ہے سہرا دل
 گرہ دے رکھ نہ ان کو کھول ظالم
 لے گور میں چشم تر گئے ہم
 دیکھا نہ فحاش گیب مراد دل
 تنہا نہ در کو دیکھ کے گرتے ہیں شک چشم
 ہو کر ترے قفس سے میں آزاد کیا کروں
 نہ لے قاصد میں رو رو یا رکھی فریاد کرتا ہوں
 بہار آئی مرے پاؤں میں پھر زنجیر کرتے ہیں
 شمع رو خلوت میں مست ہے راہ پروانے تر گئیں
 گرد و جزا داغ شب ہجر دکھاؤں
 قبا اپنی کرے ہر آج وہ رشک جن رنگیں
 کرے جو ذبح تو کر خنجر مڑگاں لے ظالم
 گرد و قتل لب کو سخن سے میں واکروں
 رجا ہے جب سے مرا گلہزار آنکھوں میں
 کہیں تجھ ہجر کی کس طرح سے اتیں نہ بڑیا

جہاں ہے خانہ تار یک دال چسپ راغ ضرور
 ہے ہر یہ دل محزون تری فضا سے خوش
 بڑ گئے ہیں چاک سینے میں گریباں یک طرف
 سر نیکیا یک طرف ہندو سماں یک طرف
 تیغ ابرو یک طرف ہے تیر مڑگاں یک طرف
 لے جاے یل اشک مگر اس کے در تک
 جو تو لیوے پکستا ہے مراد دل
 ابھی نہ لہو میں پھنستا ہے مراد دل
 روتے روتے ہی مر گئے ہم
 اودھروہ گیا اوھر گئے ہم
 سوراخ دل میں کرتی ہیں کاؤں کی بالیاں
 بے بال و پر ہوں لے مرے صیاد کیا کروں
 ترا منہ دیکھ کر اپنے لکھے کو یاد کرتا ہوں
 مبارک ہو جنوں گھر کو ترے آباد کرتا ہوں
 لے ترے قربان میں کیا کم ہوں جل جانے تیرے
 تو صبح قیامت کے تئیں شام کروں میں
 خدا جالے کرے بے رنگ کس کا کھنجر رنگیں
 نہ تر ہوئے ترا دامن نہ میرا پیر بن رنگیں
 تیرے ہی دست و تیغ کو قاتل دعا کروں
 خزاں ہوئی ہے چین کی سہا سگھوں میں
 کیریں انگلیوں کی ہوا گئیں گنتے ہوئے گھڑیا

خدا کے واسطے قابلِ مہِ افعال نہ کھینچ
 جسم کر کے کیا پیچھے نے پایا
 آیا ہر خط نمود میں اُس خوش نگاہ کا
 کس طرح چھپاے سے چھپے چاند کا ہالا
 بہار آئی ہو سونے کو ملک جنگا دینا
 ترے لبوں سے اگر ہو سکے مسجائی
 چاہا بہت کہ خانہ دل میں ہو گوشہ گیر
 میں اگر آرزو سے وصل میں مر جاؤں مگا
 رو دیا ہوں میں تے مثل نگیں ہوں ظالم
 قابلِ اسی کے ہوں کہ سرایا ہوں داغ داغ
 رفتہ رفتہ بت خوش قدم آفت ہوگا
 صورتِ محالِ دلِ عاشق نمایاں ہو گیا
 نہ وا ہوا نہ مرے دل کو باغ باغ کیا
 زخمِ جگر کو پردہ نشینی ضرور ہے
 نہیں بھاڑا ہو دکھلانے کو پیشِ پیر ہی اپنا
 عبت کہ ہوتے ہو تم بدگماں مرا صاحب
 تری تو حد سے زیادہ ہیں گالیاں کھائیں
 کرے تیغِ آدمائی کے لیے وہ دستانِ منت
 مرا ہم چشمِ یلدا بر ہو سکتا ہو کیا قدرت
 یاد کر گوشہ دان کو اس ظالم کے
 رہا نہ تھیں جہاں میں نہ نافہ لیسلی

تری بلا سے مرے جی پہ جو ہوا سو ہوا
 گرفتہ دل تو ہنس کر کیا کرے گا
 شاید اثر ہوا ہی مرے دو دواہ کا
 ہو گوشہ زد خلق ترے کان کا ہالا
 جنوں زرا مری زنجیر کو ہلا دینا
 تو ایک بات میں جیتا ہوں میں جلا دینا
 لیکن خدنگ ناز ترا پار ہی رہا
 حسرتِ دل کو بھلائے کے کہ مر جاؤں مگا
 میں ترانام نکالوں گا جد مر جاؤں مگا
 اس نخل سے مراد یہی تھی کہ پھل گیا
 قدم آگے جو رکھے گا تو قیامت ہوگا
 دیکھتے ہی آئے کو یار حیراں ہو گیا
 یہ وہ ہے جس نے طبع کو داغ داغ کیا
 یہ داغ ہر کسی کو دکھایا نہ جانے گا
 مجھے تو کو رہیں بھی چاک کرنا ہو کفن اپنا
 قسم ہے لیجیے حاضر ہو جاں مرا صاحب
 بس اب سنبھالو تم اپنی زباں مرا صاحب
 اگر اس واسطے مارا پڑے عاشقِ جلالِ منت
 کوئی میرے برابر آج ہو سکتا ہو کیا قدرت
 سخت اُلجھا ہو مرا ہاتھ گریبان کے بیچ
 کیسو کے دل کی صدا دہائی جس کے بیچ

لے فغاں طاقت کہاں دل میں جو کیجے انتظار
یاد جب آئے گاتب کی بات اب تو ہم گئے
ملا ہر خاک میں تن دل کی آرزو نہ گئی
عجب یہ گل ہو کہ مر جھا گیا پہ بونہ محکمی
چشم پر خم میرے حق میں حلقہ زنجیر ہو
کس طرح آنا دہوں آنسو بھی دامن گیر ہو
شائے سے فغاں بھیرا لھتا ہو مراد دل
اس کا کل مشکیں کا کوئی تار نہ ٹوٹے
ڈالا ہو مجھے عشق نے اُس شوخ کے پالے
دل دیتے ہی مجھ کو تو پڑے جان کے لالے
دیکھ کر دل کو مر گئی مرگال

لے دل آرام کچھ کو ہونا معلوم
درد شب ہجر جی سے کھونا معلوم
اس چشم سے خواب کی توقع نہ رکھ
رونا تو نصیب میں ہو سونا معلوم
گر تو نے کی یاد یاری و دل بھی گزری
گر ہم نے کی آہ و زاری و دل بھی گزری
سنا ہو مری جان تو راضی رہنا
یوں بھی گزری ہماری و دل بھی گزری

شیخ فرحت اللہ فرحت ابن شیخ اسد اللہ از فرزندان قاضی منظمہ
جانشین ہزار شاہ بدیع الدین مدار است و آبائش ماوراء النہر اللہ شیخ مسطور از
دہلی بہر شد آباد رفت و مدت ہائے مدید در آنجا بسر بردہ از جهان در گرفت۔ دیوانش
دو ہزار بیت دیدہ شد کلامش تفریح بخش خاطر سخن سنجان و زہمت افزاے طبع نکتہ
رسان است سو شوق سخن دست قابلے داشت۔ از کلام او مست

اک روز بھی وہ بت نہ ہوا رام ہمارا
بر باد گیا مفت میں اسلام ہمارا
لے وعدہ فراموش جو آتا ہو تو اب آ
کیا فائدہ جب ہو ہی چکا کام ہمارا
درد و الم و نالہ و بے طاقتی و آہ
یہ کچھ تو صنم ہم نے ترے پیار میں دیکھا
جگر میسے سے آنکھوں میں سرنگِ خوچکل نکلا
بدخشاں سے یعل قیمتی کا کارواں نکلا
ہوائی آڑ گئی یک بارگی منہ پر دو عالم کے
مے سینے سے جب یہ نالہ آتش فشاں نکلا
نظر آبا سو امیرے ترے تئیں اور بھی عاشق
گلی میں لے کے جب تو اپنی تیغِ استحاں نکلا

۱۸۲
 اس تیغ کا فخال کوئی ہوئے سپر کہاں
 سینہ عشاق سپر چاہیے
 دل تو مدت سے فخال ہے چکا
 کھنچ رہا ہے اس لیے مجھ سے ترا دا ان وصل
 نہ آنسو مری چشم میں کم رہے ہیں
 زیارت کروں کیونکہ زخم جگر کی
 کس کو فخال داغ کہ یوں سراغ دل
 ڈرتا ہوں یہ کہیں دل سہل تر پھرتا ہے
 رسولے خاص و عام ہوں جاؤں جہاں لیے
 کر چاک جب صبح قیامت دھائے
 تیرا نگہ حریت دل بے قرار ہے
 کئی داغ سینے میں رہ جائیں گے
 مجھے چھوڑ مت جانیوسل اشک
 فخال حالت نزع میں یار سے
 شانے کی کشمکش سے کہیں دل میں ٹوٹتے
 کہتے ہیں فصل گل تو جن سے گھٹ گئی
 شکوہ تو کیوں کرے ہر مرے انکس سرخ کا
 روز و شب روتے ہی گزرتے ہی حال پنا ہے
 جو بہا چشم سے خوں گوشہء دال جانے
 کیا کیا مرنے تر پھمکے دکھائے میر غ دل
 رکھ ہاتھ میں اس نگ کو یہی ناموری ہے
 رکھتے ہیں دل بھی بہ مرا ساجگر کہاں
 دل لے لگانے کو جگر چاہیے
 جان بھی حاضر ہے اگر چاہیے
 مالک انوس کو پھر شغل بے کاری نہ ہو
 خدا جانے کس واسطے تھم رہے ہیں
 یہ بھلے اترتے نہیں جم رہے ہیں
 مدت سے گم ہوا ہے کہاں جستجو کریں
 رنگیں کرے نہ واسن قاتل تر پھرتا ہے
 اس داغدار دل کو بھروں میں کہاں لیے
 پر ہے عزیز خاطر سودگاں مجھے
 ناک جنبش مرہ میں کیلئے کے بار ہے
 یہ آنسو نہیں ہیں کہ بہ جائیں گے
 ترے ساتھ ہم بھی نہ بہ جائیں گے
 جو کچھ دل میں رکھتے ہیں کہہ جائیں گے
 اک عمر چاہیے تری زلفوں سے چھوٹے
 اے غنایب تو نہ نفیس بیج مر گئی
 تیری کب آتیں مرے لوہو سے بھر گئی
 خواب میں بھی نظر آئے سو خیال اپنا ہے
 ہاتھ سے جو کہ ہوا کام گریباں جانے
 افسوس وعت نفس سینہ تنگ ہے
 لخت دل عشاق عقیق حبگری ہے

مت تو دل کے تئیں کہ بنایا نہ جائے گا
کوچہ یار میں جاہم سے پھر آیا نہ گیا
تو جو اے نالہ نہیں اس کو اثر کرنے کا
ایک دم بھی نہیں جاتا تو نظر سے میری
ہیں سر بہ حبیب جن میں جو وہ خدا جانے
فرحت جو اُس کی زلف تو چھو تا ہر گھڑی
تری مژگاں کو کب آئے ہر غم عشاق کے دل کا
والہ کی تیرے رات کو کیونکر لگے پاک
کھولے وہ اگر زلف گرہ گیر ہوا پر
زندگی میں تو رہے صدمے دل غمناک پر
کرتا ہی ترا باغ میں جب جلوہ گری رنگ
مانگے ہی مجھ سستی جو میاں بار بار دل
سینے میں اپنے شیشہ دل کو کہاں رکھوں
اے رنگ پاں بیوں کا ترا خوب ہی لہو
عاجز کیا ہو تم نے دل و دیدہ تو سہی
مجھ خاکسار میں تری وسعت سمائے کب
اب ہم سے درد و غم بھی چراتا ہی اپنا جی
ظلم ہی ظلم ہی کچھ رحم کا اسلوب نہیں
اگر کھڑا ہو سراو پر نمازیں وہ صنم
معصیت میں اس طرح سے نہ ہو جو دل طلا
ساتی بغیر تیرے ستم ہی ہوا ہی ابر

ایسا یہ لعل پھر کبھی پایا نہ جائے گا
دل کو جیوں نقش قدم واں سے اٹھایا نہ گیا
فائدہ کیا مرے نت خستہ جبکہ کرنے کا
میں ودا نا ہوں ترے آنکھوں میں گل کرنے کا
دہان یار نے غنچوں سے کیا سوال کیا
دیوانے کیا ترے تئیں ہر شوق مار کا
نہیں ہی خنجر قصاب کو کچھ درد بسمل سکا
کچھ بھی رکھے ہر ربط دل بے قرار و خواب
بندہ جاوے وہ نہیں صورت زنجیر ہوا پر
بعد میرے دیکھیے کیا ہو قیامت خاک پر
ہوتا ہی ہر اک چہرہ گل سے سفری رنگ
رکھتا ہی پاس اپنے کوئی کیا ہزار دل
گلتی ہی تھیں آہ کی اس کو جاں رکھوں
اس کے لبوں پر اب کے اگر میں دہاں رکھوں
اُس کو چھپا کے جان کے میں درمیاں رکھوں
کیونکر زمیں کے بیج میں لا آسمان رکھوں
رونے کو چاہیے تو ان آنکھوں میں نم نہیں
میں ترے صدمے یہی بات تری خوب ہیں
گرے جو سجدے کو زاہد تو میں سلام کروں
چکیں ہیں جیوں بتوں کے منہ اوپر بندیاں
گلتی ہیں بوند پاں سے دل کو کٹا ریاں

قتل کرنا ہی اگر مجھ کو سنبھل کر نہ کچھ
 رات کے کٹنے کی تدبیر کوئی مجھ کو بتا
 یار و سرشک چشم کا میں کیا کروں گلے
 جن میں کیوں نہ معلوم ہیں گلے سے لگے فنجوں کے
 دل نے تئیں اپنے نہ میں عاقل و دانا سمجھا
 جی بھٹکنے میں لیا اس دہن تنگ کا نام
 چشم اُس کی کو کیا جب بے نوشیں معلوم
 آوازِ خندہ گل جس کو نہیں خوش آتی
 میں کس شمار میں ہوں بھٹکے گا جب گھر سے
 آخانہ چشم میں پیارے
 ملا تو پاؤں سے اغیار کا دل
 دکھایا ہی جو زلفِ درخ تو فرحت کو نہ ہوا نفع
 چاہا کی بات تو کچھ اور ہی انصاف ہو اور
 قامت اس کا کہے ہی یوں ہر دم
 وصل کی شبک لٹاؤ لچھڑے ہیں ہی فرحت کٹی
 دکھاؤں گا میں رسوائی کو کیا منہ
 ہوا مشاق جاتے ہی ہواے بام و لبر کا
 تہوں کے ہاتھ میں میں ہوں پریشاں جو لگانا ہی
 خدا کے واسطے اب بھی تو ضبطِ فغاں لے دل
 بتوں کی سختی دل دیکھ فرحت نے دیا ہی جی
 رفتہ رفتہ عشق میں فرحت میں گھبرانے لگا

تیرا واسن مے لو ہوتی بھر جاو سکا
 دن تو ہر طرح مری جان لڑ جاو سکا
 یہ طفل بد سرشت تو مجھ کو ڈبو گیا
 اسی صورت کا اپنے پاس لے فرحت کبھی ل تھا
 جن عشق کا اک بے بسل شیدا سمجھا
 میں نے مرم کے یہ کل رات معنا سمجھا
 ملک الموت کو اپنا میں مسیحا سمجھا
 مالے یہ کب بہا لے وہ شوخ خان دے گا
 دیکھ اس کو جان اپنا سارا جہان دے گا
 کب تک مے دل میں تو بھرے گا
 پھپھولا جی کا میرے آج بھوٹا
 یہ دیوانہ تے کو پچے میں صبح و شام آئے گا
 لے زلیخا مہ کفناں ہی طرح دار ایسا
 میں قیامت ہی کر دکھاؤں گا
 خواب وہ کرتا رہا میں بال سلجھاتا رہا
 گر یہاں کو مرے ناصح نہ سینا
 اگر پاؤں تو میں لو ہو بیوں ایسے کبوتر کا
 کیا ہی عشق نے مجھ کو نہ ایدھ کرنا و دھڑکا
 ترے مالے نے تو بہرہم کیا دیوانِ عشر کا
 بنا ناصقبہ تربت پہ اُس کی سنگ مرم کا
 دل گیا تھا ہاتھ سے پر اب یہ جی جانے لگا

کبھی وہ باسیں اندام میر ساتھ سویا تھا ^{۱۸۷} اسباب تک لئے گل آتی ہو ہر تار نہالی سے
 کس کے دل کو ہو خوشی جو دین اور دنیا ملے آرزو اپنی تو یہ ہو تو کیس تہنٹا ملے
 دل مرا کو چہ جاناں میں قدم رکھتا ہو یہ گد آرزو سے سند جم رکھتا ہو
 ہچکیاں لئے مری جان نکلتی ہو آج دیکھ کر رات تری طرح یہ بکھلانے کی
 ابرو نہ ہے اُس کے کہ مژگاں نے کیا قتل تر وار کا کچھ جل نہ سکا تیر کے آگے
 سفر کا عزم کر کے گھر سے اپنے پار چلتا ہو کوئی دم میں مرا اب ہا ہے یار وحی نکلتا ہو
 خاک پر کوچے میں اس کے بیٹھنا قسمت ہوا نفرت فرحت مل گیا تخت سلیمانی مجھے
 کیونکر کے تجھ کو درد سے آگاہ کیجیے دل ہی نہیں رہا ہو جواب آہ کیجیے
 رنے کے بعد مجھ پر کیا کیا ستم نہ ہوں گے دیکھیں گے غیر تجھ کو اور ہا ہے ہم نہ ہوں گے
 محبت میں تو شیریں کی پڑا پیروں پر مڑتا ہو دوائے کوہ کن کیوں گور پر تو گور کرتا ہو
 ہر روز جو آہ سرد بھرتا ہوں میں اور نالے پہ نالے شب کو کرتا ہوں میں
 نکلا آوے ہو بے قراری سے جی معلوم نہیں ہو کس پہ مڑتا ہوں میں
 میر فرخ علی فرخ - از سادات اٹا وہ - نجابت و شرافت اختصاص است

اور است

چشم سے نور گیا تن سے تو اں جی سے صبر عشق میں تیرے ہوا مجھ سے جدا کیا کیا کچھ
 فارغ دہلوی - از طبقہ ہندوان و شاگردان حاتم و از معتقدان مولوی فخر الدین
 است صفائے بخش از مطلعش پیدا - اور است
 اشک آنکھوں سے جو نکلا سو وہ گو ہر نکلا بعد مدت کے مری چشم کا جو ہر نکلا
 فضل دکنی - امش شاہ فضل علی - از معاصرین نجم الدین آبرو بدہ - از دست
 مصور گرتی تصویر کو چاہے کہ اب کھینچے لگا دے ایک سارا چاند چہرے کے بنانے کو
 سخن کو میں کہا تک منہ کو دکھلا کہا آئینہ رونے بیٹھ منہ دیکھ

میں مرجھا ہوں پہ خواہاں ہو نہیں سکتے ہیں
 جو تجھ کو قتل ہی کرنا ہے مجھ کو بسم اللہ
 دل کے تئیں اپنے تجھے یاد دیے جاتا ہوں
 طیش و ذالہ و فریاد و تر پھٹا مرنا
 میں نے بوجھا کہ میاں تیرے وہاں ہو کہ نہیں
 اک بات میں کموں جو تو مجھ سے خفا نہ ہو
 ناصح بتوں کے عشق میں بے اختیار ہوں
 کس کا کروں میں شکوہ اور کس سے ہوں بخید
 مت بیکھولے اشک مے اپنے تو گھر سے
 آوے ہو صبا تجھ میں تو کچھ اور ہی ہوا آج
 دامن کی ترے گونڈوں سے اب لاگ لگی ہے
 آہستہ رکھ قدم کو صحرا کے بیچ ناقے
 کہہ رہا میں بزم میں اُس سے نہ کرو عوا حُسن
 جو بچا ہے غیر دیس دل کو تجھ کو سخت مشکل ہے
 کس راہ جہیں سے ترے تئیں ذبیحے شبیہ
 یہ سنگ دلی مجھ کو تمھاری نہیں بھاتی
 بلبل کو جس طرح سے پھرے گل کی بو لیے
 فرما ئیے جو کچھ تجھے حاضر کر دل جان سے
 کل باغ میں وہ غیر کو لے گھر سے جو گیا
 جو ساتھ غیر کے وہ گلزار گزیدے ہے
 پیارے ہر ایک سے مل اتنا نہ ناز کیجیے

مرے مزار پر آگیاں سناتے ہیں
 خدا نخواستہ کیا جی کو ہم چراتے ہیں
 حسرت و مل تری ساتھ لیے جاتا ہوں
 عشق کا کام جو ہوتا ہے کیے جاتا ہوں
 کما سنہ مار نہ اس کا کوئی یاں ہے کہ نہیں
 جو چاہے کرستم پہ صنم بے وفا نہ ہو
 کیا چاہتا نہیں کوئی اپنا بھلا نہ ہو
 دشمن ہیں مے جی کے اپنے یہ دل و دیدہ
 پا لہ ہے تجھے لعل میں کس خون جگر سے
 سچ کہہ تجھے سو گندہ ہے آتی ہے کہ صھر سے
 دل جاوے کہ صھر چاروں طرف آگ لگی ہے
 پاؤں سے اپنے بچوں تک خار کھینچتا ہے
 کٹ گئی نہ شمع کی آخر زباں گلگیر سے
 تھے پاؤں پہ لوٹے ہے یہ کچھ کمکت کا دل ہے
 شرمندہ ہے یوسف تری تصویر کے آگے
 آخر کو تو ہم بھی تو بندے ہیں خدا کے
 پھرتی ہے ایسی مجھ کو تری آرزو لیے
 لاؤں پہ یہ دل کو ترے دینے کو کہاں سے
 ہم سر نپک ٹپک پس دیوار رہ گئے
 خیال جی میں مرے سہنرا گزیدے ہے
 عاشق کو بواہوس سے تک امتیاز کیجیے

عجب طرح کی دل میں آتی ہیں لہریں
کچھ تو سبب ہے نامہ بر آج تک بھر نہیں
جس دن کا سچ و غم دیکھے ہیں
دل میں ہے سوط کھا ڈھونڈ لیجے کیا ہے کیا نہیں
کوئی پروانہ سال صدقے کوئی قربان جاتا ہے
نہک چھڑکے ہے زخم دل پہ جب تو مسکراتا ہے
تب رفتہ رفتہ اُس بت کا فرسے راہ کی
جی میں ہزار باتیں فرصت ہے ایک دم کی
مفت میں میری جان جاتی ہے
اُس کو طرزِ جفا خوش آتی ہے

قدومی دہلوی نامش مرزا محمد علی مشہور بہ مرزا بھپو در عظیم آباد خدمت شاہ
گھنٹیا میگزرائند و توارفے بابراد زرد را جہ کلان سنگہ خلف راجہ شتاب راے نیز
دارد۔ ذہنش در زحمتہ کوئی رسا و بار اقم آشنا۔ اشعارش مدون است و مد است
بے خودی اور شرم سے باتوں کا کس کو پوش تھا
تجھ سے ہوتے ہیں درد مند جدا
یہ رنگ آئنے جو عیب جو تھا
رفتہ رفتہ اپنے جو ہر یاد دکھلانے لگا
کیا تسلی کر گیا تھا یا اس دل کی مرے
یہ رنگ آئنے مل بیٹھنا جس پر نظر کرنا
تمنا کس کی ہے شمع سچ کہ کچھ تو جی میں اب
قل کر کے مجھ کو حاصل کیا کیب
تھی دل کو یاد آہ کس ابرو کماں کی کل
دل کو لے کر بنائے باتیں
بیگانگی ہیں نہیں تجھ سے کسی طرح

گو کرے کوئی بند بند جدا
وہ پانی پانی اس کے دوبرو تھا
آئین کا سانپ نکلا یہ تو جی کھانے لگا
یہ تو کچھ جانے ہی اُس کے اوٹھ ہرنے لگا
اسی منہ سے ملے تھے آن کر نہک نہ ادھر کرنا
نہیں بے چیر تیرا شام سے رو رو سحر کرنا
اس کو کیا کہتے ہیں قاتل کیا کیا
ہر موبدن پہ اپنے بجائے خندنگ تھا
وقت ہے اپنے اپنے تابو کا
ہم سب طرح تہ ہیں تو سمجھے کسی طرح

فراق دہلوی آتش مرقضی قلی خاں ہندوستان زاد و زبان محمد شاہ غفران پناہ
 از ملازمان توپ خانہ بود۔ در عہد مہابت جنگ وارد مرشد آباد گشت و در آں جا ساکن
 بود بلا خرد و غنیم آباد بعلت باقی از سرکار بہ قید راجہ شراب راے افتادہ تھا مل نمود۔
 ! مزار رفیع سودا دوستی داشت۔ وے راست

تماشا اس چین کا کس کے دل کو شاد کرتا ہے یہاں اک لب تبسم غنچے کو بر باد کرتا ہے
 اسیر کی قسم تجھ کو صبا بچ کہہ کہ گلشن میں کوئی اُن ہم نواؤں سے ہمیں بھی یاد کرتا ہے
 فدائش سید امام الدین بنا کر دمرضی قلی خاں فراق در عہد مہابت جنگ
 از دہلی بہ بنگالہ آمدہ استقامت و وزیدہ۔ مرد آزادہ است۔ وے راست

مست شراب و بند قبا و اکیے ہوئے پوچھا میں اس طرح سے چلے ہو کہاں میاں
 کہنے لگا لے تیغ کو غصے سے ہاتھ میں سنتا ہے بے یہ کون زبان ہے میاں میاں
 ہوا ہے جب کہ وہ بے مہر دور آنکھوں سے گیا ہے تاج تو اں دل سے نور آنکھوں سے
 ہم کو فدا مال نہ زر چاہیے مہر کی تک اس کی نظر چاہیے
 دل کو لے کر دغا کیا ہم سے بے وفا تو لے کیا کیا ہم سے
 میں ہوں قربان اس کے کہنے کے تو نہ بولا کر اے فدا ہم سے
 تو میرا حال بن آئینہ دیکھ کیا جانے کہیں ہیں کس کو محبت تری بلا جانے
 دل جب کہ لے دوست دیکھا ہم نے کیا کیا نہ جفاے دوست دیکھا ہم نے
 دشمن کا دوست دوستوں کا دشمن کوئی نہ سوا کے دوست دیکھا ہم نے

فرصت آتش میرزا الف بیگ متوطن الہ آباد است۔ وہ بہ شیوہ سپاہ گری
 فکر معاش ہی کندہ دیار خود سخن سنج بے مثل است۔ این ابیات زبدۂ افکار دوست
 کو بچے ہیں سب معطر گھر رنگ ہے چمن کا کھولا ہے جب سے تو نے یاں بندیر ہیں کا
 تجھے جس گھڑی اے صنم دیکھتے ہیں تماشا خدائی کے ہم دیکھتے ہیں

رفع سودا بہ فرخ آباد آمد و خجالت کشیدہ برگشت گویند یوسف زلیخا بزبان رنختہ
نظم کردہ - دے راست

مرزہ کی ٹوک سینے میں نگاہ یار لے ڈوبی کہ جیسے بھال تو دے میں سری یک بار لے ڈوبی
میر فتح الدین فخر تخلص خلف میر اشرف علی خاں تذکرہ نویس از شاگردان مرزا
محمد رفیع سودا مست - و در گفتو استقامت دارد شعر بسیار نظم کردہ اما بہ راقم نہیں
بیت اور سیدہ -

بات کیجیے غیر سے اور ہم سے منہ کو موڑ لیے تاکہ خدا سے ڈر کے ان وضو کو اپنی جھوٹے
فروغ آتش میر علی اکبر شاگرد میثم الدین فقیر در طبابت و علم نجوم دخلے
دارد و شعر فارسی می گوید - این ابیات رنختہ از اوست -

صفا سے ساعد میں کو دیکھ کر تیری گیا ہر ہاتھ سے یک دست اختیار مرا
جس تو شب کو ہر آسودہ قافلے میں فروغ پہ ہر نفس دل نالال ہر بے قرار مرا
ایسا نالال ہوا شب کو دل بیمار کہ بس شمع کے ہمایہ بکار پس دیوار کہ بس
گرچہ مخور سیہ مست ہیں تیری آنکھیں لیکن ایسی ہیں وہ دل لینے میں ہشیار کہ بس
میر فیض علی فیض تخلص فرزند و شاگرد میر محمد تقی است - دے راست

کبھی نہ لفت تک لگ چلے ہوں تو نہیں تم سے دل پڑا زور رکھتے ہیں یونہی مار مار اپنا
دن رات آگ ہی میں دل کو لٹا رہے ہیں داغ فراق اس کے چھاتی جلا رہے ہیں
فریاد آتش صاحب رے قوم کا تہہ ساکن گفتو و شاگرد میر سید محمد سوز
قبل امیر قمران تخلص می کردہ - اور است

غم جب سے ہر اہر یار دل کا کوئی نہیں غم گسار دل کا
دل کو امید رہائی سے اٹھایا ہم نے عشق کے دام میں جب پاؤں پھنسا یا ہم نے
جان کو حال ہمارا نہ سنا اُس نے کبھو سو طرح مرثوہ اثنافوں سے سنا یا ہم نے

کہنے نے دلائی یاد مجھے آہ سرد پھر
 شمع کی طرز جلا کچھ نہ بچا آخر کار
 دن تک قرار وصل رہا رات کچھ نہیں
 درد دل قابلِ بیاں نہیں
 بوجھ اپنا نیاز کرتے ہیں
 رکھوں کس طرح آہ آتشِ عمان کو
 اکیلے گل بوے نہیں تاب تجھ خسار کے آگے
 ستم گر جان کر یہ زلف ناگن مکھ پہ کیوں چھوڑ دی
 تری تیوری چڑھی کو دیکھ کر فدا سی بھی بننا تھا
 مانند برق ایک جھلک بس دکھا چلے
 پھرتے تھے تم تو آنکھ بچائے چھپے چھپے
 جیوں شمع گو کہ سر سے ہلا رات ٹل گئی
 ملے وہ غیر وں مہرِ شاہیں کب آتا ہی نہ لگتا
 تری ہم نے تا شیریں آہ دیکھی
 سینے کو چاک کرے جو یہ مسکن اس کا
 روز سینے کا داغ جلتا ہو
 یارو ملے اب کوئی کسی سے کس طرح
 جیوں آئینہ کب تلک ظاہر داری
 غیر وں سے ہمیشہ گرم جوشی ظالم
 سوئے میں تے تو ہم کہیں کے نہ رہے
 فدا دی لاہوری، مرد خود پسند بر خود غلط بود ساز وطن برائے مباحثہ مرزا

کیسی ہوا جلی کہ اٹھا دل میں درد پھر
 سرستی پاؤں تلک جل ہی بچھا آخر کار
 مگر وہو قول دلت کے یہی بات کچھ نہیں
 در نہ کس کے میاں زباں نہیں
 خود برداں پہ ناز کرتے ہیں
 یہ جیوں برق جھانکے ہی نہ آسمان کو
 تری انکھیاں کے آگے سیم دوزر گس بھی ہار آئی
 سنہال اس کو اب لے ظالم یہ میر جی کو مار آئی
 تبسم جب کیا تو نے ہنسی بے اختیار آئی
 بجلی ہی ہم پہ پڑنی تھی کیا آئے کیا چلے
 نکلا کہ صحر کو چاند جو آئے چھپے چھپے
 دیوانے فکر آج کی کر کل کی کل ٹھٹھکی
 یہ دھلتی پھرتی ہو چھاؤ فدا کی بھی دھر دھرتی
 نہ آیا وہ کا فر بہت راہ دیکھی
 سچ بتا کس لے قبا تیری لنگل دوسی ہو
 دن دیے یہ چراغ جلتا ہو
 منصف ہو ذرا دل میں کرو اتنی غور
 سنہ پر کچھ اور مٹھتیہ بچے کچھ اور
 اور ہم سے ملے تو یہ خوشی ظالم
 پھر کس لیے یہ خود فروشی ظالم
 فدا دی لاہوری، مرد خود پسند بر خود غلط بود ساز وطن برائے مباحثہ مرزا

میں تو گلشتِ جن سے یادگار
 جاؤں میں کدھر تب مجھے یاد نے گھیرا
 ہم پر ایامِ مصیبت آج پھر آنے لگا
 کب تک لے نالہ زیر لب رہے گا توڑہ
 وہ دل جت گراٹھا جو بغل سے اپنی
 ہو گیا دستِ جنوں چاک گریباں میں بند
 ترے حضور میں جب قصدِ عرضِ حال کیا
 میں داغِ تازہ مول توڑے ہیں اس قدر
 بڑا ہی اس کے گلوں میں گروہمِ اعجاز
 کیا کیجیے بھروسہ اُس نالہ سحر کا
 تیرے بغیر پیارے اب جی پر آبنی ہو
 دل سدا سینے میں جلتا ہی رہا
 تو نے گو مجھ کو ملا سے میں رکھا
 اس چشم سے ہو کے آبِ نکلا
 دستِ بدظلم سے تیرے ہیں جتنے ہم خراب
 گھڑی رونا گھڑی سر کو پگھلنا
 ہرزہ گردی سے رہائی کی چھڑا
 جان ہو وابستہ اس بکلیاں کے سدا
 ذرا قفس سے قفس تو ملائے رکھ صفا
 تجلی جلوہ فرما ہو صفا سینہ پیداکر
 ہو نالہ دل آتش و آہ جگر آتش

شل شبنم چشم تر لے کر چلا
 ہر چار طرف جلوہ دیدار نے گھیرا
 بارگھر جانے لگا لے لو لے گھر جانے لگا
 حوصلہ باقی نہیں بس جی تو گھبرانے لگا
 سو وہ نہ ترشکِ زلف پریشاں نکلا
 آہِ داماں شرفِ چاک سے محروم رہا
 ہجومِ گریہ نے میری زباں کو لال کیا
 کتا یک بے کا کا سہ پُرانہ ہلال کیا
 ترے لبوں نے میٹھا سے کیا سوال کیا
 جن نے کہ منہ نہ دیکھا اک صبح بھی اثر کا
 ہر سانس کو جگر پر ہو حکمِ نیشتر کا
 لختِ دل آنکھوں سے ڈھلتا ہی رہا
 جی مرا تو بھی نکلتا ہی رہا
 سینے سے دل خراب نکلا
 اس قدر ہوئے گا اس عالم میں کوئی کم خراب
 خوشایامِ اوقاتِ محبت
 پھر مجھے زنداں میں لے نہ بھر کھینچ
 میرے پہلو سے نہ اپنا تیر کھینچ
 کہ تا اسیر کریں مل کے ایک جا فریاد
 اگر دیدار کا طالب ہو تو آئینہ پیداکر
 کیا زمیت ہو اپنی ادھر آتش کدھر آتش

حرف القاف

قدرت دہلوی آتش شاہ قدرت اللہ زبیدہ کلمۂ سبحان و غلامہ سخور ان
معاصرین خورش است در تنظیم رخنۂ معنی بندی و فصاحت از دست نمی دہد۔ غرض
سخن و صاحب اقتدار بلاغت شعرا است۔ از دہلی بہ مرشد آباد رسیدہ توطن اختیار نمود۔
تا حال ہماںجا بہ امداد نظم آن دیار بسر می برد۔ اشعارش از ہزار بیت متجاوز دیدہ شد۔
از سخنمای لطیف و پاکیزہ اوست

بیت اکثرن میں شب کہ ترا انتظار تھا
کھٹکا ہر ایک در کا مے جی کے پار تھا
کیا آسرا ہو ہستی نقش بر آب کا
خالی ہر نکتوں سے خیمہ حباب کا
بند نقاب کو ذرا کھڑے سے کھول کر
لے آفتاب موڑ دے منہ آفتاب کا
بے تابیوں سے یہ دل بے تاب رہ گیا
ابنی طبعش میں جل کے یہ سیما رہ گیا
آنسو تھے ہیں پر نہیں سوکھی ہیں چشم تر
دریا اتر گیا پہ بہ گرد آب رہ گیا
ہنگامہ پر ہیز و ورع اب بس آیا
اے بادہ کشاں مژدہ کہ پھر ابرو تر آیا
کچھ دیر ہوئی اشک نہیں آنکھوں گرتے
شاید تہ مژگاں کوئی لخت جگر آیا
دل ہوا سیر زلف سیہ فام رہ گیا
آگے نہ چل سکا تری منزل کو چھوڑ کر
قدرت کس آسرے پہ کئے گی یہ زندگی
جب کہ وہ رخ تہ نقاب چھپا
اُس بنا گوش کی خیالت سے
منکر بادہ محتسب آیا
خوشا ہنگامہ شر کہ مذہبے گناہاں کوں
اُس بنا گوش کی خیالت سے
دو چار کشمگان ظلم وہ جلا دہو وے گا

لخت دل اور اشک ہرگز خاک پر گرنے نہ دے
 گراں ہو مرے جی پہ بارگریاں
 نہ رکھ چشم و فاقہ قدرت تباہ سے
 تیرے غمناک جد مرزاے کو سر کرتے ہیں
 گئے وہ دن کہ پلک سارتے یاں دریا تھے
 دل سے کہا سناں نے کہ سینے میں یلں رہوں
 یا حکم ذبح کیجیے یاد تیجیے نجات
 قدرت بہ زیر خاک بھی آرام کب لے
 مرجب آتش دوری کہ جلایا ایسا
 تم نے تو منہ چھپایا اُس زلفِ عنبریں میں
 میں رکھا ہوں ابرو کماں کے نشان کو
 اڑائی ز بس خاک ماتم میں دل کے
 پریشاں خاطر طے کو اور دو نامت پریشاں
 بولومت جنوں سے ماننا از بسکہ پیرا ہوں
 شب تاریک بھراں ہم سے کتنی کس طرح قدرت
 مانہ ہو سنگ حوادث سے زیاں شیشے کو
 دم جلیغ بخش کی اس کے جوڑی ہو یہ دھوم
 دل گم گشتہ خبر دار کہ یاں سینے میں
 اشک اب آنے سنی کچھ تھم رہے
 اب تو اس منزل سے نہیں اٹھتے قدم
 ہماری خاک پر کہتی یہ طبل بے قرار آئی

بھرے اے قدرت تو ان لعل و گہرے آستیں
 کروں گا جدا تار تار گریباں
 وفا کو یہ بہت کم جانتے ہیں
 ایک عالم کے تئیں ز میوز بر کرتے ہیں
 اب بعد خون جگر چشم کو تر کرتے ہیں
 ناوک یہ پوچھتا ہوں بھلا میں کہاں رہوں
 تاکے شگنچ داموں میں نا توں رہوں
 یہ درد و داغ ساتھ ہی میر جہاں رہوں
 جل بجھے سر سے لے پاؤں تلک اور دودھیں
 یہ شام غم ہماری اب کس طرح سحر ہو
 ہٹا چھیرے بوست مرے استخوان کو
 کیا ہم نے آخر ز میں آسماں کو
 نہ چھیرے مجھیش باد صبا زلف پریشاں کو
 گر کہاں ڈھونڈے ہو دکن کا ورد ان کر یا کو
 اگر دشمن نہ کرتے ہم جڑ لغ داغ حراں کو
 کوہ دامانی میں رکھتا ہوں نہاں شیشے کو
 لب عیسیٰ نے مگر تیری زباں چوسا ہے
 تیرو یاد سدا رہے جا سوسی ہے
 لخت دل مژگاں پہ شاید جم رہے
 ہر باں آگے چلو غم ہم رہے
 اے کس نیند تو اب ہو دے اٹھ بھلا آئی

جز داغ تدارک نہیں اس داغ جگر کا
 پہلے کو اگر داغ سے چھائی کے چھڑاؤں
 سینے کو دیکھ اس ہول سوزاں کے داغ داغ
 چل بے دنیا سے بن دیکھے ترا دیدار حیف
 زخم پہونے نہ پائی رہ دل ناکام تک
 صبح کے ہوتے ہی ہلوے جس کی یہ حالت تباہ
 ہم نہ کہتے تھے کہ قدرت مست چین کی راہ چل
 زنگ کچھ کے کچھ بدلنا ہو مرا بیتاب دل
 جیوں نقش قدم ہیں تے وہ خاک نشیں ہم
 نسبت ہو ہماری تری جیوں سایہ و خورشید
 داغ تیرا یوں جھلکتا ہو دل مایوس میں
 چین دیتا ہی نہیں یہ دل ناکام کہیں
 جب گرے تیری نظر سے کوئی ہم جیتے ہیں
 تم نسیم سحری ہم ہیں گل پر مردہ
 اشک گل گوں سکے ہو گل بہار آستیں
 افک کو بخت جگر نے خست آنے کی نہ دی
 کل ذرا آنکھیں ہوئی تھیں تم کہ قدرت آج تک
 دست چالاک جنوں تو نہ رہے گاہے کار
 ناموس قبلہ ابرو کوئی سجدہ ہو قبول
 شب کو میں دھوتا ہوں موخون جگر سے آستیں
 تہذاتیں ہو میر دل کی لے خرگان تر

۱۶۳
 آتش کے جلے کو نہ کرے یہ مگر آتش
 خاشاک کے پہلو میں چھپے آن کر آتش
 جلتی ہو شمع رٹک سے ہو گا چراغ داغ
 لے چلے حسرت بھرا ہاں سے دل افکار حیف
 حیف ہو بچا ہی نہ اپنا کار شوق انجام تک
 آہ وہ بیمار بھر جیوے کا کہو کر شام تک
 لے گئی آخر ہوا اے گل شکستہ دام تک
 ہو گھڑی آتش کا پر کا لہ گھڑی سیاہ ل
 ماہٹ نہ چکیں آپ سے جھٹیں نہ زمیں ہم
 جس جانیں تو ہم ہیں جہاں تو ہو نہیں ہم
 جس طرح ہو شمع روشن پردہ فانوس میں
 بعد مرنے کے مگر ہو بجھے آرام کہیں
 کشتہ تیغ تغافل ترے کم جیتے ہیں
 گرا دھر ایسے صفا قدم جیتے ہیں
 ہو گیا نسل رگ گل تار تار آستیں
 ہو دو چار چشم چشم انتظار آستیں
 ہاتھ کو در پٹیں ہو کار فشار آستیں
 پھر گریباں تری خاطر میں دفن کرتا ہوں
 ہر سحر خون جگر سے میں وضو کرتا ہوں
 صبح خون آلودہ ہو پھر چشم تر سے آستیں
 ڈوب جاؤ اس اُدھر سے اور دھر سے آستیں

جنگل کو اس لیے بھاگا ہر غنوں کے جاں اپنا
 عزیز نزل باغ میں ہر چند آج آتش بستی ہو
 نہ شیریں گلیا کچھ اور خسو کا نہ کچھ بگڑا
 قلندر باغ میں جاہل کیلے کب خوش آتا ہو
 جس نے تجھے لگا نا سکھلا دیا مسی کا
 زاہد ہوا ہو طالب غلماں تصور کریں
 منصب جنوں کا رکھتے ہیں زلفا کے دامن میں
 بلب عبت نفس میں تو فریاد کیا کرے
 مقدور میں زیادہ چلا نہیں کسی کا نور
 کہاں آتا ہو رحم اس کو ستم کا جو فرحانے
 مل کر کے چاندنی سے منہ پر پری پری کی
 قدر دہلوی ایش محمد قدر بہ عہد سلطنت محمد شاہ غفران پناہ از نام دنگ

درگزشتہ دل بہ بے قدری و ہرزہ گردی بست وے است

آج آئے ہو تو وہ جاؤ سخن رات کی رات
 لیلۃ القدر سے بہتر ہو ملاقات کی رات
 بخت تو بکسی پر اپنی کیوں ہر وقت روتا ہو
 نہ کرب غم دوانے عشق میں سیما ہی ملتا ہو
 قلندر زامش لالہ بدھ سنگھ سبب عشق زن فاحشہ از دین خود برگشتہ

بہ آوارگی بسری بردار گفتار پریشاں دوست

قلندر وقت مرنے کے جو یا آیا تو کین حاصل
 جواتنی عمر گزری تھی تو یہ بھی دم گزر جاتا

رباعی

جی میں جو قلندر کے کبھی آوے گا
 دل اپنے کو چین تجھ سے بجا لے گا
 یہ روز کا تیرا چیں پر ابرو رہنا
 سب طاق اوپر دھرا ہی رہ جاوے گا

تمامہ شتاب جا کے خبر لا تو یار کی
 دلا خذر کہ وہ قاتل یہ پوچھتا تھا آج
 ہوں دیوانا مجھ پہ دار و گیر سیل اشک ہے
 سینہ اس کا ہے دل اس کا ہے جگر اس کا ہے
 لخت دل کوک مرثد پر نہ سمجھ لے جہم
 شرح اس کی نہ کی جدائی کی
 مرگ تیرا ہی آسرا ہے گکا
 اپنے سے ترک کوے یار ہو سکے یہ نہ ہو سکے
 چشم جو عین وصل میں رہتی ہی تشنہ جل
 شام سے دل کا داغ جلتا ہے
 آہ کس کا حشر کباب ہوا
 لب تر نہ کرے آبِ خضر سے کبھی یہ صید
 وابستہ ہم اپنے ہی کا سب کون و مکاں ہے
 ممکن نہیں بے نالہ نفس لب تلک آوے
 کریں آہ ہم تو ہنر آزمائی
 نیک می مری آہ پہلے قدم میں
 بس کہ گرم فنا ہیں مثلِ حباب
 بس کہ اٹھتے ہیں جگر سے شعلے
 کس کا نامہ ہے کہو ترجمہ پاس

حالت ہنٹ بری ہے دل بے قرار کی
 یہ کون ہے جو ادھر بار بار گزرے ہو
 بانوں سے گردن تلک زنجیر سیل اشک ہے
 تیرا بیداد جدھر رو کرے گھر اس کا ہے
 تخم غم دل میں جو بویا یہ ثمر اس کا ہے
 آہ نے آہ نارسائی کی
 زندگی نے تو بے وفائی کی
 ایسے مقام سے کنار ہو سکے یہ نہ ہو سکے
 ہجر میں اُن سے انتظار ہو سکے یہ نہ ہو سکے
 صبح تک یہ چراغ جلتا ہے
 جس کی بوسے داغ جلتا ہے
 جز قطرہ پیکان کہ گرے بحرِ کماں سے
 پیالے وہ مثلِ ہو گئی کہ جی ہو تو جہاں ہے
 جیوں نہ اجماعِ دم ہے سو مریوں فغاں ہے
 تو تیغ آزمایا ہم جگر آزمائی
 میں قوت تری لے اثر آزمائی
 دوش ہی پر کھن بہارا ہے
 مشتعل ہیں سرے گھر سے شعلے
 کہ جھڑپیں ہیں تپے پر سے شعلے

قلمند را شمش غلام قلمند را شاکر در مرزا منظر جانِ جاں ستوطنِ دہلی است۔ رعایت

ایہام اکثر منظوم و لہجہ و طرز گفتگویش اکثر بطور قدماست۔ وے راست

صحنِ محراب کو سدا اشک سے رکھنا چھڑکا
 دردِ دل کچھ کہا نہیں جاتا
 در بدر سے غیر سے تو ملے
 ہر دم آنے سے میں بھی ہوں نادم
 زلفِ دیکھی تھی کس کی خواب میں رات
 اب تو خالی سی کچھ لگے ہر بغل
 ایک درجہ خشکی آئی تو جھگڑا لیا ہر
 بھلائے ابرِ مرثکاں اب تو بس کر
 بہارِ عمر ہر قائم کوئی دن
 کیوں کیا مجھ کو تو صبا دگر قمار قفس
 رخصت ہوتے ہی مر گئے ہم
 جب سوج پراپنی آگئی چشم
 جیوں شمعِ دم صبح یہاں سے سفری ہوں
 نہ دل بھرا ہر نہ اب نم رہا ہر آنکھوں میں
 میں مریکھا ہوں پہ تیرے ہی دیکھنے کے لیے
 ہمارے دردِ دل کے تیرے یک بیکہ دو جے میں
 آئے خزاں جن کی طرف گریں رو کروں
 نگاہوں سے نگاہیں سامنے ہوتے ہی جڑیاں
 راہ کے بیچ جو رکھتا ہوں اُسے گھیر کھو
 دل تو کے سنے سے سمجھتا بھی ہر کوئی
 یارو کیوں کہتے ہو بے فائدہ مجھ سے جاؤ

میں دو آنہ ہوں لے قائم تری مرزائی کا
 آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا
 یہ ستم تو سہا نہیں جاتا
 کیا کروں پر رہا نہیں جاتا
 تاحرہم تھے بیچ و تاب میں رات
 دل گرا شاید اضطراب میں رات
 تجھ کو بندے ہیں بہت تجھ کو خریدار بہت
 ابھی تو کھل گیا تھا تو برس کر
 ایسے جیوں گل پائے کا ٹھہر کر
 میں نہ شایستہ بسبل نہ سزاوار قفس
 اودھر گئے تم ادھر گئے ہم
 دریا دریا بہا گئی چشم
 ہمک منتظر جنبشِ بادِ سحر سی ہوں
 کبھی روئے تھے سوخوں ہم رہا ہر آنکھوں میں
 حبابِ وارنک دم رہا ہر آنکھوں میں
 ہم اپنے جی سے عاجز ہیں نغوں کو بخش کچھ میں
 غنچہ کروں گلوں کو صبا گریں بو کروں
 یکایک کھل گئیں دونوں طرف دل کی گلیاں
 ہنس کے کہتا ہر کہ اب چھوڑ مجھے پھیر کھو
 جو کچھ کہو سودیدہ خانہ خراب کو
 جتنی کہتے ہو مجھے اتنی اُسے سمجھاؤ

قربان ہنس میر جیون نوجوانے بد از شاگردان مرزا محمد رفیع سودا۔ در فرقت
 رہا بیان معاش می نمود۔ گویند در فیض آباد میان فوج انگریزی افتاد۔ از بدعت آن
 قوم غیر از جان دادن چارہ نہ دیدہ بہ دلاوری کشتہ شدے راست
 کیا کچھ دل ببل پکڑے دیکھے یہ عشق سوچاک دیے جن نے گریبان میں گل کے
 قناعت لاہوری۔ آئش مرزا محمد بیگ ولد حسن بیگ شاگرد مرزا جعفر علی
 حسرت در لکھنؤ مقیم است۔ از دوست

درد سبزان اب رہا پیارے ستارے مجھے کیا خوشی حاصل ہوئی ہی تیرے آنے سے مجھے
 زیست اب مجھ جاں لب کی سب کو لگتی ہی بری خاندہ یہ کچھ ہوا ہی دل لگانے سے مجھے
 قایم آئش شیخ محمد قایم موطن و مکناش چاند پور ند بہ از وطن سفر گزیدہ وارد
 دہلی گشت و شاگردی خواجہ میر درد اختیار نمود۔ بہرہ وافی در سخن سخنچہ از ایشان برداشت
 و بالآخرا بہ محبت مرزا رفیع سودا نیز مستفید شد۔ اشعارش مدون و مثنویات متعدد در
 سبک نظم کشیدہ۔ بل خوش ذراے شیریں مقالیت از زمزمہ ہائے دوست

یہ ناز ہی تو ہم سے اٹھایا نہ جائے گا	ہم نے ہر طرح سے ہجر میں دل شاد کیا
بچکی گر آئی تو سمجھے کہ ہمیں یاد کیا	کمان ہی شیشہ عجب خدا سے ڈر
مری بغل میں جھلکتا ہی آبلہ دل کا	خسرو کے ساتھ ذوق سے شیریں کو کرکاش
تجھ تھاتیری بھجاتی پہ سو کوہ کن گیس	رد و لگا زیر سایہ دیوار بیٹھ کر
جن دن تری گلی میں کبھی داؤ بن گیا	وہ نہیں ہیں کہ تک اک غصے سے تل جاؤں گا
ہنس کے اک بات کہو گے تو ہل جاؤں گا	ہنم میں کچھ تو قریب تو شب باشی کی
آج کرتے کاحیلہ میں بھل جاؤں گا	لطف چاہے ہی جو تو اس بت ہر جانی کا
یہ پریشاں نظری جرم ہی مینائی کا	حار کو تنگ ہی مجھ نام سے سجان اللہ
کام پہونچا ہی یہاں تک مری رسوائی کا	

تیغ چڑھ اس کی سان پر آئی
 دیکھے کس کی جان پر آئی
 وال کا ہے کو رہیے کہ جاں بے مرگی ہو
 لے جی تو کل جلد کہ دل میں خفسی ہو
 دس طرف وہ نگاہ لڑتی ہو
 کبھی ایدھر بھی آن پڑتی ہو
 زور بستی تھی دل بھی لیکن جیت
 بے رئیس ان دونوں لڑتی ہو
 کس کی مرگیاں پھر نہ توک نفس
 بھانسی سی کچھ جگر میں لڑتی ہو
 کھول نک زلف کو کہ سنبل آج
 اپنی خوبی پہ حد اڑتی ہو
 کیا ہی کھڑا ہے وہ جس کے حضور
 قلعی آئینے کی اُدھرتی ہو
 قائم آیا ہو پھر وہ بن ٹھن کر
 دیکھیں کس کس کی اب لڑتی ہو
 پہلے ہی سو جیتی تھی ہیں لے شب فراق
 یہ رات بے طرح ہو خدا ہی سحر کرے
 نہ لگا دل کو اُس کی مرگیاں سے
 اپنے حق میں تو کانٹے مت بووے
 اٹھا دے ستم یا جفا کیا کرے
 اٹھا دے ستم یا جفا کیا کرے
 یارب کوئی اس چشم کا بیمار نہ ہوئے
 دشمن کے بھی دشمن کو یہ آزار نہ ہوئے
 مرز کوئی احوال کیا جانتا ہو
 جو گزرے ہو مجھ پر خدا جانتا ہو

قرین اش شیخ برکت اللہ و مخاطب بہ علی نور خاں از منصب داران محمد
 شاہی است۔ با فقیر البطلہ اتحاد دوستی دارد و بالفعل در بلدہ محمد آباد بنارس
 استقامت داشت یگانہ فکرے می کند۔ اور است
 مے سینے سے تیر عشق جاسکتا ہو کیا قدرت کوئی لالے کدل دے داغ اٹھا سکتا ہو کیا قدرت
 کیا ہو ایدھر مے جینے میں زخم جب چاک ہو اسیں میں
 صورت اپنی کو نہ دیکھ لے ظالم آگ لگ جائے گی آئینے میں

حرف الکاف

کلیقم دہلوی نامش شیخ محمد حسین از سخنوران خوش بیان فصیح لسان است۔

کبھی دکھا کے کمر اور کبھی دہاں مجھ کو
 دل مرا چین یہ کہتا ہے وہ دلبر قائم
 جی کی چھلپیں تھیں جو کچھ سو تو گئیں یار کے ساتھ
 میں دوانا ہوں سدا کا مجھے مت قید کر دو
 کیا ہے کہ دل اس دلف سے ہرگز نہ بھرا یا
 دہن کو تیرے پایا بات کہتے
 مردن دشوار میں یہ جان بے تقصیر ہے
 قتل سے میرے بھلا تو بھی ہوا کچھ مفضل
 مر جائے کسی سے پرالفت نہ کیجیے
 پاس میں تجھ غم کے میل بینی بھی غم خواری نہ کی
 دم بہ دم اس بخش بے جا کو کیا کہتے ہیں شعور
 دل مرادیکہ دیکھ نہ جلتا ہے
 گندمی رنگ جو ہے دنیا میں
 ہم نشین ذکر یاد کر کچھ آج
 گو ہم سے تم ملے نہ تو کچھ ہم نہ مر گئے
 مرا جی تجھ کو گو پیارا نہیں ہے
 بتوں کی دید کو جاتا ہوں دیر میں قائم
 از واد اکیں کہیں بحر و نیاز ہے
 کم فرصتی پہ اپنی نہ روؤں تو کیا کروں
 قایم کرے ہے اس سے تو انداز بوسہ آہ
 چیں جو چیں تو ہوتا ہوا شام کے کھینچتے

نیٹ بہ تنگ کیا تو نے لے میاں مجھ کو
 جی جہاں چاہے تمھارا مری فریاد کر دو
 سر ٹپتا ہی رہا اب درود یار کے ساتھ
 جی نکل جاوے گا زنجیر کی جھنکار کے ساتھ
 تھی شرط مجھے اس سے تو اک رات بسے کی
 ہماری جُورسی میں کیا سخن ہے
 حسرتِ دل سو طرف سے اس کے دامن گیر ہے
 غرق آبِ شرم میں اب تک دمِ شمشیر ہے
 جی دیجیے تو دیجیے پر دل نہ دیجیے
 جان دے گزرا بظاہر دل کی بیماری نہ کی
 دل دیا تجھ کو تو میں نے کچھ گنگاری نہ کی
 شمع کا کس پہ دل ٹپکتا ہے
 سیری چھاتی پہ مونگ دلتا ہے
 ایسی باتوں سے جی بہلتا ہے
 کہنے کو بات رہ گئی اور دن گزر گئے
 پر اتنا بھی تو ناکار انہیں ہے
 تجھے کچھ اور ارادہ نہیں خدا نہ کرے
 کس کس طرح سے یاد مرا جلوہ ساز ہے
 صدِ حیف رات تھوڑی ہے قصہ دراز ہے
 لے بے شعور کچھ بھی تجھے امتیاز ہے
 حیف اس پر جی کی جان ہر اک تار ساز ہے

بات اس کی زباں پر آئی پھر خرابی جان پر آئی
 پیر کیوں ہو گیا ہو اتنا کلیم کیا بلا اس جوان پر آئی
 اُس کے ابرو کی اگر تصویر کھینچا جا ہے اول اپنے قتل پر شمشیر کھینچا جا ہے
 عرق ہو منہ پر ترے باغلاب ٹپکے ہو عجب ہو مجھ کو کہ شعلے سے آب ٹپکے ہو
 تجھے میں آنکھوں میں کیونکر دکھوں کہ ہو برسا پھر ایسا گھر کہ یہ خانہ خواب ٹپکے ہو
 غور حسن ممکن نہیں کسی کی داد کو پہنچے غرض تم سن چکے فریاد ہم فریاد کو پہنچے

رباعی

گل رو تو جن میں اچلی سے نہ گیا یہ دل بھی کلی کی بے کلی سے نہ گیا
 جو کوئی گیا چھوڑ گیا دل کو یہاں دل سے تو کوئی تیری کلی سے نہ گیا
 شاہ کا کل دہلوی معاصر نجم الدین آبرو تکیہ در چوک سدا اللہ خاں داشت و
 بہ طرز لباس فقری گزرا نیدہ اور است

جب اٹھ چلا بغل سے تو پوچھا ملے گا کب سا کل کو منہ پہ کھول بتایا کہ شب تک
 قافلے کتنے گئے کوئی نہ سمجھا کیا ہو شور سے کتنی رہی بانگ دہرا کیا کیا کچھ
 کافر دہلوی اشش میر علی نقی - ہر شعر کے کہ بہ خاطر شہی سیدی گفت کہ اس ٹپکے
 است لہذا مشہور بہ کافر ٹپکے - شدہ اوراق حینما از اشعار او دیدہ شدہ از کافرا جرائی اوست
 حسرت کے ان تہوں کے دل پر کہ دور میں ہیں مٹی کی مورتیں ہیں کافر یہ صورتیں ہیں
 کس کس طرح تہوں کی صورت نے رنگ پکڑے کافران آنکھوں نے دیکھے ہیں کیا بھکڑے

حرف گاف

گر یاں دہلوی اشش میر علی امجد ولد میر علی از شاگردان شاہ قدرت اللہ
 قدرت اسف و از میر ضیاء فائدہ در سخن برداشتہ اور است
 بک و جی یہ پروانے کی جی کو داغ کرتی ہو کہ دوش شمع پر رکھنا نہیں بار کھن اپنا

رسالہ اسے در عرض و قافیہ و مخصوص الحکم بہ زبان رنختہ تصنیف و ترجمہ نمودہ و با سخن
سنجان عہد احمد شاہ بادشاہ بہر زبان بودہ۔ در دہلی رحلت کرد صاحب دیوان است۔
از گویائی اوست۔

سورۃ ضحٰی رضواں کو میں اک آن میں دکھا
قبر میں بھی لیے ہمراہ گیا اپنے کلمہ
نہ کچھ بُرا ہوا پر دیر کا نہ شیریں کا
سر بھی ہر تیغ بھی ہر لگانا ہی تو لگا
اے شمع تیری باری ہر شب کو کہ نام تک
آئی ہو دل قفل مینا سے اب شکست
لکھا ہو زلف یار کا کوچہ ہزار پہنچ
ہو چکا حشر گئی دوزخ و جنت کو خلق
پوچھ مت غم کی داستان اے دل
بیری کی بھی سیر کر گئے ہم
واں غصے ہوئے قیب پر تم
طریق عشق میں مجنوں دکوہ کن کی نہ پوچھ
درازمی شب بجران و زلف یار کلمہ
رنگ اڑا مر جھا گیا اور گر بڑا شرمندہ ہو
صبح دم گلشن میں صاحب تم نے زلفیں کھولیاں
جامہ زیبایاں اس زمانے کے پٹھیلو ہیں
تری جناب میں آیا ہوں یا الہ نہ پوچھ
کوئی گل کا نہیں عاشق یہ داغ مجھے بس ہر

جب گل کی طرح جھانک گریبان میں دکھا
آہ کیوں درد دل اپنا نہ کسی کو سونپا
ترے ہی سر پہ لے فرما دو جو ہوا سو ہوا
کیونہ جان پھیر کہ سہ جی چھپا گیا
اپنے دنوں کو جتنا میں رونا تھا رو چکا
۷۷ دن گئے کلمہ جو یہ شیشہ رنگ تھا
اے دل سمجھ کے جانا کہ ہر راہ از پیچ
رہ گیا میں ترے کوچے میں گرفتار ہوز
گر بڑا ٹوٹ آسماں اے دل
اُس پل سے بھی بس گزر گئے ہم
یاں مارے ادب کے مر گئے ہم
ہزاروں ہو گئے غارت تو ایک دو معلوم
مجھ سے پوچھ کہ کاٹی ہو رات آنکھوں میں
تجھ سستی محل پر ہونی کیا کیا خرابی باغ میں
لے گئی باہبا خوشبو کی بھر بھر جھولیاں
لے گئے دل گھیر لیے دامن اونچی چولیاں
یہی کہ بخش دے اور مجھ سے کچھ گناہ نہ پوچھ
جاتا ہوں میں گلشن سے بلبل نہ ہوا زردہ

حرف المیم

میر محمد تقی تخلص بہمیر شاگرد سراج الدین علی خان آرزو وطنش اکبر آباد
نشو و نما در دار الخلافت شاہجان آباد یافتہ۔ ذکا و ذہن و علو فطرت و درستی نظم و
صفائے فکر از کلام دل نشین مبرہن و ہدیہ است۔ الحق درین زمان سر آمد رختہ
گویان می توان شمرد۔ از اقسام فنون سخن گسری در غزل گوئی بے مثل واحدے را مجال
نبست کہ دم از ہمسری او تواند زد۔ ہر فرد غزلش کہ در شوخی و رعنائی برجستہ تر از
غزالان ختن است محراب دہائے شکار بان نچر معانی را چراگاہ خود ساختہ بسوی
شد کہ در شاہجان آباد تاحالت تحریر این گلشن سخن کہ سن یک ہزار و یکصد و نو دو
چہار ہجریست سلامت استقامت دارد۔ تذکرہ مختصر مشتمل بر احوال و انتخاب شمار
رختہ گویان تالیف ہنودہ۔ دیوان فصاحت میناش چہار پنج ہزار بیت و این ابیات
زبدہ آست

ہماری آگے ترا جب کسو نے نام لیا	دل ستم زدہ کو ہم نے تمام تھام لیا
اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا	لو ہو آتا ہی جب نہیں آتا
آہ سحر نے سوزش دل کو مٹا دیا	اس باد نے ہیں تو دیا سا بجھا دیا
تھی لالہ کی تیغ کی ہم کو خوشی ملی	دونوں کو معرکے میں گلے سے ملا دیا
اُن نے تو تیغ کہنچی تھی بڑل چلا کر	ہم نے بھی ایک دم میں تاشلا لھا دیا
آنکھوں سے تری ہم کو ہر چشم کاب ہوئی	جو فتنہ کہ دنیا میں بر پانہ ہوا ہو گا
سمجھے تھے تیر ہم کہ یہ ناسور کم ہوا	پھر ان دنوں میں دیدہ خونبار نم ہوا
تلوار کس کے خون میں سر ڈوب ہو تری	یہ کس اجل رسیدہ کے گھر پر ستم ہوا
صحرا میں سیل اشک مرا جا بجا پھرا	مجنوں بھی اس کی لہر میں مدت بہا پھرا

۲۰۴
 سنہ قصہ مرا کہ ہو کوئی درد و محنت کا
 نہ لیے زندگی بھر نام پھر گزرت محنت کا
 دیکھ توجہ نگاہ مجھ کر مر جاؤ اُدھر وہ آہ بھر کر
 گمان دہلوی ناش نظر علی خاں از یاران اشرف علی خاں فغان است -

اکنون در فیض آبادی گزارد - اور است
 جس دم توجہ سے آکے ہم آغوش ہو گیا
 غم دو جہاں کد ل سے فراموش ہو گیا
 واسطے جس کے سبھی مجھ کو بُرا کہتے ہیں
 وہ جو سنتا ہی تو کہتا ہی بھلا کہتے ہیں
 دیکھا ہوں جہاں بتاں کو میں
 دور ہی سے سلام کرتا ہوں
 مر جاؤں کر کے تو اپنی زباں سے مجھ کو
 خاطر عزیز تیری ہی اپنی جاں سے مجھ کو
 گرفتار احوال معلوم نشد - این بیت از دوست
 ہجرت سے میں لے جان نہیں جینے کا
 نزع میں چھوڑ کے بیمار کہاں جاتا ہی

حرف اللام

لسانِ اشرف میر کلیم اللہ عبدالحمید شاہ بادشاہ دراجتدائے شوق سخن از دنیا
 درگذشت - از دوست

جدا ہو مجھ سے مرا یا یہ خدا نہ کرے
 خدا کسی کے تئیں پار سے جدا نہ کرے
 توجہ تلک کرے انکار وعدہ مجھ سے سخن
 غضب ہی عمر اگر تب تلک دفانہ کرے
 سخن جو تجھ سے ہوا آشنا تو جوئے کیا
 خدا کو کے تئیں تجھ سے آشنا نہ کرے
 گناہ مرنے میں لسان کے چارہ گر کا نہیں
 طیب کیا کرے تاثیر جو دوانہ کرے
 لطفی دکھنی از شعرای قدیم است - دے راست
 میں عشق کی گلی میں گھاٹل پڑا ہوں تس پر
 جو بن کا ہما آکر مجھ کو کھندل گیا ہی

دہشت و ہالہ دے دتے بل تک
 گل کی جفا بھی دیکھی دیکھی دناے بل
 کرتے نہیں ہیں مدھی اتنی کماک ہم
 حذر کر آؤ دل تشنگاں بلا ہے گرم
 کھلے ہو جس حسن کسی کا روان میں
 دل نذر ویدہ پیش کش لے باشت حیا
 پھاڑا ہزار جا سے گریبان صبر میر
 دم آخر ہو بیٹھ جامت جا
 اس کے کوچے سے جو اٹھ ابل دنا جان میں
 متصل روتے ہی رہے تو بجھے آتش دل
 رکھا کر ہاتھ دل براہ کر کے
 کوئی نہیں جہاں میں جو اندھ گئیں نہیں
 یہ مدد کہہ کے اس کے کہوں دل نہیں کہیں
 سخت سیر تو دیکھ کہ ہم خاک میں ملیں
 صبر و طاقت کو کہ دھول یا خوشی کا غم کرو
 دیکھی نہیں ایک رند تری مست بکھر دیاں
 جب مدد کا کہنا میں دل میں نہاں ہوں
 شاید کھل ہی آوے دل گرم جو ہو گیا ہو
 تری زلف سے کی یادیں آسٹو چکتے ہیں
 لپٹے ہیں سانس بدلہ ہم جو تلخ ہے میں
 سینہ سپر کیا تھا جن کے لیے ہلاکا

ہاتھ پیچا نہ پائے قاتل تک
 اک مشت نہ پڑے تھے گلشن میں جاے بلبل
 تنہا اپنے کب کے ہوئے ہیں ہلاک ہم
 ہیضہ آگ ہی برسے ہو اندھما ہو گرم
 یہ وہ نہیں متاع کہ ہو ہر دکاں میں
 سچ کہہ کر ہی گئے ہو تر اس مکان میں
 کیا کہ گئی نسیم سحر گل کے کان میں
 صبر کر ملک کہ ہم بھی چلتے ہیں
 ناظر نام کرے رو ہنفا جاتے ہیں
 ملک مدد آتو تو ادا لگا جاتے ہیں
 کہ رہتا نہیں چورغ ایسی پون میں
 اس غم کہ میں آہ دل نوش کیس نہیں
 کتا ہوں جس طرح سے کہے ہو نہیں نہیں
 اور جاے سر نہ ہو تری چشم سیلاہ میں
 اس میں حیراں ہوں کہ کہیں کر کہیں نام کروں
 اگر وہ ایسا ہی آتی ہیں لب تک خار میں
 کتا ہو بن سنے ہی میں خوب جانتا ہوں
 اس کی گلی میں شجھا میں خاک مہانتا ہوں
 اندھیری رات ہو برسات کی جگنو دکتے ہیں
 اس دل کو فحش سے آوار کھینچے ہیں
 وہ بات بات میں اب تلوار کھینچے ہیں

جی میں ہی یاد رخ و زلف سیہ نام بہت
 پھر نہ آئے جو پوسے خاک میں جا آسودہ
 دعویٰ خوش دہی اس سے اسی منہ پر گُل
 یہ عشق بے اہل کش ہو بس لے دل تو نکل کر
 نہ وعدہ تیرے آنے کا نہ کچھ امید طالع سے
 غیروں سے لے اٹا ہے ہم سے چھپا چھپا کر
 ہر گام مندرہ تھی بت خانے کی محبت
 بچیر گہ میں تجھ سے جو نیم کثرت پہو ہما
 میں منع تیر تجھ کو کرتا نہ تھا ہمیشہ
 کہ دم تک کب تک ستم مجھ پر جفا کا اس قدر
 بھاگے مری صورت سے وہ میں عاشق اس کی شکل کو
 قیامت تھا سال اس خشکیں پر
 کلام آنے کا نہیں ایک بھی یاد آخر کار
 مشت خاک اپنی جو بال ہر خیال س پر نہ جا
 مجھ کو پوچھا بھی نہ یہ کون ہو غناک ہنوز
 بعد مرنے کے بھی آرام نہیں تیرے بچے
 یوں گونا گونا ہو دل کوئی تجھ کو
 کن نے لیا ہو تم سے چلکا کہ داد دو
 تیر گم کردہ جن زمزمہ پرداز ہو ایک
 ناتوانی سے نہیں بال فثانی کا دماغ
 گوش کو پوش سے تک کھول کے سن شور جہاں

مونا آتا ہو مجھے ہر سحر و شام بہت
 غالب زریزہ میں میر ہو آرام بہت
 سر تو کٹ لے دیکھ لے گریباں کے بیچ
 اگر یہ جان جاتی ہو جلی بسکے تغافل کر
 دل بے تاب کو کس رو سے کیے تک تحمل کر
 پھر دیکھتے ہو اید میر آئیں ملا کر
 کیے تک تو پہنچے لیکن خدا خدا کر
 حسرت نے اس کو بار آور آخر رٹا رٹا کر
 کھوئی نہ جان تو نے دل کو لگا لگا کر
 اک سینہ خنجر سیکڑوں اک جان و آزار اس قدر
 بس اس کا خواباں باں ملکوتی مجھ سے ہزاروں
 کہ تواریں جلیں ابر کی جلیں پر
 ہاتھ سے جاے گا سر شستہ کار آخر کار
 سر کو کھینچے گا خاک تک یہ غبار آخر کار
 ہو چکا حشر میں روا ہوں تہ خاک ہنوز
 اس کے کوچے میں ہو بال مری خاک ہنوز
 یہی آتا ہو بار بار افسوس
 ملک کاں ہی دکھا کر و سر یاد کی طرت
 جس کی لے دام سے تا گوش گل آواز ہو ایک
 ورنہ تا باغ قص سے مری پرواز ہو ایک
 سبکی آواز کے پرے میں سخن ساز ہو ایک

دل پر ہوا جواہ کے مدے سے ہو چکا
 عشق کیا کیا ہمیں دکھاتا ہی
 دل ہوا ہی طرف محبت کا
 آرام ہو چکا سرے جسم نزار کو
 ہوش و صبر و خرد و دین و حواس دل و تاب
 وقت قتل آرزوے دل جو گئے پوچھ لوگ
 خواہ ارا انھوں نے تیر کو خواہ آپ ہوا
 اُس کی طرز نگاہ مست پوچھو
 نوگر خارا دام زلف اس کا
 فرصت نہیں تک بھی کہیں منظر اب نہ
 گزرے ہی شب خیال میں جواہ کے جاگتے
 خط آگیا یہ اس کا قتل نہ کم ہوا
 اب تو نقاب نہ پہ لے ظالم نہ شب ہوئی
 کہنے سے تیرا درد بھی ہوتا ہی مضرب
 نہ کر پندنا صبح بہت ناتواں ہوں
 لطف گیا آرزوہ ہو کر آپ سے ملنے کے بیچ
 سونپلم کے رہتے ہیں سزاوار ہمیشہ
 دل گیا صبر گیا جی بچہ گناہ پوش گیا
 مجھ کو مارا بھلا کیا تو نے
 دل و غم فراق و حسرت و صل آرزوے دید
 کل بارے میں سے ہم سے ملاقات ہو گئی
 ڈرتا ہوں یکساں کہیں ٹکڑے جگر نہ ہو
 آہ تم بھی تو اک نظر دیکھو
 قطرہ خون کا جگر دیکھو
 رکھے خدا جہاں میں دل بے قرار کو
 اُس کی اک آن میں کیا کیا نہ گستاخ پوچھو
 میں انارت کی ادھر اُن نے کہا مت پوچھو
 جانے دیا رو جو ہوتا تھا ہوا مت پوچھو
 جی ہی جانے ہی آہ مت پوچھو
 ہی ہی روسیہ ہوا مت پوچھو
 کیا آفت آگئی مرے اسی دل کی تاب کو
 تم کہیں نگاہ کسان سے نہیں ہوں خواب کو
 قاصد مرا خراب پھرے ہی جواب کو
 نذر منہ مارے دن تو کیا آفتاب کو
 سمجھاؤں کب تک اس دن خانہ خراب کو
 کہاں بات اٹھانے کی طاقت ہی مجھ کو
 کچھ تری جانب جب تک مدد خواہی بھی نہ ہو
 ہم بے گناہ اس کے ہیں گناہگار ہمیشہ
 شغل میں غم کے غم سے گیا کیا کیا کچھ
 بردنا کا برسا کیا تو نے
 کیا کیا لے گئے ترے عاشق جہان سے
 دود و دھن کے ہونے میں اک بات ہو گئی

منصور کی حقیقت تم نے سنی ہی ہوگی
 حق جو کہے ہو اس کو بھیاں دار کھینچے ہیں
 کوا اور اشک ہی سدا ہی بھیاں
 روز برسات کی ہوا ہی بھیاں
 گو گدورت سے وہ نہ دلوے رو
 آرسی کی طرح صفا ہی بھیاں
 کئے عدم سے ہستی میں سب پر نہیں قرار
 ہو ان مسافروں کا ارادہ کہاں کے تئیں
 ہم تو ہوئے تھے تیرے مٹس دن ہی نا امید
 جس دن سنا کہ ان نے دیاد لڑتال کے تئیں
 صد تمناے یار رکھتے ہیں
 تو بھی ہم دل کو مار رکھتے ہیں
 غیر ہی مورد عنایت ہی
 ہم بھی تم سے تو پیار رکھتے ہیں
 گدو جان سے اور ڈر کچھ نہیں
 رہ عشق میں بھر خطر کچھ نہیں
 کمر تیرا اس کی رگ جان ہی
 ہم کچھ بچو تیغ تو غیر دل کو لگ گئے نہ دو
 جو ترے لب سے کام رکھتے ہیں
 تجھے بھی یوں تو اپنا یار ہم ہر بار کہتے ہیں
 آما ہی جی میں حال بہ اپنا بھلا کہوں
 اس کے کوچے میں نہ کر شور قیامت کا ذکر
 کیا جو عرض کہ دل سا شکار لایا ہوں
 کیا میں نے رو کر فشار گر بیاں
 حکم سن کہ سو برس کی ناموس فامشی کھو
 اُس تیغ دن سے کہو تا صد مری طوت سے
 از خوشی رفته ہر دم رہتے ہیں ہم جو تجھ ہی
 صلے آہ جی کے پار ہوئے تیرسی، شاید
 نالہ مرا اگر سبب شور و شہ نہ ہو

حق جو کہے ہو اس کو بھیاں دار کھینچے ہیں
 روز برسات کی ہوا ہی بھیاں
 آرسی کی طرح صفا ہی بھیاں
 ہو ان مسافروں کا ارادہ کہاں کے تئیں
 جس دن سنا کہ ان نے دیاد لڑتال کے تئیں
 تو بھی ہم دل کو مار رکھتے ہیں
 ہم بھی تم سے تو پیار رکھتے ہیں
 رہ عشق میں بھر خطر کچھ نہیں
 غرض اس سے باریکت کچھ نہیں
 وے اگر ہو دیں گے اس دیمان میں تو ہم نہیں
 یعنی کو وہ نام رکھتے ہیں
 دیکھ ہیں بہت وہ لوگ جن کو یا کہتے ہیں
 بھر آپ ہی آپ سوچ کے کہتا ہوں کیا کہوں
 ایسے ہنگامے تو بھیاں رو دہوا کرتے ہیں
 کہا کہ ایسے تو میں مفت مار لایا ہوں
 رگ ابر تھا تار تار گر بیاں
 دو چار دل کی باتیں اب نہ پرائیاں ہیں
 اب تک بھی نیم جاں ہو گر قصدا امتحاں ہو
 کہتے ہیں لوگ اکثر اس وقت تم کہاں ہو
 کہو بیدار نہ لھینچا کہو کہ دل سے پیکان کو
 بھر مر بھی جائیے تو کسی کو خبر نہ ہو

بے طاقتی دل نے سائل ہی کیا ہم کو
۲۱۳ ہر شیر فقروں کی بھان کون مہلانے

آہ میری زباں پر آئی پھر بلا آسماں پر آئی

ہم بھی حاضر ہیں کھینچے شمشیر طبع گرا امتحان پر آئی

جب ٹھکانے لگی پہلی خاک جب بڑے آستان پر آئی

طاقت دل بربک نکلت گئی پھر نہ اپنے مکان پر آئی

علم جاناں ہوا اور جہاں ہو تیر جس سے عالم کی جان پر آئی

کچھ نہیں خورشید صفت سرکشی سایہ دلوار ہوا چاہیے

حسن کو بھی عشق نے آخر کیا حلقہ بگوش رفتہ رفتہ دل بول کے کل میں بلے

مت نگاہ مست کو کلیت کرساقتی زیاد ہر طرف تو نہیں لگی کوہ میں تالے

نہیں وہ قبلہ الف میں گرفتاری کو کیا جانے ٹھکان بظرف بے مہر بزماری کو کیا جانے

گھگھاپنی جھاکاس کے آندہ نہ ہو ظالم یونہیں تھمت ہو تجھ پر تو جھاکاری کو کیا جانے

کیس پس جا کے بیٹوں نر بے بل میں ملے عجزوں کو موت کیسی شتابی سے آگئی

دعویٰ خوش دہنی گر چہ اسے تھا لیکن دیکھ کر منہ کو ترس لگی کے قبل کان ہوے

یارب کوئی ہو عشق کا پہلہ نہ ہووے مرجائے وے اس کو یہ آزار نہ ہووے

محرے محبت میں قدم دیکھ کے رکھ تیر یہ سیر سر کو جو و بازار نہ ہووے

ان دہل نکلے ہو آغوشہ بخوں راتوں کو دھن ہر نامے کو کسی محل میں یاد کرنے کی

کرے ہو خدہ دہلان تاویں بھی مدوں گا جھکتی زمرہ کھلی مفر آج ماراں ہو

ہر اک خرگاہ پیری کا کھٹکے قطرے چکتے ہیں تماشا مست ہو خوب لبید راجہ اغاں ہو

کیسے ہیں وہ جو جیتے ہیں مدال ہم تو تیر اس ہاروں کی زبیت میں بیزار ہو گئے

۱۰۱۲ آسماں جہاں تار ہو غم سے جیسے بان جاتا ہو

دل بچ جانے ہو لیکن مفت ہاتھ سے یہ مکان جاتا ہو

کن کن مصیبتوں سے ہوئی صبح شام ہجر
 کتنے خلوات وحدہ ہوا ہو گا وہ کہ یہاں
 برقع کو اٹھا پھرے سے بڑھتا اگر آئے
 ہم آپ سے جلتے ہی رہتے ذوقِ خبر میں
 ممکن نہیں کہ اُمّے بے تابی جگر کی
 بیٹھنے کون دے ہو پھر اس کو
 خوابی کچھ نہ پوچھو ملکِ دل کی تم عدت کی
 گرچہ ہم عشقِ فیروں پر بھی ثابت تھائے
 اک ربا خرکاں کی من پر ایک کے کڑے ہو
 نہ جمی ہمارے بانی نہ اب جگر رہا ہو
 مارا ہو کس کو ظالم اس بے سیفگی سے
 پہناتا خنک کینے مجھ تک جو بولے دشمن
 ادھر سے ابر اٹھ کر جو گیا ہو
 سر ہانے تیر کے کوئی نہ بولو
 گئے جی سے چھوٹے ہاں کی جفا سے
 وہ اپنی ہی خوبی پر رہتا ہو نازاں
 عشق میں بے خوف و خطر چاہیے
 قابلِ آغوشِ ستم دیدگاں
 خطرِ سلیقہ ہو ہر اک امر میں
 خونِ قیامت کا یہی ہو کہ میسر
 اب ظلم ہو اس خاطر تا غیر بھلائے

سوزِ لبس ہی بنائے اُسمات ہو گئی
 فویدہ فامید مساوات ہو گئی
 اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آوے
 اب جان برباد رہہ تا خبر آوے
 جب تک نہ ہلکے پر کوئی تختِ جگر آوے
 جو ترے آستان سے اٹھتا ہے
 جنوں نے آج کل نیویہ بادی بھی عدت کی
 قتل کرنا تھا میں ہم بھی گنہگاروں میں تھے
 دل بکراے تیرے دونوں اپنے غم خواہوں میں تھے
 اک دل ستم رسیدہ یہاں دھوم کر رہا ہو
 دامنِ تمام تیرا لو ہو سے بھر رہا ہو
 کیا لڑتے ہو اس کو یہ آج ہی مر رہا ہو
 ہماری خاک پر بھی رو گیا ہو
 ابھی وہ روتے روتے سو گیا ہو
 یہی بات ہم پہا پتے تھے خدا سے
 مرویا جو کوئی اس کی بلا سے
 جان کے دینے کو جسگر چاہیے
 اٹھک سا پاکیزہ گہر چاہیے
 عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیے
 ہم کو جیسا بار دگر چاہیے
 پس ہم نہ جرمائیں تو کون جرمائے

تلواری آپ کھینچے حاضر ہو جیاں بھی سر
 بس عاشقی کی ہم نے جو مرنے سے ڈر گئے
 دل کو نہیں ہو چین نہ ہو خواب شب مجھے
 مرنا پڑا ضرور ترے غم میں اب مجھے
 نے تیغ دسپر کو تو جدھر سر ہو
 خورشید کا منہ اُدھر نہ ہوٹے
 خب خواب کا لباس ہو عریاں تنی میں یہ
 جب سوئے تو چادر مہتاب تانی
 کیا کروں شرح خستہ جانی کی
 میں نے مر مر کے زندگانی کی
 حال بد گفتنی نہیں میرا
 تم نے پوچھا تو مہربانی کی
 آہ ان خوش قاصدوں کی کو نکلتے بریں لائے
 جن کے ہاتھوں سے قیامت پر بھی عرصہ تنگ ہو
 تجھ کو مجھ سے اتنی اتنی بات پر بھی جنگ ہو
 ایک بوسہ پیش کی ہو صلح پہلے زود رنج
 آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ہو
 مر گیا کوہ کن اسی غم میں
 زلف سیاہی کی ہستی ہو چت پڑھی
 کس در شک گل کی باغ میں زلف سیاہی کھلی
 عمر بھر ہم رہے شرابی سے
 جی ڈبا جا ہو آج صبح سے آہ
 کھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہو
 وہ دن گئے جو اٹھ پہاڑس کے پاس تھے
 ساتی گھر جاؤں اور آیا ہو
 غارت دل کرے ہو خال سیاہ
 آج تیری گلی سے ظالم سیر
 دے بھی نے ابر زور آیا ہو
 بے طرح گھر میں چور آیا ہو
 لوہو میں شور بوز آیا ہو
 سنا کر لیے کہ یہ بھی اک سخن ہو
 یہ دھواں سا کہاں سے اٹھا ہو
 ایک آخو بے باں سے اٹھا ہو
 بڑنی ہو اس کی چشم سبج جہاں

اس سخن باشنو گو کیا کہیے
 ایک مزہ لے دم آخر مجھے فرصت دیجیے
 نہ تنہا داغ تو سینے پہ میرے یک چہن نکلے
 حرم میں تیر جناب پرستی بہت ہے تو مائل
 ادا کھینچ سکتا ہے ہزارہا اس کی
 یہ رات ہجر کی بیاں تک تو دکھ دکھاتی ہے
 ہوا ہے تیرے روشن کہ کل جیسی ہے شمع
 سر رکھوں اُس کے پاؤں پر لیسکن
 آگ جس وقت سر اٹھاتی ہے
 لے شب ہجر است کہہ نجمہ کو
 چشم بدود و چشم تر لے میر
 کر بے خبر اک نگہ سے ساتی
 تمام اس کے قدمیں سناں کی طرح ہے
 بُرا کھنسن سن کے احوال میرا
 امید حرم ان سے سخت نافہمی ہے عاشق کو
 صید اقلوں سے ملنے کی تدبیر کریں گے
 غصے میں تو ہودے کی توجہ تری ایدھر
 بیٹھا ہے دل ہوزاں کو اپنے تیرے خط میں
 فکر کہ نہ تیرا دم دیکھے نہ تو تڑپھنا
 ہم ساری ساری رات رہے گریہ ناک ایک
 آتش کے شعلے سے ہمارے گزے گئے

غیر کی بات مان جا رہا ہے
 چشم بیمار کے دیکھ آنے کی رخصت دیجیے
 ہر اک تخت جگر کے ساتھ سوز خم کمن نکلے
 خدائی ہو تو اتنا دیر میں کوئی برہمن نکلے
 وہ تصویر کھینچے گا یہ ہم نے مانی
 کہ صبح شکل مری سب کو بھول جاتی ہے
 رباں ہلانے میں پرمانے کو جلاتی ہے
 دست قنوت یہ میں کہاں پائے
 عرش پر بر جیاں جلاتی ہے
 بات کوئی صبح کی بھی آتی ہے
 آنکھیں طوفان کو دکھاتی ہے
 لیکن کسی کو خبر نہ ہووے
 نیکی نیٹ اُس جواں کی طرح ہے
 بھلا تو ہی کہہ یہ کہاں کی طرح ہے
 یہ بت سنگین دلی اپنی نہ جھڑیں گہ خدا آئے
 اس دل کے تپش پیش کش تیرے کریں گے
 ہر کام میں ہم ابترے تقصیر کریں گے
 آگہی نامہ ہو کہ اس کے جانے کا آئے
 کس آرزو پہ تیرا کوئی ٹھکا رہوے
 مانند داغ جگر کو نہ دھو سکے
 بس لے تپ فراق کہ گری سے مر گئے

کب تئیں داغ دکھائے گی اسیری مجھ کو
 اپنے گھر سستی بچھو تو سنبھالے دامن
 تازہ چمن وہی ہو بلبل سے گوزاں ہو
 تالے ہوا آج سنے ہیں ایسے جگر خراش
 وصل کی جیسے گئی ہو چھوڑ داری مجھے
 مرگے بلا چمن میں میرے سائے ہم صغیر
 میں گریباں بھلا تاجوں وہ سلا دیتا جو تیر
 ذصب ہیں تیرے سے بلخ میں گل کے
 جاتے روغن دھاک سے ہر عشق
 سیر کر تیرا اس چمن کی شتاب
 الم سے بچاں تئیں میں عشق ناتوانی کی
 چمن کا نام سنا ہو نہیں کہیں دیکھا
 زلف ہی ہم ہم نہیں ہم بھی رہا ہوں
 جو کہتے دیا کو دیا سے نہ بہت دور کی
 رہتے رہتے منظر آنکھوں میں نکالیا جی ندان
 ہے جھگڑا ہم طرف اس سے اسرارہ
 جاتے ہیں پہلے متصل آنسو جو جاتے
 گل کھائے ہیں فراط سے عشق میں اس کے
 گرہ سے میرے ہر کاہنگا مرسد ہو
 خون ہوتا نظر آتا ہو کسی کا مجھ کو
 کو چہرہ سے زجاویں گے

۲۱۶
 مر گئے ساتھ کے میرے تو گرفتار کئی
 یادگار مرزا تیرے ہیں بجاں خار کئی
 شہنی جوند بھی ہو سوشاخ زعفران ہو
 کہا جہنے قفس میں گرفتار کوں ہو
 ہجر کی کتنی ٹہی ہو تازہ ہمداری مجھے
 اب تئیں آدا نہیں کرتی گرفتاری مجھے
 خوش نہیں کی نصیحت گر کی غم خواری مجھے
 بو گئی ہو داغ میں گل کے
 خون بلبل چراغ میں گل کے
 ہو خواں بھی سراغ میں گل کے
 کہ میری جان نے تن پہنے گمراہی کی
 جہاں میں ہم نے قفس ہی میں زندگانی کی
 یہاں تھکتا ہوتا ہوں عالم دہاں عالم اور
 اب بھی وہاں اور کچھ ہو دیو غم اور ہو
 دم غمیت جان اب ہلکتی کوئی دم اور
 دیکھو تو مری تاکہ کہاں جا کے لڑی ہو
 ہر تارنگہ آنکھوں میں سوئی کی لڑی ہو
 اب ہاتھ مراد دیکھو تو بھول لک چڑی ہو
 آنسو آگری ہیں تو دیا بھی گرد ہو
 ہر گھگھ ساتھ تری مصلحت ابرو ہو
 کیسے ہی بول گم گم گئے گم گئے

دل کس قدر نکستہ ہوا تھا کہ رات میر
 خنجر بیدار کو کہا دیکھتے ہو دم بدم
 یہ چشم آئینہ دار رو تھی کہ سر کی
 سحر تاجہ گل بے خودی ہم کو لے گئی
 نہ ٹھہری ایک اک جان بر لب رسیدہ
 برنگ بوے گل اس باغ کے ہم آشنا ہوتے
 خاک اے کاش ہم کو خاک ہی کھٹاک اس میں ہم
 کیس جو کچھ ملاست گر بجا ہو میر کیا جانیں
 شمع صفت گر کیس مر جائیں گے
 شند نہ ہو ہم جو سوے پھرتے ہیں
 راہ دم تیغ پہ ہو کیوں نہ میر سے
 اس کی شمشیر تیز سے ہدم
 یہاں ہوے تیر ہم برابر خاک
 جب نام ترا بھیجے تب چشم بھر آئے
 چاک و چمک ہوا جو سلا یا ہم نے
 اس کو غم کچھ نہیں مئے کا ہارے فاسوس
 مہندی سے کھنپا کی تے لاک لگی ہو
 کیا جا عدم میں لیس گے ہم نام زندگی
 مے رنگ نکستہ پر نہیں ہیں مڑاں سار
 عرق تار ہو تیری زلف سے لہو دل بہتا ہو
 گرم ہیں شہر سے تیرہ صحن کے بازار کئی

آئی جوبات لب پہ سو فریاد ہو گئی
 چشم سے انھان کی سینے ہارے دیکھے
 نظر اس طرف بھی کبھو تھی کیسو کی
 کہ اس تندہ سرکش میں ہو تھی کیسو کی
 مگر تیر کو آرزو تھی کیسو کی
 کہ ہمراہ صبا تک سیر کرتے ادھر ہوا ہوتے
 غبار راہ ہوتے یا کسی کے نقش پا ہوتے
 انھیں معلوم تب ہوتا ہوا ہے سہا ہوتے
 ساتھ کئی داغ جسگر جائیں گے
 کیا تری ان باتوں سے ڈھ جائیں گے
 جی پہ رکھیں گے تو گز جائیں گے
 مر رہیں گے جو زندگانی ہے
 دھواں وہی ناز و سرگراتی ہے
 اس طرح کے رونے کو کس جگر آئے
 اس گریبان ہی سے ہاتھ اٹھایا ہم نے
 ایسے بے مد سے کیوں مل کو لٹکایا ہم نے
 میں کیا کون تلووں کے مے آگ لگی ہو
 دیکھا نہیں ہو خواب میں آرام زندگی
 ہوا ہوں نہ عرفان کا کھیت جسے عشق میں پہلے
 شب تاریک ہو اندھ لڑتے ہیں دم بدم تار
 دھک سے جھلے ہیں پوست کے خریدار کئی

ساکنانِ دہلی وے رکشت و سزائے کردارش رسانید۔ این اشعار یاد بھار دوست۔

مگر چہ انصاف کے قابل یہ دل زاد نہ تھا
اس تند چور و جفا کا بھی سزاوار نہ تھا
نہیں کچھ غم کہ کیوں بننا نہیں بیانِ گس میرا
میں رونا ہوں گلِ دل کی بے کسی بدامی دل میرا
گئی آخر جلا کر گُل کے باغیوں آشاں اپنا
نہ چھوڑا ہے بلبل نے جن میں کچھ نشان اپنا
یہ بلبل نے اجازت باغبان کے گل سے ملتی ہے
مجھے معلوم ہوتا ہے کجی دے گی نداں اپنا
یہ حسرت لگئی کیا کیا منہ سے زندگی کرتے
اگر ہوتا جن اپنا گل اپنا باغبان اپنا
مرا جلتا ہے جی اس بلبل بے کسی کی غریب پر
گہ گل کے آسے پر جن نے چھوڑا آشاں اپنا
کوئی آزر دہ کرتا ہے جن ایسے کو بھی ظالم
یہ دولت خواہ اپنا مظہر اپنا جانِ جاں اپنا
ہم نے کی ہے توبہ و ردھو میں بجاتی ہے بہار
ہاے کچھ چلتا نہیں اور بخت جاتی ہے بہار
لالہ و گل نے ہماری خاک پر ڈالا ہے شور
کیا قیامت ہے سو دل کون بھی بھرتا ہے بہار
زر گس و گل کی کھلی جاتی ہیں کلیاں دیکھو ب
پھیرانِ خوابیدہ فتنوں کو جگاتی ہے بہار
زخمی تری نگہ کا اک پل جیا تو پھر کیا
صیاد کی بغل میں ایک دم لیا تو پھر کیا
مرتا ہوں میر زانی گل دیکھ ہر سحر
سورج کے ہاتھ چوری و بکھا سب کے ہاتھ
الہی مت کو سکے بٹیں رنجِ انتظار آئے
ہمارا دیکھیے کیا حال ہو جب تکسک یا آئے
یہ دل کب عشق کے قابل رہا ہے
کہاں اس کو دماغ و دل رہا ہے
نہیں آتا اسے تکیے اُپر خواب
یہ سر پا نوؤں پر ترے ہل رہا ہے
خدا کے واسطے اس کو نہ ٹو کو
یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے
اگر تیرے کف پا کو نہ اس شوخی سے سہلاتی
یہ رعایت علی مجتوں اصلش دہلی و بالفعل از مدتے مقیم مرشد آباد و شاگرد شاہ
قدرت اللہ امدت و ساقی نامہ حکمِ نواب مبارک اللہ لہ ابنِ ذمب میر محمد جعفر خاں مرحوم
سکہ بالفعل ناظم بنگالہ است در سلک نظم کشیدہ میر سطور در فنون سخن بردازی

دیکھتا ہوں تو کام میرا تیرا
اول عشق ہی میں آخسر ہو
سوز دل بھی کبھی نہیں سستا
یہی تو ہم کو آگ گنتی ہو
ہم یہ بازار جنوں منڈی ہو دیوانوں کی
یہاں وہاں ہیں کئی چاک گرد باؤں کی
کیونکہ کیسے کہ اگر گریہ جنوں میں نہ تھا
گردنم تاک ہو اب تک بھی بیا باؤں کی
بات حکموں کی ہم نے سگاہ نہ کی
بلکہ دی جان اور آہ نہ کی
مسجد میں تو شیخ کو خروشاں دیکھا
میخانے میں جو شاں بادہ نوشاں دیکھا
اک گوشہ عافیت جہاں میں ہم نے
دیکھا تو محلہ خوشاں دیکھا

پھر عشق میں تیرا پاؤں دھرتا ہو گا
اور زیست منقض اپنی کرتا ہو گا
سب مل کے چلو بلا سے سمجھا آویں
افسوس کہ یہ جوان مرتا ہو گا

وقت کا تم تو مجھ سے بہنا معلوم
جو گوئی ہو جی پہ تجھ سے کتنا معلوم
والہ ہو تجھ سے زندگانی اپنی
گر تو ہی چلا تو جی بھی رہنا معلوم

کیا ظلم ہو مل کے پھر چھوٹی کیجیے
دل پیچھے لے کے بے وفائی کیجیے
اے جان ناہنا نہیں اگر منظور
کامے کو کسو سے آشنائی کیجیے
منظر دہلوی آتش مرزا جان جاں نادرہ گویاں عصر خود بودہ - صلش اکبر آباد
دو مل دلدلی اختیار کرد - در علم فقہ دستکام خوب داشت و شعر فارسی برونی و طہرند
نیکوئی گفت اکثرے از تختہ گویاں شاگرد ادنیدہ - تعصب نہ بہ صفت جماعت
بدین حد جائے گاہ دولش نمودہ بود کہ مردم را منع از تعزیۃ سید الشہداء علیہ السلام
می کرد - صد سال عرفانہ او در بین خلالت بسر برد - قبل ازین مسوع شد کہ یکے از

نا اچھا آنکھوں پہ کٹ مکھ کے رونے دے مجھے
 خشک سرتا ہوں کجبوختل پھوڑوں میں کچھ
 جب سے آیا ہو وہ کھڑا نظر آئینے کو
 بھول کر منہ کے تیش اپنے کبھی دیکھا تھا
 چور دیکھوں میں جہاں بادہ کٹاں شیشے کو
 مجھ دو آنے کی بہت تدبیر کی
 لٹاکس واسطے مجھ سے نہیں
 ڈرتا ہی مناسب تھا دلدار کی آنکھوں سے
 یہ موج رشک چشم خان دل کیا لے ڈوبی
 دل میں ہوسو بلا اس کے مدہرہ جاتا مجھے
 آج گراس سے طاقت نہیں ہونے کی
 کل کی شہم پر عجب گندی پر پکار کھن
 دھنکرتا ہوں بھی میں تازہ آستیں
 روز و شب ہوتا ہوں کھارہ بار آستیں
 تب سے اپنی بھی نہیں ہر خبر آئینے کو
 بے خودی ہو باہر اس کو اُدھر آئینے کو
 یاد کرتا ہوں ہستعل کے وہاں فیض کو
 قحط کے آغیاؤں میں زنجیر کی
 میں نے ایسی کیا تری نصیر کی
 لمانہ مجھے آخر کس پلہ کی آنکھوں سے
 ہمارا گھر کا گھر یہ جہنم دریا بار لے ڈوبی
 اس میں ہوائی کسے یا کوئی دہانا مجھے
 زندگی قلیلہ حاجات نہیں ہونے کی
 ایسی بھی کوئی کٹھن رات نہیں ہونے کی

ہر سحر ہوا ہر شب نالہ جاگتا ہو
 دیکھو لے پیک خراں بوجھ موت سدا ہو
 بے قراری سے ہماری آہ کون آگاہ ہو
 قافلہ خنجر کا اسٹک سے ہمراہ ہو

دل کو زلفوں سے تری جب کہ موسیٰ ہو
 کچھو دخترہ آج سنبل کرستی
 اُس کی آزادی سے اپنے تئیں موسیٰ ہو
 محسب کل سے تمہے درپے جا موسیٰ ہو

گلشن میں شراب ارغوانی پیجے
 اپنا تو یہ قول ہو کہ سب ہویں بسار
 یا آنکھ بجائے کے پانی پیجے
 گر باتھ سے ترے یار جانی پیجے

خیلے دانا ہو شیار است - از دست

وہ پھر ہم سے آنکھیں اڑانے لگا
آج کچھ آواز رونے کی نہیں آتی مجھے
کہتا تھا سبھوں سے کل بے طرح سے کھجور لگا
اور نہیں فخل میاں کا مگر
مجنوں ہ نظروں میں ہی آئے گا ٹھو
اب تو پاؤں پگڑا تیرے بھلا کچے مہا
ر کا سبھوں سے وہ بیٹھا ہوا اس گھڑی مجنوں
کبھی ہرگز نہ کرتے اٹھ کرے یہ فریاد و شہلاہم
کبھی دھنوں کی بھی رُخ پہ نظر کرتے ہیں
تیرے دیکھے سے یاد جیتے ہیں
اس کی شمشیر خونچکاں جانے
ہو یہ وہ شوخ مرا من کے بازار کی جان
کرتا ہوا شتا ایک زمیں آسمان رہوں
بلبل ہاٹھ آہ خسرو بار کروں یا نہ کروں
سب جسے ناوکہ خزاں سے حقد کرتے ہیں
رحم کہ تک نہیں کرے کا وہ قاتل کبھی
نہ بے قرار ہو بلکہ دل سنبل کہیں نہ کہیں
اوسل جان کے جی کے نہیں گنوا بیٹھا
سدا بہر ہو اسی اشتیاق میں مجنوں
جنم ہر دم منت رہے ہو ہمکنار آستیں

دل اب کے مغرور ٹھکانے لگا
جل بسا شاید جو پہلو میں دل رہ کر رہتا
کوچے میں ہو پھر میرے مجنوں نظر آئے گا
اپنی ہی جھک جھک کے کر دیکھنا
پھر نہ اُدھر بلکہ دگر دیکھنا
پھر کبھی مجھ سے کام نہیں ہونے کا
کہیں تو جا کے دوائے سلام کرنا
نہ رکھتے اپنے دل ساگر نعل میں آہ و شن ہم
یو نہیں ہم شام و سحر اپنی بسر کرتے ہیں
وہ نہ کوئی بے قرار جیتے ہیں
جس طرح ہلکا جیتے ہیں
دیکھے جس کو کھل جانے خریدار کی جان
مانند ایک شیخو سماع جملہ رہوں
سوز دل یوں بھی ٹکنا اڑ کر دل یا نہ کروں
ایک ہم ہی ہمیکہ سینے کو سپر کرتے ہیں
ٹک تو اپنی بھی بھلا ہم کشش دل دیکھیں
لے گا یہ ہے دھوڑ میں ٹک کہیں نہ کہیں
کرے گا دل کا یہ کوننا خل کہیں نہ کہیں
کہ کچے ہیں جو ایک پل کہیں نہ کہیں
جیتے ہی چھوڑے ہو کب کا رخسار آستیں

راے اندر رام نخلص وکیل غلاب قرالہ بن خاں اعتماد الدولہ وزیر محمد شاہ
دعویٰ آونے کی کس کے گلزار میں پڑی ہو ہاتھ ارگے کا پیالہ زنگس لیے کھڑی ہو

موزوں ول عظیم آبادی ہوسم بہ راجہ رام زائن صوبہ دار عظیم آباد
ابر تو ہو گا خجالت سستی پانی پانی مت مقابل ہوئے دیدہ خونبار کے ساتھ
منعم برادر محمد قایم قایم مدغوری طبعش سالم اور است

بھولی نہیں ہو کچھ کو بتوں کی ادا ہنوز دل کے نگیں بے نقش ہو نام خدا ہنوز
میسر مد اللہ میر ہنر علی انداز نکتہ سنجای زمان محمد شاہ
ایسا نہیں وہ شوخ جسے ہکوئی ڈالے بر مجھ سانہ بودے نہ سے ڈھونڈ نکالے
اشک نکلے سے حل ہاتھ سے جی تن سچلائے لے والے صیبت کوئی کس کو سنبھالے
کرتے یو ہیں گھر ہیں یہ بتاں کعبہ دل میں سب خوابیاں ہیں ایک خدا کام نہ ڈالے

محرز دل امش مولوی سید محمد حسین از سادات موسوی

آب ہو جاوے گا پتھر سا اگر دل ہو گا آئنے تجھ سستی کیا خاک مقابل ہو گا
میں تو سر پھوڑ کے سر جاؤں گا مانند جاب ایک پردہ بھی اگر یار میں حایل ہو گا
راہ مجھ کو نہ حرم میں نہ صنم خانے میں میں تو اس لہفت خواباں میں کہیں کا نہ ہوا
صنم اگر چہ میں نکت سیاہ رکھتا ہوں بہ ہر طرح تری زلفوں سے راہ رکھتا ہوں
تسے فراق میں بھرتا ہوں در بہ در پیایے بغل میں اپنی دل داد خواہ رکھتا ہوں
روئے کو اثر ہوئے کہنے کی یہ یہ باتیں اک دل بھی نہ یاد آ رہے ہی نہیں راتیں

محسن اکبر آبادی

محسن نہ دہول میں تو بھلا کہہ دو کیا کروں تھا ایک لے بساط میں سو اس کو کھ چکا
حرف تیرے عشق کا لے شوخ زندہ کرتا ہو نام عیسیٰ کا
جاں لب ہوں میں نکل جائے نہ بجا کہیں دل میں حسرت سی رہی جاتی ہو آمان کہیں

مخلص مرشد آبادی آتش میر محمد باقر

ہمارے قتل کرنے سے تجھے آرام کیا ہوگا ماں اس ظلم کا تہی سمجھ انجام کیا ہوگا
 ہاتھ ملتا ہوں کہ میرے خون دل کا پونے کیوں کہتے ہیں تھے رنگِ خناسے آشنا
 ترکِ لہفت بہ بتوں کی مجھے مقدور نہ تھا در نہ کہہ مے بہ غلے سے کچھ دور نہ تھا
 آخر یہ دل ہمارا کوئی داد کو نہ پہنچا جز نالہ کوئی اس کی فریاد کو نہ پہنچا
 حیران ہو رہا ہی مانند چشمِ تصویر آئینہ دیکھتے تھے خسا کا تاشا
 مٹا فریاد تیرے عشق میں دہر نہ روئی تو تجھے صدافریں شیریں مروت اس کو کہتے ہیں
 شیخ شرف الدین مخلص بہ مضمونِ موطش جاج سوا ز قصبات اکبر آباد شیخ شرف الدین مخلص بہ مضمونِ موطش جاج سوا ز قصبات اکبر آباد
 ہم نے کیا کیا نہ ترے غم میں لے مجھ کو کیا صبر لوب کیا اگر یہ یعقوب کیا
 خواب کو جانتا تھا گرمی کریں گے مجھ سے دل سرد ہو گیا ہے جب سے پڑا ہے بالہ
 کیا اس گل بدن نے بسکے بے تاب مجھے نخل اُپر آتا ہر دم خواب
 اگر پاؤں تو مضمون کو رکھوں بند کروں کیا جو نہیں لگتا مے ہات
 کرے ہر دار ہی کامل کو سرتاج ہوا مضمون سے نکتہ یہ حل آج
 محقق دکھنی از قدماست و طرزِ بطورِ تاریخین افتاء سے راست۔
 تم ہر کسی سے وعدہ دیدار مست کرو اپنی زباں سے جھوٹا کافراست کرو
 منزلِ آتشِ محمد منزلِ حاضر شاہ نجم الدین آبرو بودہ دے راست منزلِ آتشِ محمد منزلِ حاضر شاہ نجم الدین آبرو بودہ دے راست
 رازِ دل آنکھوں نے رنگِ ہر کیا ہائے کسار دیا رونما نہ تھا
 موزوں آتشِ خواجہ علی خان موعودہ ایست و رغبت دار دے راست ؟ موزوں آتشِ خواجہ علی خان موعودہ ایست و رغبت دار دے راست ؟
 موزوں نے راہِ عشق میں پیرا بدم رکھا ہر پھلت سے وعدہ نجا نے کیے گا کیا
 خواجہ محمد میر مخلص بہ میرزا بابا شاہ جہان آباد است و راست خواجہ محمد میر مخلص بہ میرزا بابا شاہ جہان آباد است و راست
 شہو حسن سے از بسکہ وہ محبوب ہوا اپنے چہرے سے جھگڑا ہے کیوں خوب ہوا

محشر کشمیری متوطن لکھنؤ

دریا میں لے کے لاش کو میری ہسا دیا
قاتل نے میرے قتل کا یہ خون ہسا دیا
جیوں لگا کئے ہیں درد دل تو بولا وہ سخن
بات تک پوچھی تھی میں نے تو جی کھانے لگا
ان دونوں ہم آپس میں آنے لگے
یعنی اُس کو بچے میں بھر جانے لگے
ہائے کیا گستاخ غیروں کو کیا
کیوں نہ بوسیلوں میں نہ جانے لگے
عشر آخر ہم ہوئے رسولے خلق
خوب جی عاشق تو کھلانے لگے
مخلص آتش بدیع الزماں خاں

لے جا تو دل کو یوں تو ترا اعتبار ہو
پر شرط اس زبان میں قول و قرار ہو
ہم دیکھتے ہی اس کو گرفتار ہو گئے
دل لے کے اس کے ہاتھ میں لٹا ہوا ہو گئے
میں چاہتا تھا یہ کہ خفا ہو رقیب پر
میرے ہی حق میں تم تو ستم گار ہو گئے
مخلص کے گھر کا آنا کیا ترک تم نے کیوں
کیا ایک بوجھ لیتے ہی بیزار ہو گئے
مضمون آتش سید امام الدین
گر برق تجلی وہ تک اک جلو مگر آوے
تب بھر کے نظر دیکھنا سب کا نظر آوے
تم سب سستی ہوتے ہو بولیں گے پیارے
معلوم نہیں میری کب امید بڑاؤے
مصحفی از شرفاء امروہہ است درد ملی

پیری میں اور بھی ہوئے غافل ہزار حیف
بے اختیار لے گئی ہم کو یہ خواب صبح
ہوئی ہو بسکہ یہ فضل بہار دامن گیر
چلیں جن سے تو ہوتا ہو غلام دامن گیر
آچکا خط پہ سر مونہ گیا ناز ہنوز
ہو اسی دھیب پہ نگاہ غلط انداز ہنوز
ایک دن رہ کے نکالی تھی وہاں کلفت دل
اب تک دامن صحرا ہو غبار آلودہ
محبت آتش شیخ ولی اللہ از تلذذہ مرزا رفیع سودا و باران مہربان خاں رند

استد فرخ آباد ہسری بردہ دے دست

۲۲۴
 کیا جانیدہ شروع کرد ہو کہ سر نہیں
 مستمند اشق یار علی خاں
 مجھ کو وقت بدل کی بھی اپنے خبر نہیں

بھلے لینے خبر صہلہ آیا
 جس کے لیے اس قہر دل تھے سودا ہوا
 موع جب ہم سے تب یاد آیا
 دل کو بچا یا بہت سنگ جفا سے پر حیف
 کاش وہ آوے کہیں صہلہ نور سوا ہوا
 زلف تم گرنے زلف سرو بچا یا ہی غل
 ٹھیس کے گتے ہی چور ہاے یہ پیشا ہوا
 عشق کے اٹھوں یہ صفت جان لکھی مستند
 سلسلہ زنجیر کا اس لیے بر ہا ہوا
 تیری بھل میں رقیب کیسا یہ پیدا ہوا
 مایل دہلوی اشق محمدی نہیں خوش آئین است۔ دے راست

تو مجھ پر ہو کے غصہ ایک دم سوتا رہا
 کیا کیا کوں میں تجھ سے دل زار کی ہوئی
 طبع کے مانند ساری رات میں درد تار رہا
 جب تری بندگی میں آتے ہیں
 مشور ہو جان میں بیمار کی ہوس
 دھوکہ سنگ سے اہل تو اپنے سینے کو
 سب خدائی کو بھول جاتے ہیں
 آتا ہر دم بدم ہی رہنا میں نے مجھے
 مبادا اپنے ضرر دل کے آگینے کو
 کون سا فرد کوئی اہل دیں ہو مایل
 پھینکا ٹھک نے ہلے کہل سے کہاں مجھے
 کوئی عاشق کوئی ناز نہیں ہو مایل
 بہ اپنی یہ لعل دل نقیص ہو مایل
 سب کچھ ہو مہر ہی جو کچھ نہیں ہو مایل
 مسکین عظیم آبادی نامش خواجہ بخش اللہ

جو موعے زمیں پر جن نے یاد حق میں ہے
 وہ آدمی نہیں ہیں مٹی کی مہکتیں ہیں

مستظفر اللہ آبادی نامش اللہ بخت مل

مری خاک کو تنہا اڑنے لگے ہو
 جب سامنے پکوں کے جگر ہوئے گا یارب
 اکہی کدھر دامن یار ہوگا
 حیرت میں ہوں کس کس کا سپر ہوئے گا یارب
 خب جو ہم منتظر وعدہ دیدار ہوئے
 قہری صورت کے لیے صورت دیدار ہوئے

جس گھڑی گل رو مرا تو جلوہ فرمانے لگا
 یہ بڑھا دیوان پن اپنا کہ نامح دل ہوا
 غنچہ تصویر بھی نجلت سے رجھانے لگا
 عاشقوں میں مجھے کھاتا تو نے
 آج چہرہ مرا بحال ہوا
 دل دیں گے رونمائی دستہ ہر ہمارا
 کیا کیجیے یہی کچھ مقدمہ در ہر ہمارا
 جاتے ہیں جلد پھینکے تو سن کو عمر کے ہم
 کیا کیجیے محنت گھر دور ہر ہمارا
 غیر کو یاد تو زہار نہ رکھ اسے پیارے
 بھول جا مجھ کو بھی لیکن یہ مری بات نہ بھول
 دید زمانہ کرتے ہیں ہم چشم خانہ میں
 آواز مالے (۹) مرغ نگہ آشیانے میں
 مرزا انجلس معروف بہ لواب مرزا لقب بہ محمد حسن خاں برادر خرد لواب بہادر

رستم علی خان است و خواہر زادہ فضائل علی خاں مفید (۹) در بلدہ بنارس رفیق نواب
 سعادت علی خاں اند۔ از سخن ہائے ایشانست

کیس آگ سے دل دکنے لگا - جسے اشک بھی اب بجھاتا نہیں
 مرے پہ زباں سے نہ گلہ کیجیے اس سے یوں جی میں ہر باں تک نو و نا کیجیے اس سے
 مجنوں تخلص شہرہ شاہ مجنوں از اولاد اسے بشن ناتھ کہ بخدمت دیوانی تن

محمد شاہ غفور ممتاز بود۔ از دوست

معتقد کیا تو مرا اب بھی نہیں ہونے کا
 پھر اب یہ چو چلا ہر کل یہ قرار ٹھیرا
 ہنس یا تو نے اثر بس ہر ہی رونے کا
 کتا ہر مجھ سے چلے تو کس کا یا ٹھیرا
 داغ سینے کے مئے تازہ ہوئے ہیں یک دست
 پھول ڈالے ہیں گویا میر سگریبان کے بیج
 بوئے چاہ زخمدان کی جسے چاٹ لگے
 دیکھئے محرمیت میں وہ کس گھاٹ لگے
 چڑھا کر ساغر لبریز جس دم تو نکلتا ہر
 ترا انداز سننے کا گلوں کے ہونٹھ لٹا ہر
 معین بداؤنی اش شیخ معین الدین شاگرد مرزا رفیع سودا در پختہ گوئی

صاحب مقدمہ۔ از دوست

۲۲۶
 عارض اس کے نئے عرق سے یوں کھر بیگے ہوے جس طرح شبنم سے دو گلبرگ تر بیگے ہوے
 غشی ہاںش غلام محمد از شاگردان مرزا مظہر است واصلش قصبہ دہلوی میں تھا
 سرکار نازول

چرا لیتا ہر نقد حسن کو آئینہ آنکھوں میں خدا کے واسطے وہک کر حیا کو پاسبان پتلاں
 نہ پہنچی مجھ کو آفت ہرگز اس گردوں کی گردش سے زمین خاکساری کو کیا میں آسماں پناں
 مجروح ہاںش غشی کشن چند آہاںش در کشمیر وطن داشتند و خود در ہندوستان
 تولد یافتہ از تربیت یا تنکان مرزا مظہر و در کھنؤ، بخوبی می گذراند۔ اور است
 نہ سیر باغ نہ گلشن لالہ زار کروں یہ آرزو ہے تماثلے رفے یار کروں
 محبت ادبوی موسوم بہ مرزا حسن علی بیگ ابن مرزا سلطان علی بیگ درغل
 دہلی استقامت داشت۔ وے راست

ہو آنکھوں میں نیند تو اک کام کیجیے یہ بھی تو گھر ہو آپ کا آرام کیجیے
 ہو قریبوں سے ملاقات اس بت گمراہ کی اودہستے ہم رہیں قدرت ہو یہ اللہ کی
 مروت سبھلی خلف شیخ محمد کبیر طیب از منسلکان ذواب فیض اللہ خاں و
 شاگردان حرات و ساکنان رام پور است۔ گاہے رنختہ می گوید۔ از دست
 مہدی سیاہ کی نہیں تو نے لگا لگا کس دل جلے کا خون ترے ہاتھ جا لگا
 محبت مشہور بہ محبت خاں خلف حافظ رحمت رو میلہ۔ از بدو شباب راغب
 بطرن شاعری بودہ و اشعار خود را بلا حظہ مرزا جعفر علی حسرت می رساند۔ فصیح بیان
 است۔ در کھنؤ استقامت دارد۔

نکدہ جو محفل میں ہوا دوش کسی کا سنتے ہی ٹھکانے نہ رہا ہوش کسی کا
 قید ہوتے ہی ہوا دونوں جہاں سے آزاد میں تو بندہ ہوں محبت کی گرفتاری کا
 دشمن کی آنکھ میں بھی پہنچے لے صبا یہ میرا غبار کیجو برباد اس طرح کا

لے زلیخا ڈروں ہوں بوسمت کو لے نہ ڈوبے یہ تیری جاہ کیس
تجھ سے جو ہوں جدا تو خدا جانے کیا بنے کیا جانے اک آن میں کیسی پھر آبنے
منتِ ساقی نہ لیا چاہیے خونِ دل اپنا ہی پیا چاہیے
زلخول کو گرہ دینے سے کیا فائدہ لے یار آحق تو مری عمر کو کو تارہ کرے ہر
مرد ہوشِ آتش میری جانِ نبیرہ خواجہ محمد باسود شاگرد میرے سوز است۔ فے است
لیا جس ناز سے تو نے مراد دل خدا جانے ہر کس کو با تراد دل
مصیبتِ الہ آبادی نامش شاہ غلام قطب الدین مرد ستودہ اطوار است۔ ازو
کون گلشن میں کبوترک کی بولاتی ہو کتنے ہیں زلف کے کوچے میں صبا جاتی ہو
مشتاقِ ندوہوی ہمیش حافظ افضل علی از توفائے مرزا رفیع سدا در اقران خود تیار
داشتہ۔ اور است

جفاے یار نے کس طرح کر دیا پامال اور اپنی خاطر امیدوار میں کیا تھا
ہمدے رونے میں دل سے بخارا ٹھٹھا ہو کہ جیسے پانی کے چھڑکے غبار اٹھتا ہو
ہر ان دونوں دل نالاں فزک کا گھڑیاں رہے پھیرے کبھی اپنی بچار اٹھتا ہو
یاد اس شوخ کی اس دل میں بھری رہتی ہو لوگ کہتے ہیں کہ شیشے میں پری رہتی ہو
مشتاقِ ندوہوی نامش میر حسن در بلدہ لکھنؤ فیض آباد بہ غربت دیکھا ہے میری پڑ
اور است

مشتاق کو کیا غم ہو خدا جانے یا رو جب دیکھا ہے ہم نے تو بیلہ ہی دیکھا
ہم غریبوں کی اگر تو نے نکلی غم خوارگی جو رضا تیری پیارے بندگی بے چارگی
اپنی ہم بندگی پہ بھولے تھے بھر جو دیکھا تو والِ خدائی ہو
ہمارے دل کو مت آزار دے لے باغبانِ آحق جلالتِ آتشِ گل سے ہمارا آشتیاں نا حق
مشتاقِ عظیم آبادی ہمیش محمد علی خاں خلیفہ ہاشم علی خاں و نبیرہ نور احمد بیگ خاں

نقشِ پاکی طرح اے راحت جانِ عاشق تیرے قدموں سے جہاں کے ملے خاک میں ہم
 بے تاب ہو پتنگ جو فناؤں میں ہوشِ مع یارب کوئی اسیرِ ربِ خاکِ گلی نہ ہو
 مددِ عادی ہوی آتش میرِ عرضِ علی درِ طبابت و انشا پر داندی قصیدتِ داستانتہ
 باحفاظِ رحمتِ خاںِ بعزتِ می گزرائند۔ از دست

اپنی مجلس میں عبت کیوں بچے بلواتے ہو آؤں گا بہرے رونے کے لیے جا کر نا
 ابر کے منہ سے ہی رہتا ہوں نجلِ لے آنکھو درنہ عہدہ تھا مرا دشت کو دریا کر نا
 مجھے پتنگ کے جلنے پہ حیف آتا ہی تمام ہو گیا پہلی ہی رونائی کا
 دیکھ کر حالِ مرے دل کا سجا بولا ہی بری طرح کا آزار خدا خیر کرے
 طیب ہووے فلاطون اگر تو فائدہ کیا کہیں بھی عشق کا مارا کوئی جیا بھی ہی
 ملال از غنا کاں عصرِ خود است۔ وے راست

کئے کی بہت باتیں ہیں بہ کہ نہیں سکتا بن دیکھے دلا رام کے دل رہ نہیں سکتا
 مجذوبِ آتشِ غلامِ حیدرِ فرزندِ خواندہ و شاگردِ مرزا محمد رفیع سودا است۔
 در کھنڈو استقامتِ دلید۔

منظور ہی جو پیارے دل کا علاج کر نا موقوفِ کلی پہ مت رکھ جو ہو سو آج کر نا
 ہر صبح و شام ہم سے بولو گے جھوٹ کبتک کچھ دعدوں کی بھی اپنے لے دو تلج کر نا
 دل کے ساتھ اپنے داغ لیتا جا تیرہ رہ ہی چراغ لیتا جا
 چشمِ بُدِ ہم جہاں سے مجذوب تو سمجھ کر ایاغ لیتا جا
 ہی سخت بے مروت وہ بت دفا کرے کیا پر اب تو لگ گیا دل دیکھیں خدا کرے کیا
 میں تو اٹھ جاؤں تھے کوچہ سے پر فکر ہی یہ کیا کروں گا جو دل اس وقت نجلِ ماہِ لگا
 دل کو تو میں نے کاٹا ہی رو رو کے تجھ بغیر کیا جانے کئے گی مری ماہِ کس طرح
 مت سمجھو ظالم کہ یہ گر دغا پہ شفق ہی مارا ہی مرے خوں نے جا جوشِ فلک پر

آتش عشق است۔ از سخناے لال انگیزِ ادست

یا اسی کو لایاں تک آہ و داری کھینچ کر
با مجھے چل دیاں لے بے قرار کی کھینچ کر
کیونکہ سیاہ ضعیف اس سنگدل کو کھینچ لائے
ناؤاں کیا لاسکے ہر چیز بھاری کھینچ کر
کب ہیں زندگی گوارا ہو
جب ترا غیر سے اشارا ہو

بظاہر یہاں گو تو آتا نہیں ہو
تصور ترا دل سے جاتا نہیں ہو
جھوم کر بادل ڈراتا ہو مجھے جوں نیل مست
دل کا بچنا سا قیاس وقت تیرے ہاتھ ہو
چین کیوں کر ہو بھلا اس دل شیدائی کو
نہ تو یہ صبر کو سمجھے نہ شکیبائی کو

مرزا معزز موسوی از سخنان با فطرت و نکتہ سخنان صاحب قدرت است۔

اشعار فارسی اوزبان زدا نام۔ این شعر نکتہ نام اور مردم استہارہ دلاہاند بنابر ان تحریر نمود۔

از زلف سیاہ تو بدل دھوم رہی ہو
در خانہ آئینہ کھٹا جھوم رہی ہو
مرزا علی رضا متخلص بہ مرزا از قرا تیان نواب حسین الدین خاں باب جاب

نگر است

ہمدی دیکھ حالت ٹٹھ گئے سب خوش ہو گئے
نہ بیجا کوئی جز بیکان دل انگار کے پہلو

مبتلا تخلص اس راقم آئم کہ مسمی بہ مردان علی خان است۔ از دست

دیکھ کر تیری گلی میں تجھ کو حیران ہو گیا
صورتِ دیوار کی مانند بے جاں ہو گیا
اب تو آنکھوں سے لگے بننے مرثک خون چکا
ہاے یہ ناسور زخمِ دل نسیاں ہو گیا
بے طرح جوش میں ہو دیدہ گریاں میرا
نوح کو آنکھ دکھاتا ہو یہ طوفان میرا
اپنے سب داغوں سے ہیں میں اتارے پھلے
آج کی رات تو آدیکھ چہرا غاں میرا
حاکم عشق سے رکھتا ہوں جنوں کی میں بند
قیس سے جا کے کہو بھڑے بیاباں میرا
دامنِ دشت کو حرمت نے مری گھیر لیا
مبتلا ہاتھ جنوں کے ہو گریساں میرا
بیگانہ سب سے ہو وہ نہیں آشنا کسی کا
جس کے دوست ہیں گے دشمن ہوں کے جی کا

میسر نہیں کب ہوا وصل یا رے دیکھا اور کپ کو گم کیا
 شمع کی طرح نہیں کرتے ہیں ہم زاری رات
 بختِ عشق میں بے مری ساقی سے مدام
 ہر اکہ۔ داغِ جگر آفتاب میرا ہو
 وہ ادھر ہی ہوا اپنے خطا و خال کو دیکھ
 گالیاں تم نے دیں دعا کرتے
 جومیرے روبرو وہ ماتاب میرا ہو
 ایدھر آئینہ کو حیرت ہوئی تماثل کو دیکھ
 ہر مثل ہو بُرا بھلا کرتے

منتِ دہلوی اش میر قمر الدین سلسلہ نسب اور از جانب اجداد مادی ہرید

جہاں بخاری۔ از کلام دوست

خٹک لے ہو گئے بننے سے دریا تھم رہا
 گل نکلتے ہیں زمیں سستی بزمِ شعلہ
 مصری سے وہ ہونٹھ مک دکھا دے
 آئینہ دل جو تھا، سو ٹوٹا
 سو کو و آئیں کو چھائی سے پلٹے ہیں
 خزانِ کرم پر تیرے ہر سیر ایک عالم
 منت ایسے کو دل دیا تو نے
 کوئی اس بد مزاجی پر تھا ہے پاس کیا بیٹھے
 کہں ہم کو عرض غم دل کا رو ہو
 سنایا تھا میں حال دل اس کو منت
 آہو سی تری چشم کی کب چوڑیں ہیں تشنہ؟
 مغموم سنے ہر دم جس ساکن لکھنؤ از منہ لکان مستر جانین و جگر سو خنگین

دل کی تو ترے داغوں سے اب لگ گئی ہے جی کیونکے بچے چاروں طرف آگ لگی ہے
 شیشہ دل شک دیا تو نے سنگ دل ہائے کیا کیا تو نے
 سر کو تیغ اس کی سے جیوں فر باد رنگیں کیجیے جی میں ہے تلخی جال کندن کو شیریں کیجیے
 مبتلا م لینے کی فرصت مجھے ہرگز نہ دی ایسے قاتل کو کہو کیونکر نہ محسوس کیجیے

حرف النون

نا آجی دہلوی نامش محمد شاکر، مردے ظریف و خوش طبع معاصر نجم الدین
 آبرو بود۔ و شعر ہم بطرز آدمی گفت۔ دیوانش یک ہزار با نصد بیت دیدہ شد۔ اکثر
 سخنانش در کمال صفائی و معنی بندیت۔ اور است

دل اپنے قبضے کر، ابرو کے گوشت گیروں کا وہاں مت لے سخن زلف کے اسیروں کا
 تری نگاہ کی کثرت سے اے کمال ابرو ہائے سینے پر تو وہ ہوا ہے تیروں کا
 نہ پڑ چھو خود بہ خود ہے عارض خوشبیدی کی خوبی لیا ہے ذرہ حسن سرویاں سے کرچند ا
 نظریں ہیں تھائے دالو لگات لے مہربان نکالادروں سے جا جا کھیلنا اور ہم سے رقم کرنا
 مجھ کو باتوں میں لگا معلوم نہیں کیا کہہ گیا لے گیا وہ دل کے تیش منہ دیکھتا میں رہ گیا
 کیوں نہ ہو بے حوا کہ کان کا در ہے پریشاں وہ زلف کا مارا
 مجھ سستی کجروی کرے ہے فلک دیکھو سر ہے پھر اکیسے کا
 بو علی سے نہ پوچھ میرا درد جانتا نہیں وہ زخم سینے کا
 ترے خرد کے پتوں سے لے خوش پری خانہ ہوا گھر آرسی کا
 مست کر آزاد دام زلف سے دل بال باندھا غلام ہے تیرا
 صنم کی زلف مرے دل کے ہے بل ہر شب رہے ہے خوف سے اس بار کے خلل ہر شب
 جو بیند نمی تجھ نگاہ مست کی تلوار سین اُن کے زخموں سے بکائے خون ٹپکے ہے شراب

جا بیسے ہونا مجھے باد صبا کا آشنا
 تودہ کافر ہی کہ نہیں ہرگز خدا کا آشنا
 کہاں سے گرد اٹھی اور کہاں خدا تک لگا
 جن میں جو دواں ہو دل ذرا بہلائیے صاحب
 میں بے خفا میں دول گدول مجھے نے جائیے صاحب
 خدا کے واسطے اس کو تو تک سمجھائیے صاحب
 ہوں اگر میں بھی ربک روح صبا کی صورت
 کو چہ یار میں پھرتا ہو گدا کی صورت
 پہلے انی اپنے محل کے پائوں میں نہ پھیر کھینچ
 ہزار بلبل نالال کا جی نہ ہے برباد
 جان لے ہاتھ میں تو کھینچ لے اے مال ہر

جس میں ہو تیری ضابطہ کو اسی کام سے کام
 تم کرو سیر گل ولالہ مجھے دام سے کام
 میں پر جلا بنگ بہ پائے چراغ ہوں
 نہیں ٹھہرتا ہو کچھ آفتاب آنکھوں میں
 یہی رہے ہو سوال و جواب آنکھوں میں
 ہمیشہ رہتا ہو مردم کے خواب آنکھوں میں
 کہ اُس دریا بے بے بایاں میں ہر دم نہاتے ہیں
 قیامت تیرے کانوں میں یہ موتی جگلاتے ہیں
 تڑپنے کا مدعا بسمل سے پوچھا جا ہیے
 شمع کی دل بوزیاں مغل سے پوچھا جا ہیے

ہو گیا ہوں خاک لیکن تجھے کوچے سے ہوں دور
 تیری بے مہری کا شکوہ ہو بحث لے مارو
 جی جگر میں گنگہ اور لبوں سے نکلی آہ
 کیا مردم سے خالی خانہ چشم آئیے صاحب
 لیا مجھ سے بزور اور چاہتے ہو مفت میں کھونا
 ہوا ہوں جاں بلب تجھ غزوہ ظالم کے ہاتھوں سے
 کھو لیں اُس زلف گرہ گیر کے عقدے دل سے
 بتلا واسطے دیدار کے در یزہ کناں
 مت دوانا ہو کے زلف یار کی تصویر کھینچ
 نہ کہ جن کے اُپر اس قدر صبا بیداد
 کر علم تیغ کو آیا ہو وہ قابل باہر
 نہ خوشی سے غرض اور نہ غم ایام سے کام
 ہم صغیر و مرصع یاد نے باندھے پردہ بال
 حرم ہوں وصال سے فرقت سے داغ ہوا
 کبھی ہو جب سستی اُس مہ کی تاب آنکھوں میں
 کہ میں ہیں مشوہ ہی قس کامے شب و روز
 کبھی پھر آئے نظر خواب میں خیال اس کا
 ہم اپنے مردان چشم سے اب ہاتھ دھو بیٹھے
 مے حل کے پر بجلی سی ہر دم ہو کر اک جاتی
 ماجرا دیانگی کا دل سے پوچھا جا ہیے
 گرچہ پردے کا جل جانا ہو روشن آہ پر

لازم نہیں کہ سر پہ ہر اک کے جدا ہو تیغ
 یہ بڑی ایک نگاہ تری بس جو کل کے تئیں
 ہم تو بے تاب دیکھ کل کے ہیں
 آج کھڑے کے اور جھٹکے ہیں
 دیکھ خورشید رو کو کھینچ جاویں
 دل میں بھول یہ کنول کے ہیں
 عاشق کے انک دکھ چڑھامت بھول کے تئیں
 برسات میں اتار کھیں ہیں کہاں کے تئیں
 سیر جن کا عزم نہ کر آئیں لے ہاتھ
 کیوں بھولتا ہے یاد رکھ اس بول کے تئیں
 عشاق پر جو کچھ ہر جفا مرزاں سے ہے
 بدنام کر رکھا ہے بھٹ آسمان کے تئیں
 ناہنجی کا حال دیکھ جلی ہے تو اے صبا
 آوے شباب کہہ دے آرام جاں کے تئیں
 جلا ہوں عشق کا میں کیوں ہوں بیزار باغوں سے
 جن سا کھل رہا ہے دل مرا گرو کہ انہوں سے
 خوباں میں ہم انھیں کو محبوب جاننے ہیں
 جو دل کے کھینچنے کا اسلوب جانتے ہیں
 کیا زلفوں نے اک عالم پریشاں
 کوئی کہتا نہیں کچھ اس کے رو میں
 تیرا پتہ ہے دل اس کے خط کی سن بات
 کھنا شاید ہے بسمل کے لمبو میں
 عجب نازک قبا ہے دوستی کی
 کہ چاک اس کا نہیں بٹا رو میں
 مثل غنچے کے جو کوئی چاہے لالے اس کو
 نقد دل گل کی طرح پتہ دکھالے اس کو
 ہو ادیراں جدائی سے مرے دل کا نگر
 دل کو سرد رہا میں کہ نہ لے اس کا وبال
 دل نے سو اتو کیا مجھ کو سزا ہے جو ابھی
 دیکھ ابھو تو مبادا وہ ہلاے اس کو
 ماہر و غیرہ کئے جانے نہ پاوے ناہنجی
 جرم عاشق کا اب معاف کرو
 نہ شرح سوز دل کا کھایوں پتنگ پر
 دم لو یک تیغ کو غلاف کرو
 شہر و گھنا ہے بد کا تجھ رخ کی تاب دیکھ
 شاید نہ ہونے میں لگے شمع رو کے ہاتھ
 بدلی میں جا چھپا ہے تجھے آفتاب دیکھ
 دل کس کا مانگتے ہو لے کس سے تھے سخن
 پہچانتے نہیں مگر آئے ہو خواب دیکھ

دیکھ ہم محبت کی دولت سے نہ رکھ چشم کرم
 ایک باری تو بکھا دل حبس کر
 چشم زخم آوے سب دا نا جی
 دہنشی دل کو مرے بریں دم آ ہو ، ہر
 ہر لگن تیری سے مجھ سینے میں داغ لے شمع رو
 اسے دل جو کوئی ہوا ہر لب لعل کا شہید
 جو ترے سے دل میں لے کر دو
 چھڑے گل جن میں غیرت سے
 ہوا ہر دل کا جن تازہ پنی کا نامہ دیکھ
 ماہ رو بن کیوں گے یاروں میں دل
 شمع رو جب سے گھا غیر دل کے پاس
 ذکر تجھ لب کا ہوا نا جی کا قوت
 ہر چند مثل طور کے حل گئے ہیں عشق میں
 خبر لے جلد لے پیدا گرا اپنے شہیدوں کی
 مہربانی سے یا ہو غصے سے
 چھوڑے کب ہیں نقد دل کو صنم
 نہ سیر باغ نہ مٹا نہ ٹھہری باتیں ، ہیں
 ہیں تو بوسہ نہ دینے کہا نہ کہہ کے دیا
 جن میں دیکھ جو غنچوں کو کھل کھلا کے ہنسا
 تجھ لب نے کان لعل کیا جام ل کے تئیں
 لے شیخ رسم زہد کی مینا سے سیکھ لے

۳۴
 لب حدوت کے تر نہیں ہر چند ہر گاہ میں اک
 پھر پھر اُس کو تو جلا تا ہر عیش
 کو چہ میں اس کے تو جلا تا ہر عیش
 شہر میں بکے (۹) یہ صیاد ہیں سب گھا کے بیج
 جانیم اس شوخ سے کیو زبانی اس طرح
 اس کا یہ ہر نشان کہ ہو رنگ مزار سرخ
 داغ ہیں لالہ زار کی سو گند
 ترے رخ کی بہار کی سو گند
 گر ہر عشق کے گلشن کا باغباں کا غد
 اب ہر اُٹھ کی زلف کے تاروں میں دل
 لٹتا ہو تب سے انگاروں میں دل
 بسکہ اُس کا ہر شکر پاروں میں دل
 سر نہ ہو جائے ہیں سخن کے نین میں ہم
 بہت ہیں نیم بسمل اور بہت مجھ سے سکتے ہیں
 پیاری لگتی ہیں یار کی باتیں
 جب وہ کرتے ہیں پیاری باتیں
 یہ دن بہار کے لے جان پونہیں جاتیں ہیں
 جنہوں سے وعدہ کیا ہر انہیں چاتیں ہیں
 تو اپنے دل میں وہ بھولے نہیں ساتیں ہیں
 شک کیا جھکے تھے رخ کی گل کے تئیں
 ہر سجدے میں کرے ہوا چار قل کے تئیں

بسبب عسرت و زمرہ شیشہ گران عظیم آباد بسری برد قبل ازین چندے بخند مت
اشرت ملی خال فخال حاضری شد و خان مذکور فی الجملہ بحال اوی پرداخت - در غنوری
دستگاه خوب دارد - دیوانش یک ہزار و چار صد بیت بہ نظر رسیدہ - از غنای دل سوز

اوست

گرنہ ہوتا قافلہ ہمراہ انکس و آہ کا
دید کہ عیبِ ربی کیا ہو تو تشریف دہر ہن
گلی میں جس کی پر مرغِ دہم جھلکتے ہیں
سوالِ بوسہ جو اک روز دہ بجا لایا
تنبیہ بیدارے سر پہ لگا چھوڑے گا
اگر اپنے جی سے ہی پیارا نہ آیا
دی جگہ تجھ کو خانہ دل میں
کس سے لکھ کر یہ کالیاں سکیں

پہنچا معلوم تھا اسی تک دل گمراہ کا
کون سی جا ہے جہاں جلوہ نہیں دیندہ کا
عبث گمان ہوا اس تک مجھے رسائی کا
مری زبان کو چسکا بڑا گدا ئی کا
ایک ظالم ہے وہ جتنا مجھے کیا چھوڑے گا
تو پھر دو ذل کیساں ہیں آیا نہ آیا
اس سے بہتر کوئی مکان نہ تھا
آگے تو اتنا بد زبان نہ تھا

یار بڑا ہوا ایسے خانہ خواب دل کا
زلفوں میں تیری جبیں گرفتار ہو گیا
اب کس طرح جنوں کو چھپاؤں کہ شمع
اٹھائے زہد سے دل مبتلا ہوے پرستی کا
دیکھا ہے ایک بار تجھے جن نے خواب میں
نالائک سیر زلفت کو آزادگی کیں
بہت دے تا ہوں اُن دم یاد کراحوال کو دل کے
ترسے اٹھیں سے کار مرگ کا شام ہو جاتا
نہ تھی کچھ بھینچ تیغ میرے قتل کو نالائک

مندی ہو جا لگا ہر دل اُس گل بلی کے ہاتھ
 غم نہیں اگر دلبری سے دل کو لے جاتا ہو وہ
 تھک کر لے بارو سے عاشق کے لگا تیر نگاہ
 بات کی تکلیف یار و غنچہ لب کے تئیں نہ دو
 پھرے ہو شتر علی طلعت وہ بن بن مثل بخول کے
 تیغ ابرو سے دل کیے غارت
 کوئیں پر چکا ہو اس کے لب لکڑی
 لے گیا دل کناریں آ کر
 نشان اُس کا مجھ پاس اور کیا ہو
 مجھے زخمی تو پیارے کر چکے تم
 اُس کے زخار دیکھ جیتا ہوں
 چرب ہو شمع پر جمال اُس کا
 وہ بک دل میں جب اکھنتی ہو
 غم سے سیلی کے روح بخول کی
 تجسم پر رقیبوں سے خلل ہو
 مراد دل زلف نے لے گا نہ باندھا
 کیا فردا کا وعدہ سرو قد نے
 نگا یا عاقبت گھرو نے خنجر
 تعظیم ہو ہو جو ہر ذاتی نجیب میں
 باجی دہن کو دیکھ سخن مختصر کیا
 پہنچی ہر خوب طرح چاک کی سخن کے ہاتھ
 پاس میرے تب تو آتا ہو جو دل پاتا ہو وہ
 چشم زخم اس کے تئیں پہنچا ہو چلا تا ہو وہ
 دلتے میں مجھ سوا اوروں سے شرتا ہو وہ
 جسے عالم میں تیری زلف کی سیلی کا سودا ہو
 چشم بد دور کیا سیاہی ہو
 کیا لعل بے بہا کی قیمت ہوئی ہو سستی
 میں نہ جانا بغل میں دشمن ہو
 یہ آنسو سرخ نہیں رنگِ خاں ہو
 اگر سر چاہتے ہو یہ جدا ہو
 عارضی میری زندگی کا ہی ہو
 شمع کی روشنی زبانی ہو
 خار ہو چشم میں کھسکتی ہو
 اب تک رشت میں بھسکتی ہو
 تھے بھاویں بھسی میری اجل ہو
 وہ سرکش ہو کر وہ کا جس کو بل ہو
 قیامت کا جو دن سننے تھے کل ہو
 یہی اس بھول کے دیکھ کا بھل ہو
 دمنے سے کیا ضرر ہو اگر تیغ اکیل ہو
 گر چہ سخن کی زلف کا قصہ طویل ہو

سیر وارث علی مالک از بازک خیال ان عظیم آداست خلف میر از راتی بہار کی

اِدھر غیب سے بھی دیکھا نہ ایک بار افسوس
 نالال ہوا تو ان دلوں میں کسی طرف
 تو ہی اگر نہیں تو کہاں آرزوے عشق
 غرض رہیں گے یہ دو نو بہم قیامت تک
 نہ جھوٹے کا تمہارے تہم قیامت تک
 صیدِ دل عشاق نہیں دام کے قابل
 یہ عاشق جانا ساز ہو انعام کے قابل
 ایسی نگاہ کی کہ ہوسے ہائے ہم تمام
 تیری شکار گاہ میں صیدِ حرم تمام
 داغِ جوں شمع کسی کو نہ دکھادیں گے ہم
 جی کے مرجاویں گے کچھ منہ پہ نہ لادیں گے ہم
 دوہیں کل کھڑے ہوں مرے مردانِ چشم
 آہ ظالمِ طیشِ دل نے کیا کام تمام
 ہوتا ہو جسگر کباب تجھ بن

رشتکِ مر و آفتابِ تجھ بن
 دل ترے ہاتھ سے دم بھر مجھ آرام نہیں
 وہ جو کالی ہو نصیبوں کی سوکھا جاتے ہیں
 جو عقد ہیں شکلِ سوہم جانتے ہیں
 مجھے لوگ نقشِ قدم جانتے ہیں
 ہم ہیں عاشق تے ددلوں پہ سخن رکھتے ہیں
 میرے روئے پہ لوگ ہنستے ہیں

ہمارے سامنے عالم کو ان نے قتل کیا
 آنکھیں کسی طرف ہیں تو ہی دل کسی طرف
 دل تیرے دم کے ساتھ ہی جب خجے عشق
 جہان ہووے گا شادی سے غم قیامت تک
 ٹھہر چکی ہو یہ دل پر کہ نقشِ پا کی طرح
 لے زلف سے کہ خجہ رزمِ محاکاں کہ حوالے
 ہو بوسہ طلب تجھ سے جفا کار سے ظالم
 جانا تھا وصلِ یار سے ہوسے گا غم تمام
 ہیں جمع آج ناوکِ مژگاں کے شوق میں
 آتشِ عشق اگر دل کو جلا دیں گے ہم
 دردِ دل کیسے تو سمجھے گا وہ شکوہ اپنا
 جس وقت تو پسند کیے یہ مکانِ چشم
 منہ پہ لانے ہی نہ پایا میں ترا نام تمام
 پیتے ہیں اگر شرابِ تجھ بن

ہو خانہٴ دل تہم تار یک
 آدہ تالہ کے سوا اور تجھے کام نہیں
 گھاگھا اُس کے سی جی میں جو آجاتے ہیں
 گرفتار زلفِ تباہ میں ازل سے
 یہاں تک ہوں پامال کئے بتل میں
 کامِ سیلی سے نہ ہم کو نہ غرض شیریت
 بے رفا فرقت نے دل یہ دکھلائے

تلوار سے اُس کی جو مرا کام نہ ہوتا
 آغاز محبت میں اگر جان نہ دیتے
 تجھ کو مدام قتل کا سامان ہی رہا
 جس کی نظر بڑی ترے عارض پہ ایک بار
 شکر خدا کہ دستِ جنوں کے لطفیل میں
 اس کے ہنس بولنے پہ پھول گیا
 ایک بہ یک شام کو وہ یار جو گھر سے نکلا
 سننے ہیں بڑا کاٹ ہی تلوار کا تیری
 دامن مرتے مرتے بھی آنسو سے نم ہوا
 ہی بدگمان سخت وہ دھڑکے ہی دل مرا
 شب کو شلِ شمع تو رونا ہی کیا
 داغِ دل تو ہی کسی کا یادگار
 دل مرا خون ہوا حسرتِ با بوسی میں
 ہو گئے دیکھتے ہی ابدے خدا رُشید
 کہتے ہیں آئینہ محل اس دل کو کہ خسریہ
 الال نہ مل انھوں سے بھلا ہیں یہ خوب رو
 اس کی بیاض چشم کی خوبی میں کیا کہوں
 اٹک اس چشم کو سفید نہ کر
 بڑا پشتِ بام پر مت آ
 مزار پر بھی نہ آیا وہ گلزارِ افسوس
 چلا ہوا ساتھ مرے گور میں دلِ سوزاں

تو زیر میں بھی مجھے آرام نہ ہوتا
 یہ کام کسی طرح سے انجام نہ ہوتا
 میں جب تک جیا مجھے ارمان ہی رہا
 مانند آئنے کے وہ حیران ہی رہا
 دامن ہی رہا نہ گریبان ہی رہا
 دل مجھے اس کا جو بھول گیا
 لوگ حیراں ہوئے یہ چاند کہ ہر سے نکلا
 اک ہاتھ مے سر پہ بھی مار نہ دیکھا
 جیوں شمع عمر بھر مرا رونا نہ کم ہوا
 بھولے سے بڑ گئی نظر اُس پر ستم ہوا
 صبح تک تو دیکھ لے ہوتا ہی کیا
 آنسو دل سے تو اٹے ہوتا ہی کیا
 گو کہ سر سبز بولن ظاہر میں خاک کی صورت
 آگئی دل کو ہلکے تویہ تلوار پسند
 رہنے کو تیرے خوب ہی ظالم یہ گھر خرید
 تو آپ اپنے واسطے آفت نہ کر خرید
 موتی کسی نے بھر دیے ہیں کوٹ کوٹ کر
 دید سے اُس کی نا امید نہ کر
 آپ کو شلِ باہ امید نہ کر
 نصیب میں ہی نہ تھی اپنے یہ بھلا افسوس
 جا بکھارتی مجلس میں شمع وار افسوس

گھر سے آنے کے مانند سداے نالائ
 رب ہم اس کے اب کو بچے میں جاو جس کی جا ہے
 مجھے کیا اپنی تیغ لکشاں گردوں دکھانا ہو
 کشتہ تیغ نگہ تھے زلف کے ماروں میں تھے
 اک طرف ہم تھے چین میں دل گرفتہ ٹیچہ سراں
 کچھ رفاقت نہ کی جوانی نے
 چین سے بیٹھے کہیں نہ دیا
 رات اس رنگ حل کو بھی نالائ
 نالائ خیال دے صنم جس کے دل میں ہو
 تیرے ہی آستانے پہ ہر پھر کے آ رہے
 معلوم تیرے دہر و نالائ کا بولنا
 کل بات شمع دیکھ کے تجھ کو گھسل گئی
 محفل میں تو جو آیا تو وہ نہیں تری تنکا
 گرا ایک وہ مول داغ تو مرہم لگا ایسے
 آنکھیں پر آب خاک بسر جیب چاک ہو
 رحم نہ جی چاہے ستم کیجیے
 بولوں جو محفل میں تو میری زباں
 برگ خا کا رنگ سے ل خون ہو گیا
 بتوں کے صوب پہ کب تک کوئی نگاہ رکھے
 کسی طرح ہی کرتے قتل وہ مجھے نالائ
 گل سے ہر ایک نے اس باغ میں داماں بھر کے

میں تو بیدار رہا کون سی شب کچھ لگی
 بزرگ نقش پا بیٹھے اٹھا فے جس کا جی چاہے
 کمر نہ پیں باندھی ہو کٹے جس کا جی چاہے
 الغرض جوتے سو تھوڑے تو گنہگار دل میں تھے
 اک طرف جوں گل شگفتہ آپ بغیاروں میں تھے
 آیا ضعف و ناتوانی نے
 مجھ کو تیری ہی بدگمانی نے
 کیا روایا تری کہا نی نے
 رکھ رکھنے میں اپنی وہ قرآن کیا کرے
 دیکھا ہو جس نے تجھ کو سون دیکھے کیا رہے
 تو قتل بھی کرے تو وہ منہ دکھتا رہے
 اے یار کیا کہوں کہ مری جان جہل گئی
 تلوار سی ہر ایک پر اے یار چہل گئی
 چھاتی تمام داغِ تناسل گئی
 نالائ یہ کیا ہوا تری صورت بدل گئی
 ہم سے ملاقات نہ کم کیجیے
 ختم کے مانند قلم کیجیے
 میرے لوے ہا جب ان کے ڈولے
 وہ ایک جھوٹے میں کا فر خدا ہناہ رکھے
 میں اس میں راضی ہوں میری سرگناہ کے
 ایک کم نخت مگر ہم چلے ارمان بھرے

تیری زلفوں کی کچھ نہیں تقصیر
جالت کس کس کے کئے ہر عیادت ناگلاں
گالیاں کیا تھیں کو آتی ہیں
تیری اس چشم کے بیمار تو کم جیتے ہیں
ہنسی غم نے تو کب کا ہی جھلایا ہوتا
مری جاویں گے شب سحر ہی کو دروڑ صال
میں اٹک جستم سے جو کروں تجھ کو ترزیں
مزا ہول کہ آندوئے وصل یار میں
کون سا تیرا زیا نہیں
کس کے سینہ میں شعلہ دیول کا
تو ہی بسے ہر دل میں نظر میں دھیلن میں
خاک کر ڈالے اگر گردش دوراں مجھ کو
گل مری جستم میں پڑ مردہ نظر آتے ہیں
اکٹک ہتے ہیں چلے کھت جگر ساتھ لیے
لے چشم را عشق کو انشا نہ کجیو
پہر آئینہ تاب دل سے لے نام نہ
گر مری حسن بتاں لے کیا دل کا یہ رنگ
عشق نے چاہا کہ ہو خون مرا اُس کے ہاتھ
یوں ہی نہیں بدامری اُس دھک جھڑ سے
ماندا آنے کے جو بیٹھوں اٹھوں نہ میں
گئے طالع بد اور ہاں ہے یلب

آپ سے آپ لوگ بچتے ہیں
کون اُس چشم سیہ مست کا سبب نہیں
میں بھی منہ میں زبان رکھا ہوں
کیا سبب ہے لے مری جان کہ ہم جیتے ہیں
تیرا باعث ہے حواس دیدہ خم جیتے ہیں
درمیل تیرا جیت کہ قدم جیتے ہیں
پیدا بجلے دانہ ہو، تھ میں گہر ز میں
لیکن ٹلے ہی روز مرا انتظار میں
جو کبھی کے وار پار نہیں
ایک دو داغ یاد گار نہیں
دیکھنا نہ دوسرا کوئی تجھ سا جہان میں
ہو میسر نہ ترا گوشہ داماں مجھ کو
جب سے آنا نظر اس کا لب بخداں مجھ کو
تنگ آوے ہو نظر و صحبت داماں مجھ کو
ناحق کسی غریب کو دوسوانہ کجیو
مرا دل انتظار میں ایسا نہ کجیو
جس طرح بانی کریں شیشے گراں شیشے کو
حسن نے کھینچ کے دی تیغ جفا اُس کے ہاتھ
درگاہ لے ہم نہ عجز سے نہ وہ غرور سے
تو جب تلک اٹھانے لے اپنے حضور سے
یاد بالیں یہ جب یا مری تبا کھ لگی

۲۳۳
چاہے ہر جی تو یوں تجھے ہر آن دیکھے پرکب خدا دکھائے ہے لے جان دیکھے
تہا تمھارے عشق میں نالائیں نہیں خراب آئینہ لے کے زلف پریشان دیکھے
دوستی تجھ سے کی کہاں کہ تجھے دشمنی ہو گئی زمانے سے
تجھ کو نہ کروں جدا نظر سے ڈرنا بولوں میں اپنی چشم تر سے

ہیں ہیں قابلِ شہیر کیا زمانے میں تمھارا چاہنے والا تو ایک عالم ہے
نظامِ امش شہاب الدین خاں و مخاطب بہ اعتماد الملک بن غازی الدین
خاں فیروز جنگ سیرۃ آصف جاہ نظام الملک است بعد احمد شاہ بوساطت ذاب وزیر
صفدر جنگ مغفور امیر الامرا شد۔ و بزمان عالم گیر ثانی خاں خود راکشتہ خدمت وزارت
یافت۔ آخو باعثِ بکرم نیلا سلطنت بند گردید۔ در تہودِ دیو مہارت بعضے فنون
متناظرانِ خطرا خوب می نویسد و زبانش با محاورات آشنا ست۔ در نیو لاسموس
شد کہ ہر زشتی اعمال خود بہ طرف سند بہ پریشانی بسر می برد اور است

دل گرمی نگاہ سے بے تاب ہو گیا جب تک اُسے میں تھاموں جگر آب ہو گیا
زلف کا کھولنا بہا نا تھا دعا ہم سے منہ چھپانا تھا

نصیر دہلوی، امش نصیر شاہ با محمد حاتم ہم عصر وہم فکر بود۔ وے راست
اس وقت تک ایک بار گفتار نہ کیجے گا اس فتنہ عالم کو سید دار نہ کیجے گا
احوالِ مراسم کے کہنے لگا وہ ظالم اب چاہیے بس زیادہ تکرار نہ کیجے گا
خیال کر کے تری موکر کو روتا ہوں وہ کیوں نہ روئے بٹھے جس کے بال نکھوں میں
دیکھ آئے خلتے ہیں گر تجھ کو نہیں باور تجھ سے تو جہاں میں بھی دلدار بہت ہوں گے
میر غلام نبی بگرا می خواہر زادہ میر عبد الجلیل در علم سنسکرت بے مثل وقت خود
بود۔ دو ہزار پانصد و ہرہ و کبت تصنیف کرد و در سین تخلص داشت۔ با مولف را بطہ
دوستی بد جہاتم بود و ہر روز در دلی اتفاق طوافت می شد۔ در جنگ احمد خان افغان

ہر ہی خون کے جی کو یہی دھڑکا ہو
 یوسف کی طرح دل کو مرے اُن نے لے لیا
 ہمراہ ترک بہ نہ گئے یہ دل و جگر
 عاشق ہوئے جفا کے سزاوار ہو چکے
 رہے گی تابہ لب گوشت گو تیری
 جودہ رکھے نہ تجھے رو بروئے آئینہ
 کاوش ہر تری چشم کوئے یار بھی سے
 شانے نے کسی کو مد کھا زلف میں تیری
 اب تو ایدھر ہی تری تیری رہتی ہو نگاہ
 بسان شمع لے لٹال یہ داستان تیری
 خون جگر کے شاکی ہیں دامن دامنیں
 چلنے کو تو یہ آہ چلے تیرے آگے
 ہر چیز اسے باز میں کھتا ہوں لیکن
 زنجیر میں ہوئے تو کسے توڑ کے نکالے
 میں آپ جل رہا ہوں دل و اخلاص
 اُس پہ تہا دل نالائک ہی نہ دیوانہ ہو
 دل میں اپنے نہ کسی طرح کا ارماں رکھو
 غیر کے مرنے کی شادی ہو مجھے کیا نالائک
 وہ مہر مدد خاں جو مرا بام پر آوے
 نہ دیکھو نہ اہاں ہو نہ دل ہی نہ جگر ہو
 چکے رہ جائے کچھ سن کے تو رسوائی ہو
 کہ مہلا کوئی غماز ترے کان بھرے
 آپس میں ماتھے ملتے خریدار رہ گئے
 میری نفل میں دینے کو آزار رہ گئے
 کر قتل مشوق سے کہ گنہگار ہو چکے
 ہمارے جی سے نہ جاوے گی آرزو تیرا
 رہے نہ بزم جہاں میں بہ آبرو تیری
 الجھے ہر تری زلف بھی ہر بار مجھ سے
 گر رہ بھی گئے ہوں گے تو دوچار مجھ سے
 راستی یہ ہو کہ ہم کشتہ احسان ہوئے
 کسی کا بزم میں کٹوائے گی زبان تیری
 جب سے خدنگ یار مرا میہمان ہو
 بخت پشیمان ہو زائیر کے آگے
 ہو جاف ہو ذیل دم شمشیر کٹ گئے
 ناچار ہو دل زلف گرو گیر کے آگے
 لے شمع دور جل مری لوح مزار سے
 جس نے اُس شمع کو دکھا ہو سو پروانہ ہو
 بے تکلف مجھے فرماؤ جو سر ملتا ہو
 ایک دن مجھ کو بھی اس بزم سے ساٹھ جانا ہو
 خورشید کی آنکھوں میں بھی آنکھ بھراؤ
 کیا نذر کروں میں جو کبھی وہ ادھر آوے
 بول اٹھیے تو وہ کتا ہو کہ سودا لی ہے

۲۳۵
 نفل سے دجگ کے سونہ ہو وہ آنکھوں کو دیکھے ہو جو کوئی پیائے کیا رتری صورت
 یا دار و دشمن ہو یک جا قاصد اب میرا پیام اس طرح کیو کہ دھاں آگاہ یہ بھوہ نہ ہو
 کہاں مجال کہ تم سے کہیں کہ یہاں رہیے مزاج خوش ہو جہاں ملک کا دہاں رہیے
 عیش و عشرت چھوڑ گئے ہم مہربان تو رہا لے غم ساز پیائے ہاں نرمی کیا بات ہو
 حسرت دل کے سوا یہاں سے نہ بجاوین گے ایک دن دست تھی ہم بھی چلے جاویں گے
 نے شبہ دل اپنی امانت اے مہرباں لگ جا کہیں نہ ٹھیس پھروں میں کہاں لیے
 نجات دہلوی امش شیخ حسن رضا بعد دیرانی شاہ جہاں آباد وار عظیم آباد
 گشت و مدنتے با حاجی احمد علی قیامت تخلص بسورد۔ از چند سال الحال در دہ ہے
 از دہات سرکار سارن سکنی اختیار نمود۔ مرثیہ سید الشہداء علیہ السلام بنیتر می گوید۔

از دست

کوئی عنوان نہ دیکھ کفر و اہل میں جدائی کا ہر کہت میں نظر آیا ہیں جلوہ خدائی کا
 کیا بر ہو خوب کیا ہوا خاطر خواہ کیا بزم ہو کیا ساتی مخمور نگاہ
 اس وقت میں ماننے سے شیخ آتا لا حول ولا قوت الا باللہ

نیر از امش خواجہ محمد اکرام از شاگردان تقی میر است۔ از دست

کیا کیسے غرض صبر کا مقدر نہیں ہو اک نہ خم نہیں دل پہ کہ ناسور نہیں ہو
 ہر طرح کی باتیں ہیں تری بزم میں پرایک افسانہ مرے حال کا مذکور نہیں ہو
 آتا ہو تو آجا مری بالیں پہ وگر نہ کوئی دم کو سنے گا کہ یہ بچو نہیں ہو
 نیر از امش میر افضل علی از موطنان شہر عظیم آباد است بسبب کنت شعر نمی

تواند خواند کلامش با وصف شکستن زبان دستی و قوت دارد۔ از اشعار دست

جھائے دہر سے دل ہو ہزار تنگ اپنا بزمِ غنچہ مہبل نہ ہووے رنگ اپنا
 نیاز رنگ رخ ہوشاں لگے اُڑنے دکھا دے جلوہ اگر وہ بتِ فرنگ اپنا

برفاقت والا منفور بہ دلاوری کشنہ شد مخلص اونچی و این رہائی رنختہ از دست

از بسکہ حیا دوست ہر وہ مایہ ناز اس طرز سے ہوا اُس کے سخن کا انداز

خانے کی زباں سے جوں نکلتے ہیں حرون برکان تلک نہیں پہنچتی آواز

نشار اکبر آبادی اش میر عبدالرسول اجدادش منصب دار فرخ سیر بودند و او

ستیدہ خصال و در دستار تقی میر بود و از صحبت ایشان طبعش موزون گشت۔ وے راست

ہاتھ سے ان جابر زبوں کے نکل جاویں گئے ہم یہ گریباں دامن صحر کو دکھلاویں گئے ہم

تک کہ یک لے جن میں کبسا ہو ڈھنگ تجھ بن منھ سے اڑا ہو گل کے گلشن میں نگ تجھ بن

ہر بہت حد متاثر ہے ہر خاک و خوں میں ہر صحن خانہ میرا میدان جنگ تجھ بن

انتہا شوق کی پاؤں تو کھوں لے قاصد کیو کچھ حال زبانی جو تجھ یاد آوے

نشار مخلص دہلوی ناش سرد شکھ طبعش موزون است۔ از دست

کیا سنگار رجانے کو کس کے تو نے چشم کہ بالی بال میں دھڑک کے پڑے ہیں

مہریم دہلوی ناش شیخ علی قلی استلا اشرف علی خاں فغان اکثر در شہ و سلام

حضرت سید الشہداء بربلن رنختہ می گفت۔ و درین فن خود را از شاگردان میر عبداللہ مسکین

می شمرد۔ راقم مدد علی ایشان ملا اکثر دیدہ بود۔ بعد نواب میر محمد جعفر خاں از دہلی بر شہ آباد

آمد ہم در آن عبدالرحمان گزشت نگاہ رنختہ ہم می گفت۔ ادا است

بے قرار عشق کو ہر زندگی نقص کمال مرچکے سیما تب کہتے ہیں یہ اکسیر ہر

مادر دہلوی ساکن کوٹلیہ وزیر شاہ کم سخن و پاکیزہ گو بود و بعد محمد شاہ مرحوم

درد ملی بسر می برد۔ وے راست

لبشی ہی جاہم چہرے پہ خورشید و کون اتنی بڑی ہوئی ہر پہ ذرہ شعور نہیں

زلزلہ کو کنا پریشان عقل کی دوری ہر یہ ہر گروہ میں دل بھی اُس کی کانٹھ کی پوری ہر یہ

میر احمد علی نالال شاگرد مرزا رفیع سودا در مرشد آباد بسر می برد۔ از دست

حرف الواو

وآئی دکھنی آتش شاہ علی اللہ نہ خراے دکھن مشہور و ممتاز۔ اولیٰ کسے است کہ
دیوان باددرد و کھن آشتیاریافت و رواج ز تخته داد۔ در فصاحت و دیوانی کا مشہور
است۔ دیوان بلاغت جہانیش سہ ہزار بیت در نظر است۔ از منتخبات ابیات شسترہ
وصاف اوست

خدا نے کلمہ پرتے باب حسن باز کیا	قد بلند کو حیرے تمام باز کیا
بہر میری خبر لینے کو صیاد نہ کیا	شاید کہ مرا حال اسے یاد نہ آیا
مرسدل کی جگہ کیوں رہے پوشیدہ مجلس میں	ضعیفی سوں ہوا ہر پردہ فانوس تن میرا
وہ صہم جبے بسا دیدہ حیران میں آ	آتش عشق لڑی عقل کے مسلمان میں آ
نازد تیا نہیں مگر رخصت گلگشت جمن	لے جن زار حیا دل کے گلستاں میں آ
حسن تھا پردہ تجرید میں سب سے آزاد	طالب عشق ہوا صورت انسان میں آ
لے شوخ تجھ میں ہوں بکھا بنگا دکر کے	عاشق کے مارنے کا انداز ہی کسرا پا
طاقت نہیں کہ حشر میں ہو وہ داد خواہ	جس بے گنہ پہ تیری نگہ سوں ستم ہوا
جن نے دیکھی تجھ نگہ کی تیغ	پھر کے جینا اسے حال ہوا
ہوا ہر دل مرا مشتاق تجھ جنم شرابی کا	خوابانی اُپر آیا ہر شاید دل خسرا بی کا
تجھ مہر کا ہوا ہر دل و جاں سے ششتری	جب سوں تھے جال پہ مہ بنے نظر کیا
صحن گلشن میں جب خرام کیا	سرو آزاد کوں غلام کیا
غزہ شوخ نے بہ بنو نگاہ	کام عشاق کا تم کیا
وہ بھولیں ہم سے کیوں نہ ہو باکی	ماہ نو نے جسے سلام کیا
کشور بدل کو ترے ناز نے تسخیر کیا	فوج عین کو تری زلف نے زکیر کیا

خاکساروں کو نہیں درکار کچھ بستر سفید
 آہل جوہر بھر زمیعا ہو ویں کب محتاج غیر
 اُن کو دکھلائے کفن کی ہم سفید دل کے بہار
 خاک میں کیوں ملا دیا مجھ کو
 تیرے دل میں اگر غبار نہ تھا
 یہی خوف رہتا ہے بسل کے دل میں
 تر تم نہ آٹا ہے قاتل کے دل میں
 کو اُس سے منکر ستم کا نہ ہوئے
 سلامت ہی نکالیں بی بی کے دل میں
 سولو خال سے تیرے، نہ لگ زنگ لگے
 ننگی رو کو ترے کٹورہ فرنگ لگے
 بزرگ گل نہ مٹے شست و شو سے لے خال
 مے لہو کا جو دامن میں تیرے رنگ لگے
 یہاں تک فلک اپنا ہوا ہے دشمنِ عشق
 چھاپا دلِ رنگ میں شیشہ تو وہاں بھی لگے
 میں اس تقدیر ہوں کدھر کہ اپنی صورت کے
 مقابل آئے، مہر ہو تو زنگ لگے
 میں انتظار میں مر جاؤں گا نیاز اُس کے
 خدا خواستہ قاصد کو وہیں درنگ لگے
 سراپا آبلہ ہر دم چلا رنگِ جفا دل پر
 کوئی توڑے ہے ظالم خوشہ انگوڑے سے
 یہ ہو نہیں سکتا کہ نہ دول اُس کو دل
 دیتا ہوں تو ہوتی ہے خرابی حاصل
 کیا کیجیے کس طرح کنارہ کیجیے
 یوں بھی مشکل ہے اور دُلوں بھی مشکل

نحیف معلوم نہ شد کہ از کجاست۔ وے راست

مسجد سے نکل دیر میں زاہد تو آ
 مکن یکہ تو ہے بتوں میں جلوہ کیا کیا
 وہ آن میں دیتے ہیں دکھا اند کو
 کہتے ہیں کہ دیکھ اس کو کہتے ہیں غلا
 دلاور خالِ زیرِ رنگ شاگردِ مصطفیٰ خالِ یک رنگ چند سے بیرنگ تخلص می آرد

وے راست

فراد کو محنت کی تمنی نہ کبھی ہوتی
 شیریں کا جو اک بوسہ شاگرد آلود

سو قلم بے ہاتھ میں مانی ہنوز

بجھتا نہیں ہر باد صبا سوں چراغ گل
استاد بلبلوں کے ہیں ہر یک جن میں ہم
جلتے ہیں تب سوں شمع نطفہ اس لگن میں ہم
کا جل ہو جاوے ہیں سخن کے نین میں ہم
چھتے کی کمر پر قلم موسے لکھا ہوں
برجا ہو ناز میں کو عاشق پہ ناز کرناں
اس واسطے بجا ہو مطرب سوں ساکر کرناں
بے تکلف صفحہ کا غنچہ بیٹھا کروں
کس طرح اس غنچہ بند قبا کو وا کروں
خود بخود رسوا ہو اس کو پھر کیا رسوا کروں
سرو قد کو دیکھ سیر عالم بالا کروں
اس کا کفن ہو رشتہ شمع نگاہ سوں
اس بے حیا کی چوب زبانی کو دیکھ توں
تیرے نین کا عکس پڑے گر شراب میں
مخل نے اس صفا کو نہ دیکھا ہو خواب میں
سودتی ہوا ہو غرق تجھے دیکھ آب میں
بٹھیا ہو آفتاب مکمل بہتاب میں
حاجت نہیں چراغ کی میرے رواق میں
آر سی شمرہ عالم ہو پرسی خوانی میں
زلزلت دلمارے ہر سر ہو پریشانی میں

نغمہ کمر کو دیکھ حیراں ہو رہا
معتوق کو ضرر نہیں عاشق کی آہ میں
ہیں داستان عشق ہمیں یاد کئی ہزار
اُس شوخ شعلہ زنگ سے جبکے لگن لگی
ہر چند جنگ کے نجات سیاہوں میں ہیں لے
لے نئے میاں وصف تھے نئے میاں کا
دل لے گیا ہو میرا پھر مانگتا ہو جی کو
شاید غزل وکی کی لے جاؤ اسے سناؤ
خوبی اعجاز حسن یاد اگر انشا کروں
جیوں سیم اب تک سبکو دجی مجھے مال نہیں
کیا کہوں تجھ قد کی خوبی سرو عریاں کے حنؤ
آرزو دل میں ہی ہو وقت مرنے کے وکی
پروانہ وار عشق میں تیرے بوجی دیا
خوبی میں شمع آگے ترے دم زنی میں ہو
اک جام میں دو جگ کو کرے ست و بے خبر
رخسار دلربا کا صفا کیا بیاں کروں
تجھ حسن آبدار کی تعریف کیا کہوں
لے دل ثناب چل کہ تماشا کی رات ہو
رکھتا ہوں شمع آہ سخن کے فراق میں
دل نے تسخیر کیا شوخ کو حیرانی میں
دل بیتاب کہ اک آن نہیں اس کو قرار

پہنچ سوں نقد دل عاشق بے تاب کو لے
 عیاں ہو ہر طرف و عالم میں حسن بے حجاب رکھ
 موج رفتار نے تجھ قد کی صنم
 گر یہ و گردِ طامت سے وکی
 نہیں کوئی سنے احوال میری دل فکری کا
 عجیب نہیں اٹھ کے بیانی لہو سرا کے کنار پر
 اُس کی تعظیم ہوئی اہل جنم بد لازم
 یاد کرنا ہر گھڑی اُس یار کا
 نجات سے گریبان میں ہر غنچہ رکھے سر
 اُس ناز میں کی جب سستی دکھا ہوں چھت
 جانا ہو دن تمام اُسی مکھ کی یاد میں
 بچے کا کب تک لے طایر دل درِ حشرت سیا
 سینے میں ہر تجھ ابرو سے پوست کی نشست
 کیونکر رکھوں میں دل کو وئی اپنے کھینچ کر
 بزرگ صافی دل کیوں نہ ہو صفا سے قدح
 کیا ہو دفع مرے درد سر کو رونے نے
 نہ کر سوال مرے درد کی حکایت کا
 لے سو خراں تو نہ جا باغ میں جل کر
 لے جان دلی لطف سوں آبر میں مے آج
 آرسی دیکھ کر نہ ہو مغسور
 شرم سے تجھ مکھ کے اے دیا حسن

زلف سوں اپنی پری رونے گرہ گیر کیا
 بغیر از دیدہ حیراں نہیں جگ میں نقاب رکھا
 سرو آزاد کو زنجیر کیا
 خانہ عشق کو قیصر کیا
 کہوں کس سے گریباں جا کدو دکھ بے قراری کا
 سگر با جوار یا ہمارے اشک جاری کا
 بلبل باغ نے جب مصحف گل یاد کیا
 ہو وظیفہ مجھ دل بیمار کا
 گر باغ میں مذکور ہو اُس تنگ دہن کا
 دل میں مے خیال ہو تب سوں عجب عجب
 ہوتا ہو فکر زلف میں احوال شب عجب
 نگہ کا دام لے آتا ہو وہ صیاد ہر ساعت
 جیوں تیر دل میں ہو نگہ مست کی نشست
 نہیں دست اختیار میں تیر عثمان آج
 کہ دست آئندہ رہی دام جاے قدح
 ہوا ہو حق میں مے خون دیدہ صندل سُرخ
 کہ مجھ زباں پہ ہو حاضر جواب کے مانند
 مت قمری و شمشاد کے سوئے میں غل کر
 مجھ عاشق بے کل سستی مت وعدہ کل کر
 خود سناں کہ نہ کر خدا سوں ڈر
 چہرہ گو ہر پہ ہو پانی ہنوز

بھواں تیغ و پگبک خنجر نگہ تیر
 یہ کس کے قتل کا سال ہوا ہو
 مراد دل مجھ سے کر کے بے وفائی
 پسند خاطر خواہاں ہوا ہو
 مست تیرے جلم لکبا باغ میں ملا رہے
 بے خودی کا ہاتھ میں اس کے سہلپا رہے
 ہو بکا عشاق کی خاطر اگر ناشاد ہو
 غمزدہ خو نخواستہ لہر سرسبز میداد ہو
 ایک دم تجھ بھجریں لے دل بات نہا نہیں
 مونس و دمناسز میرا آہ ہو فسر یاد ہو
 سرو کی دار سنگی اوپر نظر کرے دلی
 باوجود خود سنائی کس قدر آزاد ہو
 ہر صنم تسخیر دل کیونکر کریں
 دلربائی کو ادا درسا رہی
 کیا کہے جبرائیل تری تعریف لے آئینہ دو
 موبہ موتیرا سراپا ناز سخی تصویر ہو
 سراپا ناز ہو تو ہی پری رہی
 مجھے تیرے سراپا کی قسم ہو
 جو دم کو زونق و یا ہو جب وہ حالی مقام
 رشتہ آہ دل بیتاب تار سار ہو
 عشق میں شمع روکے جلتا ہوں
 خل غیر اسبھوں پہ روشنی ہو
 باغ ام سول ہو بن خوشتر تری گلی ہو
 ساکن تری گلی کا ہر آن میں دلی ہو
 قد میں تیرے دہ خوش خرامی ہو
 جس میں تجھ ناز کی تمامی ہو
 موبہ میں تجھ غم سے صفت دانا توانی ہو
 نکم کرم کرو پیارے وقت ہر بانی ہو
 لے عزیزاں مجھے نہیں برداشت
 سنگ بدل کا فراق بھلا دی ہو
 فیض ہوں تجھ فراق کے پیارے
 چشم گھیاں کا کام جباری ہو
 کیا نہ ہو حاصل دم آج مجھے
 ہم گلی آنکھوں نے کیا جادو مجھے
 بسکہ ہوں تیری جدائی سے ضعیف
 اسی دیتی نہیں ہو رو مجھے
 کیونکہ بیٹھوں گوشہ آرام میں
 کھینچتا ہو وہ کہاں ابرو مجھے
 مت تصور کرو مجھ دل کو کہ ہر جانی ہو
 جن حسن پری رو کا تماشائی ہو
 گھر خال کیوں نہ کہیں تجھ کو سکندر طالع
 جلوہ گر ہیں سے جائزہ دارانی ہو

ایسے نصیب میرے کہاں ہیں وہی کہ آج
 یہ پھر کے دیکھنا ترا مجھ دل پہ گھات ہو
 جو پی کے پیارے نام پہ جی سے خدا نہیں
 اسے جان و نور دیدہ ترے انتظار میں
 یک نگہ میں غلام کرتے ہیں
 شرمی و ناز سے عشاق کو حیراں نہ کرو
 صحبت غیر میں حبا یا نہ کرو
 دل کو ہوتی ہو سخن بیتابی
 نہ دوا آرام میرے دل کو لے آرام جاں سمجھو
 تمہارے نین نے زخمیں کیا تیرنا فل سے
 تجھ کہ پہ جو اس خط کا اندازہ ہوا تازہ
 عجب کچھ لطف رکھتا ہو شب خلوت میں گلو
 گریاں ہو ابر چشم مری انگبہ دیکھ
 مراد دل مثل پہو لے کے تمہا شتاق چلے کا
 جی جل جل ہوا ہو سخن تیری جال دیکھ
 تیرے نین کا دیکھ کے میخا نہ آئسہ
 دیکھا ہوں جسے وہ مبتلا ہو
 گر تجھ کو ہو عزم سیر گلشن
 قفا فل نے ترے زخمی کیا دل
 نہ ہے اس کے قد کو دیکھ بکھا
 مو ہو اُس کو ہو پریشانی
 اُس گلاب دن کو اپنے گلے مار کر رکھوں
 تیری نگہ کے رمز کو اُھل کیا ہوں میں
 راضی کسی طرح سستی اُس سے خدا نہیں
 مدت ہوئی پلک سول پلک آشنا نہیں
 خوب رو خوب کام کرتے ہیں
 گردش چشم کو غارت گریاں نہ کرو
 درد مندوں کو کر دھایا نہ کرو
 زلف کو ہاتھ لگایا نہ کرو
 یہ خوبی کچھ سدا رستی نہیں لے سہراں سمجھو
 کرو گے کب تک یہ ظلم لے ابو کہاں سمجھو
 اب حسن کے دیاں کا شیرازہ ہوا تازہ
 خطاب آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ
 ہو برق بے قرار مجھے بے قرار دیکھ
 لگی اس شمع سے آخر لگن آہستہ آہستہ
 دل جا بڑا خل میں ترے کہ پہ خال دیکھ
 ہو تجھ نگاہ مست کا دلیا نہ آئسہ
 خواں کی نگہ نہیں بلا ہو
 دروازہ آرسی کھلا ہو
 تری بہ کم بھکا ہی نہچا ہو
 سر و چہ چہ پیلے بر جا ہو
 زلف مشکیں کا جس کو سودا ہو

رباعی مستزاد

ہم رے بغرب ہوے ساجد کس کو کمال اللہ
ہندو نے بشرق کیا سجدہ اس کو، در وقت بگاہ
اس ضد سے مقابل ہو گئے مسجد میں درین دوئی
اب کیکھ لو یہاں سجدہ کس کا کس کو اللہ اللہ
وارث الہ آبادی مسمی بہ محمد وارث بہ خوش بیانی موصوف و صفات نیکو

معروف لہو۔ از سخن ہائے دوست

یاد میں اس کی پلک سیتی نہیں لگتی پلک
جاگتے گھر چور سا آ کر کے پھر جاتا ہے خواب
روتے روتے بوند لو ہو کی مے تن میں نہیں
جو ل رنگ گل قابل نشتر نہیں نصا د ہم
بتا تو ہاں میرے ظالم بزرگ نقش قدم
تری گلی میں کون گری کے پھر، ٹھا بھی ہو
ولی دہلوی انیش مرزا محمد ولی برادر زادہ شاہ اسرار اللہ در بلوہ مرشد آباد

اقامت دارد۔ اشعار ممتاز دوست

نشے سے سراپڑ مردہ دل گلشن ہوا
یہ چراغ مودہ فیض آب سے روشن ہوا
دل تجھے منظور ہو اس کا اگر دیکھنا
جان سے دھو ہاتھ کو تب تو ادھر دیکھنا
زلف کو ہو کھولتا اپنے وہ منہ پر دلی
ملے ہیں آپس میں اب شام و سحر دیکھنا
آہ کا اس کو کچھ اثر نہ ہوا
میرے اس نخل میں ثمر نہ ہوا
بے کسی پر مری کبھی کوئی
تجھ بن اے نالہ نوحہ گر نہ ہوا
کیا ترنا اس شکر لب سے تو رکھتا ہو دلی
تھی آشرانہ تیغ سے اُس کی کمر ہنوز
میر کا زبان تر سے نہ ہوتا زہ کام خشک
کبھی جو زلف اٹھاے تو منہ نظر آے
عیال گر کروں دل کے سوز نہاں کو
سحر سے زیادہ رشتہ الفت ہو مخضر
ہو گیا فریاد کا شیریں سے آحکام سیج
ہم تب سے ہاتھ پر لیے چھریں سر ہنوز
کب سبز آب تیغ سے ہوے نیم خشک
اسی امید میں گزری ہے صبح و شام ہمیں
گلے آگ جوں شمع میری زباں کو
ایسا نہ ہو کہ اس میں پڑے اب خدا گرہ

دل بیتاب ہو تجھ زلف کا ٹوٹی ہو

کوچہ زلف ہو یا گوشہ اتھنائی ہو

ہو خیال چشمِ خواہاں بادہٴ محکموں مجھے

ہرگز کسی نے ناز کی صورت نہیں کھی

کماں آغوشِ جیو نہ کر کھولتی ہو تیرے آگے

مکھڑا میں غنچوں کے دہن پر سخن آوے

آواز میری آہ کی پھر ناگن گئی

جس کی طرف صنم کی نگاہ میں گئی

جیوں شمعِ انتظار میں ساری رین گئی

کرتی ہو نظر تجھ قیدِ نازک پہ گرا نی

بیارے تری باتِ پیاری لگے

رقیبوں کے دل میں کٹاری لگے

اُس کو خوش وقتی ہو صبحِ عید کی

موج ہو چٹپٹہٴ خورشید کی

عالم کو قتلِ عام کیا اک نظرِ سستی

تا شا دیکھنے اس کا ہر اک سینے میں مچلے

گردشِ چشمِ عین طوفاں ہو

ولایتِ تخلص میر ولایت اللہ خاں ابن میر باقی خوشی از فرزندان خواجہ

جعفر و برادر حسین میر عثم شمس علی خاں خنومت و سید عالی مقدار بودہ در سن پیری لمہد

دہلت نواب شجاع الدولہ مغفور رحلت کرد - از دوست

نقطہ دل نہیں بلکہ جان بیچتا ہوں یہ بستی کی ہماری دکان نہ بیچتا ہوں

یاد کرتا ہوں مصرعِ زنجیرِ جنوں

اے دلی بے کو دنیا میں مقامِ عاشق

کشتہٴ سنت نہیں مہتابِ سرکش کا کبھی

تصویرِ تیرے قدم کی مصور نہ کلمہ کے

کھلا یوں دل مرا تیری نگاہِ تیز کی خاطر

جس وقت تبسم میں وہ رنگیں دہن آئے

نہ دد و غم کی بات میری آج بن گئی

تا حشر اس کو بدوش میں آنا محال ہو

اب تک دلی پیانے دکھا یا نہیں درس

آغوش میں آنے کی کہاں تاب ہو تجھ کو

ہر اک وقت مجھ عاشقِ پاک کو

دلی سوں کے تو اگر اک سخن

جس کو لذت ہو سخنِ کسود کی

زلف نہیں تجھ کلمہ پہ لے دیا سخن

آبادہٴ شوخِ باندہ کے خنجرِ کرسی

اگر دلدار ہر گھروں اپنے یک قدم بکھلے

رخِ ترا بجرحِ حسنِ در لقاں موج

خیال دید ترا بسکہ شب نظر میں رہا
 یہ دل ہر آنہ نثر محال سے اس کی بے طرح چکا
 کروں میں شکوہ اگر تیری بے وفائی کا
 اچلا ہٹ اسے کہتے ہیں کہ شوخی سے وہ سنو
 وہ دکھائی دے کے چلتا ہی رہا
 لگ چلی ایسی کھنکھن پائے سے خنا
 دل کو بے وجہ پرا زلف سیہ نام سے کام
 میں لگو گیا تھا سو نیکے دل کو وفا کے ہاتھ
 شعلہ آہ نے دی آگ جسگر جلتا ہی
 جا کے پہنچا ہی کہاں قاصد جانبا ز مرا
 تیرا یہ حسرت ہی وہ شعلہ کہ یہاں جس کے حضور
 تجھ زلف بر عرق سے سوتی لگ رہے ہیں
 اپنی قسمت کے ملے ہی آہ کیا کیا مہرباں
 بے سبب بے جرم بے تعمیر صفا سوس ہی
 ہم سے گو تو اداس پھرتا ہی
 گر جیتے پنجاب کے اٹھا عشق کے حلقے
 سرکش نہ ہواے سرور تو رننائی پر اپنی
 لے دست جنوں کی بچو کچاک سمجھ کر
 انکے آتش دل ہم تو بجھاتے ہی رہے
 دور سے دیکھ تجھے آپ سے ہم نسل حباب

تمام رات مرا جی صدمے در میں رہا
 مجھے خبر کا در تھا سو پہلوں سے کھٹکا
 جہاں میں نام نہ لے کوئی آشنائی کا
 میری آنکھوں کے قصور میں سمایا نہ کیسا
 آہ میں یہاں ہاتھ ملتا ہی رہا
 جگ میں جو فتنہ تھا برا ہی کیا
 نہ پڑے آہ کسی صدمہ کو اس دام سے کام
 لے آہ چڑھ گیا یہ کہاں سے جفا کے ہاتھ
 انکس جلدی سے خبر لہو کہ گھر جلتا ہی
 جس جگہ جاتے فرشتے کا بھی پر جلتا ہی
 چشم نور رشید کا بھی نور نظر جلتا ہی
 یا رات ہی اندھیری تھامے چٹک ہے ہیں
 مہرباں دو چار دن دو چار دن نا مہرباں
 ہوئے پل آزدہ خاطر آہ تسا مہرباں
 جی ترے آس پاس پھرتا ہی
 پھر دل جو کہیں دیں تو بیاں ہم سے قسم لے
 دکھلائیے وہ قتلوا بھی تو ہی قدم لے
 وابستہ مری حبیب سے ہیں کڑے جگر کے
 آہ پر نا لے تو اہ نہ گنگاتے ہی رہے
 اک نظر کرنے نہ پائے تھے کہ جانے ہی ہے

۵۴؎ ہجر کی مار ہی ڈالے ہر شب تار مجھے ملک دکھائے گا خدا صبحِ نوحِ یار مجھے
 بند تباہی میں جو وہ یار واکرے لے برگ گل کو ہاتھ میں پکھا مبارکے
 ہالہ نول راے وفا تخلص برادر کلان راجہ گلاب راے دیوانِ نجیب الدولہ
 نجیب خاں ہنغلی یہ تحصیلِ فضل و ہنر اکثر می شود۔ طبع موزونے داشت۔ دے راست
 رفیق ہر وہ گوہر دشمن جان بلار ہنر کوہی نالہ جرس کا
 کہنے نگاہ سن کے مرانالہ و فغان یارب جیا کرے گا یہ بہا کب تلک
 وحشت و دہلوی آتش میرا دامنِ نیرہ تیر انداز خاں و شاگرد مرزا رفیع سودا

است۔ دے راست
 کہیں یہ جھوٹ لکھا ہو تجھے جب میں بلاتا ہوں صرختا تو چلا جاتا ہو اور کہتا ہو آتا ہوں
 میرا ہاد علی وحشت از مسلکانِ نواب وزیر الممالک شجاع الدولہ مرحوم بود۔

دے راست۔
 شبِ روز وصل کو دئے کہ عجیب بیل دہنا تھا کبھی ہم سے یار کو لطف تھا کبھی نا تھا کبھی بیا
 مرادل بوا ترک نہک گیا، جگر آہ و نالہ سے پگیا تو نظر سے جوں ہی سر گیا ہن بیل سے نہیں چار تھا
 واقف شاہ دہلوی آتش میاں عاشقوری از صغیرن بامادر خود از مسلکان
 خسرو پور این مولف بدیع الزماں خاں وہم مکتب انشان بود و در ہمان خانہ پرورش
 یافت بحسن تربیت میر حسین دوسع مراد آبادی کہ معلم خاں مذکور بود بہرہ از علوم رسمہ
 برداشت۔ و در فیض آباد و خستہ پیدا کرد و ترک لباس نمود۔ لیکن شب و روز نزد بدیع الزما
 خاں می بود۔ تا آنکہ بہت ہمت خواندن دعوت نواب شجاع الدولہ بہادر اور اور پسرہ
 انداخت۔ در آن حالت غزلے گداز کہ مطلعش انیت

دور یہ آیا کہ ہیں شاہ و گدا پہرے میں بے خطا پہرے میں اور اہل خطا پہرے میں
 بالا خراز قید رہائی یافت۔ اکھنہ در کھنہ اقامت دارد و طرز گفتگویش بآئین شایستہ

پہلو میں رہا نہ تجھ بن اک دم
بہلا رہے ہم ہزار دل کو
گر تو ہی نہ ہو مے بریں ظالم
آوے کیونکر قرار دل کو
جس نے کل قتل کیا تھا غرض اک عالم کو
آج بچہ کھینچے ہو تلوار خدا خیر کرے
اُس سنگ ل کے دل میں نہ ذرہ اثر کرے
تپ فراق مری جان کو جلاتی ہو
وہ آہ جو کہ چرخ کو زبرد زبر کرے
دل کو تو مدت سے کیا سکھائی ہو
اے میری جان شتاب نہ جان جاتی ہو
تیری محفل میں زبیں کثرت مے نوشی ہو
جان بھی حاضر ہو اگر چاہیے
جام دینا میں اسی واسطے سرگوشی ہو
و اصل نامش محی الدین محمد از پنجاب بگرام اسمع۔ دیوانش قریب

ہزار شعر۔ کلامش خالی از مرہ نیست
میں ہی تھا جان جو تری باتیں یہ سہ گیا
جو کچھ کہ آیا جی میں ترے سو تو کہہ گیا
قابل ترے قدم کے میاں کیا یہ سر نہ تھا
رکھنے سے تجھ کو پاؤں کے کیوں تنگ گیا
جل کے خاکستر ابھی ہو جائے دلِ فلاک کا
دعویٰ ہو بے قرار ہی کا سیما ب کو اگر
و اصل سراغ یار میں جاتا ہی جانے دے
اک جھلک کھلا کے دیوانہ سیا
پیر کاں تھے یکس کے زہر آلود
خدا جان گیا اثر طے گا اس توجہ کا
حال جس نے مرا سنا ہوگا
بے سبب تو نہیں دل آزر دہ
در میں نہ ڈھونڈو واصل کو
توبہ کرنے کا نہیں ت سے مخاں کی سو گند

میں ہی تھا جان جو تری باتیں یہ سہ گیا
قابل ترے قدم کے میاں کیا یہ سر نہ تھا
دودا اگر پہنچے ہماری آہ آتشاک کا
دامن کپڑے کے تو مرے ہنر اب کا
بیچھانے کر تو اس دلِ خانہ خراب کا
ہم سے پھر اس دل کو بیگانہ کیا
کٹ کٹ کے گرا جب گہرا
نئے پاس اپنے بھلا تاہد۔ سرور والہ
سننے ہی اُس نے رو دیا ہوگا
کچھ کسو نے تو کہہ دیا ہوگا
مست بچانے میں بڑا ہوگا
ترک کرنے کا نہیں کفرتاں کی سو گند

نقشِ قالی کی طرح سوکے نہ چو گئے ہم آہ
 تم تو شب و دن پر اپنے گھر سے جل کر رہ گئے
 تم کو شب و دن بت مفرور نہ ہوئے
 جب تک وہ مقابل بت مفرور نہ ہوئے
 صبح پر وصل یار کی ٹھہری
 صبح پر وصل یار کی ٹھہری
 درد جو ہے اختیار ہم سے ہم آغوش ہو
 درد جو ہے اختیار ہم سے ہم آغوش ہو
 عشق میں کیا وصل ہنر چاہیے
 عشق میں کیا وصل ہنر چاہیے
 وار سنبھالے جو تری تیغ کے
 وار سنبھالے جو تری تیغ کے
 ہمسایہ کوئی سینہ سپر چاہیے
 ہمسایہ کوئی سینہ سپر چاہیے

والہ دہلوی آتش میر مبارک علی خلف شاہ قدرت اللہ قدرت از فیض
 صحبت والہ ماجد خویش انشاے زخمی می نماید و در مرشد آباد بسری برد - مرد صاحب
 صداست - متفرق استعارش دیدہ شد - از کلام اوست

ہجر تر ابکہ نظر میں ملے
 جی ہی جاتا - با محبت میں
 اسی حسرت میں مر گیا والہ
 ہوئی ہر مشعل میر دل بیاب میں آتش
 ان دنوں تھم رہے ہیں ہر سرشک
 رد و شب آنکھوں میں ہی رہتے ہیں
 درد پر ترے بیٹھ رو گئے ہم
 یک بلہ بھی گھر سے تو نہ نکلا
 دیکھی نہ سحر ہم نے رہی شام جہاں میں
 جس گھڑی موج پہ یہ دیدہ غم آتے ہیں
 خواب غفلت سنی ملک چونک تو اب لے والہ
 انک سدا دیدہ تر میں رہا
 دل کا دینا تو درکتا رہا
 تو نے اُس کو نہ یک نظر دیکھا
 ندیکھی تھی کسی نے اب تک سیما بیک نقش
 لخت دل تو ہی آجائے سرشک
 دیکھو اب مرداں وفا سے سرشک
 تھے دیدہ تر سو کھو گئے ہم
 سوار تو وہ پہ ہو گئے ہم
 جب سے جو تری زلف سیہ نام جہاں میں
 انک و رخت دل اُس وقت ہم آتے ہیں
 آج بالیں پہ تری اس کے قدم آتے ہیں

وہم آتش میر محمد علی خلف میر محمد تقی خیال کہ صاحب بُتانِ خیال است۔
 در لکھنؤ گیگزاند و در سرکارِ نواب آصف الدولہ منسلک۔ وے راست
 جا کے اس سے اتنا اب کوئی ہر تے غم سے جہاں طلب کوئی

حرف الہا

ہدایت نامہ شیخ ہدایت اللہ از معتقدان و شاگردان خواجہ میر درد است۔
 دیوان مختصرے دار و پیروی استاد می نماید۔ و در کمال خوبی و معنی گستری ریختہ را سر انجام
 می دهد این ابیات از کلام آن زبدۃ الانام علی والاقران است

جوں غنچہ ترے وصف میں ہوں سرگبریا
 جب لوں ہوں ترا نام ٹپک پڑتا ہے آنسو
 تمام صبر و دل و دیں تو یار لوٹ گیا
 ہا ہے جا کے یہ آخر کو سادہ رویاں سے
 آتش سے داغ دل کی سراپا میں جل گیا
 دل پر ہزار حرف شکایت سے تھا ہجوم
 آیا ہوں تنگ کشمکش دام زلف میں
 عالم کو تیری چشم نے بے ہوش کر دیا
 مجلس میں اُس کی رات ہدایت نے سوز دل
 کوئی پھر نہ ملک عدم سے تو اب تک
 دیکھا جو تیری چشم و دہن کو تو شرم سے
 دیکھ اُس کی چشم مست کو دل تو بہک گیا
 دیکھا نہیں مجھ نے ہدایت کو ان دنوں

ہی منہ میں زباں پر نہیں مقدور سخن کا
 جس طرح کہ سمرن کا ڈھلک جاتا ہے منکا
 نہ خلف وعدہ گیا ہر ترانہ جھوٹ گیا
 اگر چہ آئینہ تھا دل پہ ہم سے پھوٹ گیا
 گلزار بھولی کیا کہ بدن سارا بھل گیا
 کھڑے کے دیکھتے ہی یہ جی کچھ کھل گیا
 یارو میں کس بلا میں گرفتار ہو گیا
 جس کی طرف نگاہ کی مدہوش کر دیا
 یہاں تک کہا کہ شمع کو خاموش کر دیا
 پایا جہاں کس نے کچھ آرام رہ گیا
 منہ اپنا لے کے بستہ و بادوام رہ گیا
 بس میری جان دو ہی بیاہوں ہی جھک گیا
 شاید کسی جگہ پہ دل اُس کا ٹپک گیا

کم نہیں کرنے کا کہنے سے ترے والد آہ
 نہ کہوں گا تری بیداد کو اے یار کہ بس
 عشق کا شعلہ نہ ہو جس دل میں وہ بے نور ہو
 کب تک لے یار جاؤ کب تک
 سر تک راہ وفا میں ہو نثار
 کبھو کھلتا نہیں تجھ بھر دل گل کی قسم
 نہیں نکلا ترے چور دن کا ہو مجھے ظالم
 یہ کون ذیت ہو گزری تمام ہجر میں عمر
 ایک دن ہاے ندی تم نے بتو داد ہمیں
 نہ مجھ کو وصل میں آرام نہ جدائی میں
 ہاں بتاے تو فدا ہوئے اگر یاد کہیں
 تجھ غم کے کی یہ باتیں میں سمجھوں کہ تو سمجھے
 وصل سے تو نہیں باتیں اور دست ملاقاتیں
 اٹھائے گا سر و چشم بر جفا تیری
 کس کی آنکھوں کے تصور میں ہو وصل یہ محو
 وصل نامش مرزا اسحاق ولد حاجی ابراہیم اعظمی شاگرد شاہ مولیٰ ،
 اندے در لکھنؤ می گزرائند و اکثر مرثیہ سید الشہد تصنیف می نماید - این ابیات

ریختہ از دوست

عطر ل غیر کے گھر آپ مہکتے جاویں
 اور سچ دکھیں تو کن آنکھوں سے نکلتے جاویں
 جب سے بیٹھے ہیں تے کو بچے میں گھراؤ نہیں
 مست اٹھا یہاں سے کہاں آہ بھٹکتے جاویں
 جیوں دیکھتا ہو دور سے مجھ کو تو غمیر کو
 دشنام دے کے اپنی جاتا ہو خود مجھے

دن گزرتا ہونے روز قیامت سے دراز رات گزری تو شب مرگ سے بدتر گزری

صدقے ترے گلغزار جی سے اک جی سے میں کیا ہزار جی سے

کھٹکے ہر تری نثر ہر اک وقت نکلا نہ کبھی یہ خار جی سے

عشق نے تیرے مجھے یہاں تک کیا ہر ناتواں تالپا ناخس کا مجھ کو صد فرنگ ہر

نابت کوئی اپنے جسم و جان سے نہ پھرا یک شخص ہزار کشتکال سے نہ پھرا

کوچہ تو ترا راہ عدم سے نہیں کم جو کوئی گیا تو پھر دہاں سے نہ پھرا

دل عہد شباب ہو چکا ہر باقی تیرے سوا اس میں کیا رہا ہر باقی

ہوتا ہر کوئی دم میں یہ دور اب آخر شب گزری ہر روزہ گیا ہر باقی

ہادی دہوی مردب تعدادے ود۔ دے راست

نقد دل لے کے میں لیا بوسہ یہ تو سودا دیسے لیے ہی ہو

میر محمد اعظم ہویدا تخلص برادر میر محمد مصوم دہلوی است۔ اکثر مرثیہ امام بہام

علیہ السلام می گوید۔ وگاہے بہ انشا و ریختہ می پردازد۔ دے راست

اس کے ہاتھوں سے ہم اب بیاختانتے ہیں لے کے خون جگر ہائے یہ کیا سنتے ہیں

سویا تھارازانو بہ سر رکھ کے اسیر آئی جو نظر زلف اٹھا دو دل گیر

کنے لگا یہ خواب میں اب کس سے کہوں تعبیر نہیں اس کی سوائے زنجیر

ہدایت علی ہدایت تخلص بہ عصر شیخ فرحت اللہ فرحت۔ از دست

ڈھلے ہی پڑتے ہیں باہر ہر ایک طفل شرک رکھوں میں کب تک نشوونما ناکھوں میں

ہمدم عظیم آبادی خلف میر محمد صایب حسرت اشعار خود را از نظر شاد

قصت اللہ قدرت می گزاردند۔ در مرشد آباد ساکن و اکثر ہم قدم وہ دوان جادہ

نخن است وے راست

ہائے دم لینے کی طاقت اب نہیں باقی ہیں کیا کہوں مارا ہوا ہوں نالہ جانکاہ کا

یا۔ ہر ہم میں ہدایت جلوہ گر
 عشق میں خوابوں کے ہر دم ستمگاری بہت
 مار ڈالنا ہند کے کافر اداؤں نے ہیں
 تیری زلفوں کی کچھ چلی تھی بات
 دل تو بچا لے سمجھتا ہر کبھی
 کتنی ہی نہیں یہ ہجر کی شب
 تو نے گر قتل کیا ہم کو صدمہ خوب کیا
 قیس دوس مر گیا فریاد کی وہ شکل ہوئی
 چوٹی مسکتی ہی ہو اور آنکھیں ہیں رکسی
 کرنا نہیں ہو جانے کو دل کوے یار سے
 کیا خاک کو مری کہیں گلشن میں جانہ تھی
 تجھ بن نے خونخوار حیاں ہر دم دم شمشیر ہو
 برا زور ہو وہ اُس کی کیا بات ہو
 گلشن کو دوستی کے میں دکھایا : حسن چمن
 دل مرا کیونکر ہو غافل گور سے
 آنکھ سے آنسو کبھی تھمتا نہیں
 غرض یہی ہو مجھے اشک کے بہانے سے
 میں چھوڑتا ہوں کوئی اُس کو مثل حلقہ در
 زلف کچھ سمجھ اُپر جو چھوڑی ہو
 چشمہ زوں ہو دامن دریا
 کیا کہوں تجھ سے ہدایت کہ مری شام و سحر
 جس طرح ہو گھر کیتا میں آب
 آہ دل لانی یہاں کم اور دل آزادی بہت
 حسن میں اُن کے نکم ہو اور طرح لاری بہت
 روتے روتے گزاری ساری رات
 پر ہدایت چشم تر کا کیا علاج
 یارب کیا آج سو گئی صبح
 ہاں میاں سچ ہو کہ ایسے ہی گنہگار تھے ہم
 آہ اس کوہ و بیا باں میں کئی یار بھی تھے
 سچ کہو ہم سے رات پیالے کہاں رہے
 گوس میں جی رہے نہ رہے ہم تو یہاں رہے
 پر چشم تجھ سے ہمارے مجھے یہ صبا نہ تھی
 سانس جب پٹے ہو گویا باز گشتی تیر ہو
 نہیں مانگتا راتوں بھری رات ہو
 جز بوعین دل کیس بوعین وفا نہیں
 گھر نظر آتا ہو اپنا دور سے
 چشم بھی کیسا کم ہو یہ ناسور سے
 کہ مہرباں ہو وہ یارب کسی بہانے سے
 یہ سرگاہ ہو مرا اُس کے آستانے سے
 کیا یہ سیدھی نگاہ تھوڑی ہو
 آستیں کس نے یہاں چھوڑی ہو
 یاد میں زلف درخ یار کی کیونکر گزری

جب سے بکھڑا مجھ سے وہ گھر و مرا
 خاں ہو مجھ تو اُپر ہر سو مرا
 ہیں مے دل سے زلف تیری بند
 بار ہوتا ہے مبتلا من کا
 فرقت میں یاد تیری ایسا میں لٹ گیا ہوں
 کا کل تری سے مجھ کو دعا ہے ہمسری کا
 ہمارے دل کو پیارے ہاتھ میں
 اگر مشاق ہے تو آرسی کا
 مجھے مت یاد جھ پیارے اپنا دشمن
 کوئی دشمن ہوا ہے اپنے جی کا
 اگر آوے مرے گھر وہ پیارا
 کر دل اس ماہ کو پتلی کا تارا
 عرق آلود ہے تری ابرو
 خنجر آباد کی صورت
 سچ کہے جو کوئی سوار اجلے
 راستی ہے نگہ دار کی صورت
 مجھ کو معلوم ہیں ہوا اگلے سے
 بھول جاتے ہیں ذرے دولت مند
 دیکھ زہنا نہ رکھ اُن سے توقع ہے دل
 کئی یعقوب روتے ہیں تری فرقت میں
 پھر گیا ہم سے ہے وہ نکل رہا
 کیوں ہے تو تم کو دشمن ہمارے اس قدر
 تری آنکھوں سے دل کیونکر جدا ہو
 مرے دل کو نہیں ہے جین تجھ بن
 سر کے بھل جاتے ہیں راہ عشق میں
 نہ ہو تا اگر کو سو پر مبتلا دل
 سب جین سے ہے جدا رشتہ عشق
 نجانوں کس پری رو کی نظر ہوئی
 تو کیا آرام سے رہتا مراد دل
 مجھے یزگت خواباں کیوں نہ چاہیں
 ابھی تو تھا بھلا جگہ مراد دل
 تجھ زلف کا یہ دل ہے گرفتار بال بال
 کہ میرا آرسی سا ہے صفا دل
 مری جاگہ ہے دشمن کے نین میں
 طفیل خاکسار ہمارے عزیزاں

یوں ہی دیراں رہا یہ خانہ دل تیرے نالوک کا اس میں گھر نہ ہوا
 میاں زخم دکھا رہا ان دلوں میں یہ دل تو گرفتار ہے ان دلوں میں
 روتی ہیں ترے ہجر سے اب متصل آنکھیں کس دکھ میں گرفتار ہوئیں تجھ سے مل آنکھیں
 بے آتے ہیں سیل اشک پر لخت جگر میرے نجاؤں کیا ہو پانی کریں گے چشمِ ترمیر
 بردار کی طاقت کا بیاں پوچھ نہ ہدم صیاد نے کب ہم میں پروا بال رکھا ہے
 تجھ کو اب یہ نہی چاہیے ہدم جس طرح ہو نباہیے ہدم
 آد کی بھی نہیں رہی طاقت آہ کیوں کر کر اہیئے ہدم
 اب کئے گر چھوٹے دام الفت سے پھر کسی کو نہ چاہیے ہدم
 میر ہینگ کا دہلوی گویند دیزانہ و سودا کی معشوق دہریے برد۔ رقیاناش بر شک
 و صدقت یافتہ و سدا بقتل رسانیدند۔ این رباعی کہ مضمونش دلخراش و جگر سوز است
 یاد گلدار آن کشتہ تیغِ نخب و قتلِ خجرات و ہم حسب حال دوست
 میری اینداسے منہ نہ موڑا دل نے شیشہ مری زندگی کا توڑا دل نے
 کام اُس بت سنگدل سے ڈالا بچہ کو مارا آخر غرض نہ چھوڑا دل نے
 ہاتھ مرزا محمد ہاتھ مرزا شاہ جہاں آباد فقیرانہ بسر می برد۔ اور است
 مست پوچھ ہم نشین کہ جہاں میں کہاں رہے دل جس جگہ کہ لگ گیا اپنا وہاں رہے

حرف الیا

یکرنگ دہلوی امش مصطفیٰ اقلی خاں نبیرہ خان جہاں لودھی و معاصر نیر الدین
 آبرو برد۔ و منصب داران محمد شاہ بسر می برد۔ ہر چند شیوہ کلامش بطرز شرف الدین
 مضمون است انصاحت بیان و تائیدی مضامین زیادہ از و دارد۔ دیوانش ہزار
 بیت دیدہ شد۔ و۔ راست

دل مرزا منظر بود۔ راقم دے لادروہی بار ہا دید۔ استعداد سخن نخی چندان نہ داشت۔ مرزا
منظر از فرط الفت اشعار خود را بنام او کردہ اشتہار داد۔ گوینداؤ اخر محمد احمد شاہ پدر
یقین دے راجت امرے ناشائستہ کہ درین زمانہ طحیت وارد سرمد (؟) گشت۔
و بعضی گوینداؤ مانع یہ شد کہ افحال شیعہ علی نیار و لہذا از دست یہ بقتل رسبد الہمد
علی المرادی بہر تقدیر سن اساء فعیلہا۔ دیوانش کہ از پانصد بیت قدرے زیادہ باشد
ہمہ مرغوب طبع است۔ این ابیات خلاصہ آنست

بیں زخم مے کا دی اس سینے سے کیا ہوگا اب مرزا ہی بہتر ہی اس جینے سے کیا ہوگا
کہتے ہیں کہ تغیریں آئینے کو آتی ہیں دل سے نہ ہوا یہ کام آئینے سے ہوگا
اگر دیجئے اُس کو بھی تو کچھ عیب نہیں آئینے سے بھی گیا کیا دل یہ زبان نہرا
غم کے ہاتوں نہ با کچھ بھی رفو کے قابل بسکہ سو بار ہوا چاکہ رریسا میرا
گریباں بھاڑ ڈالیں رشک یہ گلبدن اپنا نکالوں خاک سے جیوں لالہ پُر خوں من اپنا
لگے گا ہاتھ پھر اس طرح کی سعی نا حق سے پرلے دلبروں پر سر نہ چیرے کو بہن اپنا
یقین اس کے دُردندان کی باتیں جو کہا جائے صدف کی طرح دھوئے آئینے سے بن اپنا
اتنا کبھی جہاں میں کوئی بے وفا نہ تھا ملے ہی تجھ سے میرا یہ دل آشنا نہ تھا
جو کچھ کہے ہو خلق یقین ہو سزا تری بندہ جو تو بتاں کا ہوا کیا خدائے نہ تھا
مرا جو کام وفا تھا سو ہو سکا نہ یقین ورنہ اُس کی جفا میں تو کچھ قصور نہ تھا
اگر مرنے میں اُس شوخ کی خاطر نشان کرتا خدا جانے وفا میری کے حق میں کیا ماں کرتا
نہ ہوتا اس کی بدخواہی کا دم مجھ کو توجی بھر گلی میں یار کی راتوں کو فدا و نذر کرتا
گرا میں آنکھ سے تیری جہاں کے ہاتھ کیا مجھے چمکا دیں پر آسمان سے اتار دیا
نہ کستی راز دل تو اتنی رسوائی بےلا ہستی فضیحت کر کے مجھ کو اس زبان سے ہاتھ کیا آیا
مے ان آنسوؤں نے کھو دیا نوبہر سیرا یہ دھن ننگر اس کارواں کے ہاتھ کیا آیا

تاکھے تیرے لگوں لے یار میں روٹھتا ہوں اس سبب ہر بار میں
 ہم سے نہں بول یار گل کی طرح پھر یہ دو دن کے تئیں بار نہیں
 جان من تم جو کہو کہ تو چاہے ہو مجھے زندگی کس کو جہاں میں کہو درکار نہیں
 کیوں کھینچتے ہو تیغ سخن ہم میں دم نہیں پنہاں نظر تمہاری بھی گپتی سے کم نہیں
 کہتے ہیں ہم بیکار سخن کاں دھر سنو گر غیر سے لوگے تو دیکھو گے ہم نہیں
 گرچہ شیریں سخن رقیب کے تو بھی اس سے سخن نہ بات کرو
 اس پری بیکر کو مت انسان بوجہ شک میں کیوں پڑنا ہوئے لالچاں بوجہ
 پاؤں لگی رہی ہو تمہارے سخن سدا دل خون ہوا ہوئے مرا اُس خا کے ہاتھ
 جدائی سے تری لے منڈلی رنگ مجھے یہ زندگی در کسر ہو
 چھوڑتی نہیں ہو سخن زلف تری اپنی مڑوڑ باوجودیکہ کمال اس کو پریشانی ہو
 کیا جانے وصال ترا ہو کسے نصیب ہم تو ترے فراق میں اے یار مر چلے
 رونقِ سلام تیرے رو سے ہو کفر کی رشتہ ترے گیسو سے ہو
 بے تسرا دل کے تئیں آرام دل اے مے پیارے ترے پہلو سے ہو
 اب تو سخن ہمن سے نہا ہے تھیں بنے ہم سب طرف سے ہار تھائے گلے پڑے
 یکرنگ پاس اور نہیں کچھ سخن بباط رکھتا ہو دو پہن کو تو نظر کرے
 لگے ہو خوب کاؤں میں بتاں کے سخن بکرنگ کا گویا گسر ہو

در مرثیہ سید الشہداء علیہ السلام گفتہ

زخمی بزرنگ گل ہیں شہیدان کر بلا گلزار کی منط ہو بیابان کر بلا
 کھانے چلا ہو تیغ ستم شامیوں کے ہاتھ دھوا تھ زندگی سستی مہمان کر بلا
 اندھیر ہو جہاں میں کلاب شامیوں کے ہاتھ ہو سر بریدہ شمع شبستان کر بلا

یقین دہوی نامش انعام اللہ خاں خلف اظہار الدین خاں منظور نظر و محبوب

کہ میں تو مست تھا اُس کو بھی کیا شعور نہ تھا
 جو صے کا شہر غارت خاں، تنکیں خراب
 مگ کی گروہنوں سے دور پیمانے کو کیا نسبت
 کہاں اس دام سے یہ صید جاسکتا ہے کیا قدرت
 کہ ہوتا ہی جنوں کے شور کو سیر چین باعث
 مے اس چپکے رہنے کا ہر وہ شیریں سخن باعث
 کیونکہ ہوزِ خمیر بن ایسے دولے کا علاج
 پھٹ گیا جی اس کا اب تکھیں ملا دو کس طرح
 بلبل بے بال و پر گلشن میں جاوے کس طرح
 کس سے سیکھی تھی یہ شیریں کا فرمان کی طرح
 وہ قسم کھا کر اسی ساعت مگر جانے کی طرح
 رکھ مری آنکھوں پر دیتے ہو کف با بے طرح
 قتل میں بلبل کے کب تصویر کرتی ہے بہار
 اس نگر میں چاندنی راتوں کو بھی پھرتے ہیں چور
 پھر نہ دی ہم کو کس نے اس دوانے کی خبر
 جواب تلخمت دے مجھ کو اے شیریں یون بسا کہ
 کھلا بند گریباں کو نہ رکھ لے گلبل بس کہ
 کہو اپنے تئیں ضایع نہ کرتا کوہ کن کیونکر
 گرد پھرتے ہیں مری خاک کے افلاک ہنوز
 کیا بُری طرح سے مرتا ہے یہ بہار کہ بس
 کیا خریدار نے پایا ہے خریدار کہ بس

خفیف مجھ سے الجھ کر عبث ہوا و اعظ
 صبر کچھ کب تک صبح کر دیتا ہے عشق
 تری آنکھوں کی کیفیت سے بھانڈ کو کیا نسبت
 بتاں کی مجھ سے خاطر جمع ہو یہاں تک کہتے ہیں
 ہوا دیوانگی میری کا وہ گل پیر بن باعث
 تصور کر کے لیتا ہوں مزا میں اُس کی باتوں کا
 حق کو کب پہنچے بندے جب تک اُن زلفوں میں دل
 بٹھ کر دل سامنے خواہاں کے آوے کس طرح
 باغباں بے ہم اور در بند دیواریں بلند
 چھوڑ ڈالا کوہ کن سے لعل کو تھیرے ہاں
 جی نکل جاتا ہے میرا جب کبھی آتی ہے باد
 خار سے مزگاں کے جی ڈرتا ہے میرا بے طرح
 شاخ گل کو سرخ جوں شمشیر کرتی ہے بہار
 خال گورے منہ کا لیتا ہے ہرے دل کو چسپرا
 دل ہیں کہہ کر گیا تھا اپنے جانے کی خبر
 توقع دیکھ مت کہ ناامیدی کے سخن بس کہ
 ترو پھر کراں کھجائے گا بلبل کی طرح میرا
 کرے محنت کوئی لذت اٹھائے یار سے کوئی
 بند مرنے کے بھی ہوں گور میں غمناک ہنوز
 نزع میں دیکھ مجھے یار حجب کر بولا
 آپ کو بیچ کے یوسف نے زلیخا کو لیا

نہ مرتا میں اگر صدقے مرتے جانے کے کام آتا
 اٹلا دی لے ہوا کہیں مشت خاک میکشاں تو نے
 ہر ترے داغ سے پُرسیدہ سوزاں میرا
 اگر تجھ کو زلیخا دیکھتی سب کچھ بسر جاتی
 یقین سوز و گدازِ دل اگر اظہار نو کرتا
 مجھے کمر حق تعالیٰ کا فرماے جہاں کرتا
 خدا دبتا مجھے کمر میرا مانی خدائی کی
 سرِ سلطنت سے آستانِ یارِ بہتر تھا
 نہ ہوئے سر سے میرے دو دُظلِ عاطفتِ غم کا
 شکوہ حسن سے آنسو ہائے سوکھ جاتے ہیں
 نہیں اُمڑ سکتی کسی افسوں سے گالے کی لہر
 یہ دل دیا خراب کو چہ و باز اکیوں ہوتا
 تیری الفت سے مرنا خوش نہیں آتا مجھے ورنہ
 دلبروں کے نقشِ پا میں ہر صدف کا کیا اثر
 کیا بدن ہو گا جس کے کھولتے جانے کا بند
 آنکھ سے نکلتے پراَنسو کا خدا حافظ یقین
 یہ قمریاں جو سرو کی عاشق ہوئیں مگر
 اس قدر غرقِ لبو میں یہ دل زار نہ تھا
 حسن کا عشق زلیخا سنی کچھ چل نہ سکا
 دل میں زاہد کے جو جنت کی ہو اکی ہوئیں
 کوں میں کیونکہ نہ صبح بہارِ تجھ کو آج

کمرِ سنہ ناز کا تھا کلباں کھانے کے کام آتا
 غبارِ ان کا اگر رہتا تو پیمانے کے کام آتا
 آب و رنگِ آگ سے دکھتا ہر گلستاں میرا
 تماشا ماہِ کفانی کا اُس کو خواب ہو جاتا
 خدا شاہد ہر آتش کا بھی زہرِ آب ہو جاتا
 بتاں کو میں ہزور ان بکیوں پر مہرباں کرتا
 تو میں ان بلبوں کو گلشنوں کا باغبان کرتا
 یہیں ظلِ ہما سے سایہ دیوارِ بہتر تھا
 نہ پڑ پودا غ پر میرے الہی سایہ مرہم کا
 یقین سورج کے آگے کب نہ رہتا ہر شبنم کا
 کیونکہ نکلے سر سے اس زلف پریشاں کی ہوا
 اگر ملتا نہ اتنا ٹھنڈوں سے خوار کیوں ہوتا
 یہ ایسا کارِ اسل اس قدر دُخوار کیوں ہوتا
 جو مرا آنسو گرا اُس میں سو گدھر ہو گیا
 برگِ گل کی طرح ہر ناخنِ معطر ہو گیا
 گھر سے جو باہر گیا رو کا سوا تر ہو گیا
 دنیا میں اور کوئی سچیلہ جواں نہ تھا
 جب حاکمِ ترے پاؤں سے سو کا رہ نہ تھا
 ورنہ وہ پاک گھر قابلِ بازار نہ تھا
 کو چہ یارِ میرا کیسا سایہ دیوار نہ تھا
 جہن میں تو جو نہ تھا گل کے نفع پہ لور نہ تھا

ہجر میں جینے سے بہتر ہر ہلاک برد و صل
 اٹھ گیا کہتے ہیں دیوانہ یقین عالم سے ہاے
 کیا فریاد نے جو کچھ محبت اس کو کہتے ہیں
 نہ کی تو نے نظر اُس کی محبت پر نہ محنت پر
 ہوئی جا یا ر شیریں کوہ کن کے بندہ خسرو کی
 یقیں مانا گیا جسم محبت پر زہے طالع
 صدقے جاتا ہو مرا جی بال بال او پر ترے
 کردل میں کیونکے قید زلف سے چھٹنے کی تدبیریں
 تیغ بن آج بستاں کا کوئی دمساز نہیں
 ہم گئے کام سے مرغانِ حسیں سے کیوں
 کب ہو خوش بالہ عشاق سے خوباں کا باغ
 یار کے قد کو نہ دے سرو سے تشبیہ یقین
 کہے بھی ہم گئے نہ گیا ان بتوں کا عشق
 بلائے عشق سے اب چھوٹنے کی راہ نہیں
 وہ کون دل ہو جہاں جلوہ گردہ نور نہیں
 شکوہ جفا سے یار کی کرنا و فانی نہیں
 یہ سینہ عشق سے محروم درد و داغ نہیں
 کوئی دن اور کرنے دو جنوں مجھ کو بہاراں میں
 جن کے بیچ کھیلتی ہو جیسے شاخِ نہیل کی
 کرتا ہو کوئی یار اس وقت میں تدبیریں
 عمر آخر ہو جنوں کو بہاراں پھر کہاں

یہ طرح کیا خوب اس آئی ہر پرولنے کے تئیں
 اُن نے کیا آباد کر رکھا تھا دیرانے کے تئیں
 دیا جی بات کے کہنے میں ہمت اس کو کہتے ہیں
 ارے فریاد کے قاتل عدالت اس کو کہتے ہیں
 وہ کیا تھا زخمِ بیٹے کا جراحت اس کو کہتے ہیں
 شہادت اس کو کہتے ہیں سعادۂ اس کو کہتے ہیں
 دکھتا ہوں جب تری زلف پریشاں کے تئیں
 بڑی ہیں میری ہر نگشت میں جیوں خانہ زنجیریں
 یہ خدا کا ہو غضب دوسری دناز نہیں
 فرض کیجئے کہ چھٹیں طاقت پرواز نہیں
 رگ بسمل کی صدا تار کی آواز نہیں
 سرکشی میں تو مسلم ہو، پہ ہلتا ز نہیں
 اس درد کی خدا کے بھی گھر میں دوا نہیں
 بغیر میکہ زاد کمیس پناہ نہیں
 اس آفتاب کا کس قدرے میں ظہور نہیں
 بندوں کو اعتراض خدا پر دوا نہیں
 ہزار شکر کہ یہ ملک بے چراغ نہیں
 عبت سیتے ہو اس کو کیا رہا ہو اب گریباں میں
 ہوے ہیں اس قدر دل جمع میں زلف پریشاں میں
 مڑا ہو یہ دیوانہ اب کھول دو زنجیریں
 ہاتھ مت پکڑو مرا یاد گر بیاں پھر کہاں

جی میں آتا ہو تیری چھب کو دکھا دیجے اُسے
 کچھ پرو بال میں طاقت نہ رہی تب چھوٹے
 تو نہ تھا حیف یقین ورنہ دوا نا ہوتا
 ترے ستم سے مراد دل نہیں دھڑکتا ہو
 فصل جاتی ہو یقین اور باغباں سے ایک بار
 مت خدا کے واسطے کردلبروں سے اختلاط
 رشک تیری دلربائی کا زبس کھاتی ہو شمع
 لبوں پر زخم کے جی آہ ہا ہو مت نکل جاوے
 نرکت سے لاگی ہو پروانے کے جیسے تن کو آگ
 جلتے بتوں سے نہ مل ان تیلیا پتروں کے ساتھ
 قدر ترا از بسکہ گھٹا ہو لٹک جوں شاخ گل
 ہار مت پہرا کرے پیارے کہ نازک قدر ترا
 آبرو دی ہو دوانے نے جنوں کو کس قدر
 پاؤں سے سترک پہنچے مست ہوتی ہو بنگاہ
 جب گئی ہو بارغ میں خوئی کفن ہو کر نقیہیں
 پرانگی دل میں ترے قشر عین فرمانے سے دھوم
 تیری آنکھوں میں نشے نے اس تلخ مارا ہو خوش
 زگرار ہوگا رنگیں مجھ سا کوئی باولے پن میں
 جب دیکھتا ہوں تنہا جھکو سجن پن میں
 مجنوں کی خوش نصیبی کرتی ہو مارغ دل کو
 اس داغِ دل کو کھٹا دوزخ ساتھ میرے

باغ میں اتنا کر دتا ہو یہ شرف و ک بس
 ہم ہوے ایسے بُرے وقت میں آزاد کہ میں
 آج اس طرح کا دیکھا ہو پر نراد کہ بس
 خوشی سے قتل کی یہ کر رہا ہو محزون رقص
 کوئی کرتا نہیں ہا سے باغ میں جانے کی عرض
 کفر ہو حق میں مسلمان کے بتوں سے اختلاط
 دیکھ تیرے حسن کے شعلے کو جل جاتی ہو شمع
 خدا کے واسطے کیونہایت ہی رفونا زک
 گیلوے فانوس ایسی تیرے پیراہن کو آگ
 جی دھڑکتا ہو مبادا لگٹھے داس کو آگ
 باد کے ہندے سے جاتا ہو بہک جوں شاخ گل
 بوجھ سے پھولوں کے کھاتا ہو کچک پو شاخ گل
 گریہ مجنوں سے دریا ہو گیا صحرایہ تمام
 ہو عروج نشہ گویا وہ قدر بالاتمام
 دیکھ اُس کو مل گیا ہو خاک میں لالاتمام
 باغ میں بچتی ہو گل کی فصل کے آنے سے ہوم
 ڈالتے ہیں جس طرح یہ سب بچانے میں ہوم
 گریباں آپڑا ہو پھٹ گل کی طرح دہن میں
 کس کس طرح کی باتیں آتی ہیں سیر سن میں
 کیا عیش کر گیا ہو ظالم دوان پن میں
 ڈرتا ہوں لگ اٹھے گی آتش مے کفن میں

بہار آئی ہیں کیا حکم ہے اے باغباں سچ کہہ
 اندھیری رات ہے اور شیشہ ہے ساتھ میں تیرے
 ہزاراں آب جو آنسو کے تیرے غم پھرتے ہیں
 یقین راتوں کو گرفتار دیندیں سب کچھ تار ہے
 خواب میں کس طرح دیکھوں تجھ کو بے خوابی کے ساتھ
 غنچہ رنگینی کو اپنی چاہیے تہ کر رکھے
 مفت نہیں ملتی وفا گو شہر خواباں میں یقین
 لے کے دل کرتے ہونا بہت دکھ کے ماروں کا گناہ
 جو نہ جی سکتے ہوں بیتیابی سے بھر وہ کیا کریں
 عاشقوں پر جبر کرتے ہیں سینہ ظالم خوب رو
 کیونکہ بھلے بزم خواباں سے کوئی جیتا یقین
 عشق کے بھی کارخانے کی عدالت دیکھ لی
 کہاں تاثیر ہر نالوں میں لے مرغِ قفس چپٹ
 کوئی آوازی کو چھوڑ کر کیوں راہ پر آئے
 وفا کا کیا قیامت ہے جو کوئی بدلا جفا دیوے
 نہیں پرواز قسمت میں مری صیاد پر اتنا
 یقین زنجیر میں ہے تب تو عالم میں نہیں خلیں
 اگرچہ عشق میں آفت ہے اور بلا بھی ہے
 یہ کون ڈھب ہے سخنِ خاک میں ملانے کا
 یقین کا شور جنوں میں کس کے یار نے پوچھا
 زنجیر میں بالوں کی پھنس جانے کو کیا کیجیے

جن میں رہنے پاوے گا ہمارا آشیانہ سچ کہہ
 خدا حافظ ہے تیرا جان جاتا ہے کہاں سچ کہہ
 تو کس گھوڑا کا ہے سر پہ رونا جواں سچ کہہ
 یہ کس بے درد سے کچھا ہے تو شور و فغاں سچ کہہ
 جمع آسائش کہاں ہوتی ہے میتابی کے ساتھ
 اس کو کیا نسبت ہے ان لہجے غلابی کے ساتھ
 کس قدر بے قدر ہے یہ جنسِ نایابی کے ساتھ
 جانِ ودل دینے میں کیا ہے ان بجا و دل کا گناہ
 جی نکل جانے میں کیا ہے بے قراروں کا گناہ
 کچھ نہیں بالہ ان بے اختیاروں کا گناہ
 بے محابا کھینچ رہی ہے ہر طرف تنگی نگاہ
 بڑا موس جویں مریں ہم لے محبت واہ زاد
 عبت صیلا کو ناخوش بھی کیوں کرتا ہے بس چپٹ
 عبت تو شہد و شکر کرتا ہے اتنا لے جس چپٹ
 ترجمہ ان تباں کو اپنے بندوں پر خدا دیوے
 صبا سے کہو میری خاک گلشن میں اُلا دیجیے
 جو کج چھوٹے یہ دیوانہ بھی دھوئیں بجا دیجیے
 زرا بُرا نہیں یہ شغل کچھ بھلا بھی ہے
 کسو کا دل کبھی پاؤں تلے ملا بھی ہے
 کوئی قبیلے میں مجنوں کے کیا رہا بھی ہے
 کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کیسے

۲۷ جل چمکے پروانے یہ رنگیں چراغیں پھر کہاں

بلبلو دھویں بچا لویہ گستاں پھر کہاں
چن میں باندھ بھی پاویں گے اک ایشیاں دکھیں
توجہ سے تری ہم بھی کہاں گے گستاں دکھیں
کیا کیا تری جہانیں ہم نے اٹھائیاں ہیں
کچھ عاشقی نہیں ہو زور آزمائیاں ہیں
جو پہنچوں مرنے کے نزدیک میں تو دور نہیں
کیا کروں مستی سے کچھ ہاتھوں میں گیرائی نہیں
کیا مزا ہے عشق کرنے میں جو رسوائی نہیں
بہارا آوے تو اے صیاد ہم کومت خبر کچھ
مری اس بے زبانی پر نظارے نامہ بر کچھ
فلک اس قد کی نزاکت پر نظارے موکر کچھ
چھوڑ مت دل کی زنجیر اسے دیوئے کومت چھوڑ
زار روشن کر دمت شمع پروانے کومت چھوڑ
جو یار پرے سے نکلے تو کیا تماشا ہو
خلاف ہے گیا ہو خود کشی کی کوہ کن مجھ کو
لعل کو یار کے ہونٹوں سے برابر نہ کرو
میں کدو ہوں مجھے اور کدو نہ کرو
اپنی بیداد کے معنوں کو مکر نہ کرو
بتاں شہید کرو خواہ دستگیر کرو
دل و انصاف تھا اس ملک میں دتو کچھ

یاد جب پہنے جو اہر کرے دل جی نثار
اس طرح صیاد کب آزاد چھوڑے گا ہیں
بہار آئی ہو ہم کو کیا کسے محکا بانہاں دکھیں
اٹھا اُس منہ سے لے باؤ مہا گونگے آجکل کو
گالی بھی کھائیاں ہیں ملیں بھی کھائیاں ہیں
خسرو کے منہ پر چڑھنا اور میسٹوں سے لڑنا
ترے سفر کی خبر سن کے جان دھڑکوں سے
شوقی مکتا ہو کپڑوں دوڑ کر داماں یار
جس محبت میں نہیں ہو سوزہ ہو بے نمک
اسیرانِ قفس کی نامرادی پر نظر کچھ
نہیں جاتا ہو مجھ سے کچھ کہا جو کہہ سکے کیو
نہ کر شوقی مبادا تاب کھا جائے مکر تیری
گرہ کھولو نہ زلف یا سکی شانے کومت چھوڑ
ابھی جاتا ہو جل اک دم بھی جینے دہ پچائے کو
کھڑا ہو سر و نہیٹ بن بنا کے، رعنا ہو
کوئی مجھ سے نہ بولو مستعد مرنے کا بیٹھا ہوں
خون انصاف سے اتنا بھی زباں پر نہ کرو
اس رخ صاف کے آگے نہ رکھو آئینہ
باندھ کر مجھ پہ مکر طعن نہیں غیر کا قتل
حنا کی طرح میں اپنا بھل کیا ہو خون
عشق میں ظلم کی کیا داد ملے ہم کو یقیں

نہ بھلا کام کچھ اس صبر سے اب نالہ کرتا ہوں
 یقین تقلید سے مہلت چنگ تھر سے آبر ک
 مقابلے میں دفا کہ جو یہ جفا ہوے
 اگر بخیر رہیں یاد کر نہیں سکتا
 دکھ دیتا ہو کر دل تجھ کو بھی حیراں تو سی
 اب تو ناصح کے فیض سینے دو میرا چاک جیب
 اپنے بند دل کو جلا کر خاک کرنے ہیں یقین
 نہٹ سونی ہیں مکیاں خاطر طفلان پریشان کر
 نکل بھاگا ہو کوئی حید کیا اس مقام سے بچ کہہ
 اگر ذخیر میرے پاؤں میں ڈالی تو کیا ہو گا
 میں جو بن غم خوار ہرگز جی نہ سکتا تھا کبھی
 عشق کے فن سے ابھی مجھ کو کہاں ہو طمع
 جو سراؤں پر رکھ دیجے تو خوش ہو میں تل ہم سے
 حیا و شرم سے کہو نہ کوئی حذر نہ کرے
 جو یاد غیر کے ساتھ اس طرف سے ہو گزرے
 نہ دی فرصت کہ ان باتوں سے کچھ کام اور بھی
 گونا گونا ہو سرا بنائست با پرتھیل تیرے
 کیا دل ہو اگر جلوہ گہ یاد نہ ہووے
 دل جل جو گیا خوب ہوا سوختہ بہتر
 مناسب نہیں ہو غلو جو رکا ان خوب رویاں سے
 اے حیا داس بیدار بیدار کیا کیجے

مری فریاد ہی شاید مری فریاد کو پہنچے
 یہ ممکن ہو کبھی ہر سرچہ فریاد کو پہنچے
 کہ کسی سے کوئی کیونکر آشنا ہوے
 کبھی برا ہی ہیں کہ ترا بھلا ہوے
 باخباں اب کے اُجاڑے یوں گلستاں تو سی
 تار تار اس خند سے کہ ڈالوں گریساں تو سی
 ان بناں کی خند سے ہو جاؤں سلماں تو سی
 کہو مجھوں کو تجھ بن خانہ ذخیر ویراں ہو
 کئی دن ہیں کہ تیری زلف کی خاطر پریشاں ہو
 بہار آنے دو میرا ہاتھ ہو اور یہ گریباں ہو
 ان دلوں کوئی پڑی ہو دل کی غم خواری مجھے
 کچھ نہیں آتا بغیر از نالہ و زاری مجھے
 ویکن لے ہو سکتی ہو ہجرات کہاں ہم سے
 ادب سے تجھ ہو کوئی کب تک نظر نہ کرے
 خدا کے واسطے کوئی مجھے خبر نہ کرے
 ہم آخر ہوں گے دانگیر اس چاک گریباں کے
 گریباں پھاٹیے اس پر کہ کیا طالع ہیں ماں کے
 ہو طور سے کیا کام جو دیدار نہ ہووے
 وہ جنس کہ کوئی افس کا خریدار نہ ہووے
 یقین کوئی بری بات کو اچھے منہ پہ کیا ہوے
 نکارنا تو ان مجھ سے کہ تیں آزاد کیا کیجے

دل چھوڑ گیا ہم کو دلبر سے توقع کیا
 اپنے نے کیا یہ کچھ بیگانے کو کیا کہیے
 گئے سب بھول نکلے دیکھ رے یا کیا کہیے
 زبان حیرت سے میری ہو گئی بے کار کیا کہیے
 اگر اس کی جگہ پہلو میں ہوتا خار بہتر تھا
 بہت دیتا ہر میرا دل مجھے آزار کیا کہیے
 یقیں کے واقعے کی سن خبر وہ بگساں بولا
 یہ دیوانگمہ ایسا تو نہ تھا ہمیں کیا کہیے
 شمعے بھر چین ہر موت پر صیاد کیا جانے
 جو گزرتے سر پہ مقتولوں کے سوجھلا دیا جانے
 دھانا ہوں میں جی دینے میں مجنوں کے سلیقے کا
 مرنے لے کے مرنے کی طرح فرما دیا جانے
 درختوں سے نہ لے تشبیہ اُس قد کو یقیں ہر گز
 وہ آنکھیں سے چلنے کی طرح نشا دیا جانے
 اس بستی پوش سے آغوش رنگیں کیجیے
 جی میں ہر اس مصرع موزوں کو تھیں کیجیے
 عشق میں راحت نہیں ملتی مگر جوں کوہ کن
 جان شیریں دیجیے تب خواب شیریں کیجیے
 پریشاں خاک سے لگتا ہر سنبل اس سے ظاہر ہر
 کھلے ہیں مے لیلیٰ اب تک اتم میں مجنوں کے
 غبت بانی تھی سینے سے آہ بے اثر ہم نے
 ان پر زادوں نے کیا پیسہ بھجیے
 صبح اس کی سوزن خزاں سے کھینچوں کیونکہ ہا
 اہل نہ چھوڑے گی آخر یقیں کو لازم ہر
 یقیں جاتا ہر گز یہ گل خوں کے ساتھ جانے دے
 یوں دیا خواباں کی خاطر خانماں اپنا بہا
 گریباں چاک کرنے سے گسو کے تجھ کو کیا صبح
 خطا ہر مفت مکر یا رکود تجھے رقیبوں کو
 یا کب دل کی جراحت پہ نظر کرتا ہر
 اب تو کرے نگہ لطف کہ ہو تو شہ راہ
 چھٹے ہم زندگی کی قید سے اور داد کو پہنچے
 کون اس کو بچے میں جز تیر گزر کرتا ہر
 پھر کوئی دم کو یہ بیمار سفر کرتا ہر
 وصیت ہر ہمارا خوں بہا جلا د کو پہنچے

عبدالوہاب مخلص بہ بیکر و شاگرد نجم الدین آبرو گفتگویش بر طرز نہیم و مستمل

برا بہامہست دے راست

مگر دُش کے لعلکن پری رو گزند کے دل پر برے ہر نقش تھا ما کھا ہوا
 گھر زنجی اس کا جا کیا روشن اٹھ گیا نور دیدہ یعقوب
 دل پر ہے ہیں داغ تھے ہجر کے کئی گنتے میں جن کے عمری سب گز گئی
 میرا حمد مخلص بہ یاد غلط شاہ اشہر یلدا ز محبوبان میر ضیا و شاگردان تقی میر

بود۔ این شعر از دست

آفریں اے دست گستاخ مجھے آفریں یہ گریباں ایک مدت سے گلے کا ہار تھا
 حسن علی خاں مخلص بہ یاس سلسلہ نبش بہ نواب عقیدت خاں نعمت الہمی
 ہو نود و در کھنڈہ مقیم و اسحاق رخنہ از مرزا جعفر علی حسرت می کند۔ از دست
 جی تکڑے کے خفا یہ تو نہ ہوتا ہر گز تو نے کیا جانے کیوں یاس کو دل گیر کیا
 مجھ کو یقین ہو چکا تیرا وہ دل رہا نہیں اتنا نہ نازک صنم بندے کا کیا خدا نہیں

تَمَامُ شَدِّ

بہار آئی ہے اور ہم گستاخ میں جا نہیں سکتے خدا کے واسطے تو یہی کہ اے صیاد کیا کیجے

جھلے کوسراں پر صبر کرنا ہی مناسب ہے یقین دعویٰ وفا کا کر کے اب فریاد کیا کیجے

بہا میں سر ہو کی اتنا نہ کر شہدو شرے قمری نہ بے بریلہ تو اپنی کف عاکستری قمری

رواجا تاہوں مت اتنا بھی کس کر گوندہ بالوں کو ملک ملک ڈھیلی تو کرے جان زنجیریں ڈھانے کی

کرنے ہیں اپنے بال دکھا بتانے مجھے اس بیچ سے بتاں سکے کالے خدا کیجے

نظر اتنا نہیں ثابت گریباں ایک غنیمت کا جن پر یہ قسم کرتا ہے اے صیاد صبا کوئی

حق مجھے باطل آشنائے کرے میں بتاں سے پھر دل خدا نہ کرے

رُومرے کو خدا قیامت تک پشت پاسے تری جدا نہ کرے

دوستی بد بلا ہے اس میں خدایا کسی دشمن کو مبتلا نہ کیے

ہے وہ معتدل کا فسر نعمت اپنے قاتل کو جو دعا نہ کرے

اگر پاوے گلی تیری تو بلبل گستاخ بھولے ترا نقش قدم دیکھے تو اپنا آشاں بھولے

جو کچھ دیکھا ہے اچھی صورتوں سے نقش خاطر ہے وہ نکھیلی سے ہنسالا ڈسے رونانکماں بھولے

اگر دیتے ہوں کی داد جتنا اس کا جی چاہے تو کرنے دو اے فریاد جتنا اس کا جی چاہے

دفا کا طوق ہے قمری صفت جزو بدن میرا کرے جو رستم صیاد جتنا اس کا جی چاہے

عجبت کرنے کو کب ہرک پر دجواں سمجھے جواب براہیم ہو آتش کدے کو گستاخ سمجھے

نہیں آنکھوں میں تیری حال میرا کچھ چھپا ہرگز جو کوئی بیمار ہو سو قدر جانِ ناواں سمجھے

بہار آئی ہے کیسا چاک جیب و پیر ہن کرتے جواب ہم چھوٹے لے دست جنوں دیا ہن کرتے

کوئی فریاد جیسے کم سخن کو قتل کرتا ہے یقین ہم وہل اگر ہوتے تو اک دود و سخن کہتے

حکیم یونس از موز و نان قدیم است این دوست

باغ سے باہر نکل گل رو گیا

میں جب گلشن سے وہ گل رو گیا

سو گیا جس نے بھگایا تھا مجھے

بخت میل جاگ اٹھا تھا سو گیا

اشاریہ

اشخاص کے نام : ————— اور نمبر صفحہ

ابراہیم اصفہانی، حاجی -	۲۵۸	ایر خان، نواب، عمدۃ الملک،
ابوالخیر مرزا -	۱۱۳	۱۳۸، ۱۳۰، ۵۱
ابوالمنش گوالیاری شیخ -	۱۳۱، ۷۵	۲۵۲، ۹۸
احمد خاں، نواب -	۱۴۰، ۱۳۸	۱۸۳
احمد خاں (خٹاں) -	۲۲۳	۲۵۲، ۱۳۱
احمد شاہ -	۱۷۲، ۱۳۷، ۷۹، ۵۵	۱۲۹
۲۶۵، ۲۲۳، ۲۰۴، ۲۰۲، ۱۷۹		۸۷
احمد علی قیامت، حاجی -	۲۲۵، ۱۱۸	۵۸
انزانی بہاری، میر -	۲۳۷	۷۰
اسد اللہ، شیخ -	۱۸۳	۲۵۲
اسرار اللہ، شاہ -	۲۵۳	۲۳۰
اشرف خاں، نواب -	۱۳۷	۶۸
اشرف علی خاں، میر -	۱۹۱	۸۷
آصف الدولہ، نواب -	۲۵۹، ۱۵۴، ۵۱	۲۵۲
آصف جلد، نظام الملک -	۲۲۳، ۱۷۷	۲۳۰
انظر الدین خاں -	۲۷۲	۷۰
انتقار الدولہ، مرزا علی خان -	۱۵۴	۱۳۷
اٹھ یاد، شاہ -	۲۷۵	۱۳۷
امام ہمام علیہ السلام -	۲۶۱	۱۹۸
امان، حافظ -	۹۴	۱۱۵
		حسن رضا خاں، مرزا
		حسن بیک
		حبیب اللہ، میر
		جمال الدین حسن، میر
		جمال، سید شاہ -
		جلال بخاری، سید -
		جفر خواجہ -
		چوہدرت رائے ناگر -
		جاوید خاں، نواب بہادر -
		جانشین، مستر -
		تیر انداز خاں -
		بنی بہادر، راجہ -
		بیدل، مرزا -
		بھگونت رائے -
		برہان الدین، شاہ -
		بدیع الدین ہمدانی، شاہ -
		باقی، میر -
		ایر خان، نواب، عمدۃ الملک،

محمد علی خاں -	۲۰۱	محمد جعفر خاں، میر، نواب -
نزاری، الدین خاں، نواب، عہد الملک،		۲۳۳، ۲۱۹، ۱۶۷، ۶۴
فیروز جنگ -	۲۳۳، ۱۶۴	محمد رضا خاں مظفر جنگ، میر - ۵۶
فخر الدین، مولوی -	۱۸۷	محمد رفیع خاں، مرزا - ۱۳۱
فرخ سیر -	۲۳۴، ۱۶۶	محمد شاہ -
فرید نقش بندی، شاہ -	۱۷۳	۱۹۸، ۹۷، ۸۱، ۵۷، ۵۵، ۵۱
فضائل علی خاں	۲۲۷	۱۱۷، ۱۳۱، ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۴۶، ۱۴۷
فضل علی خاں، نواب -	۱۶۶، ۶۴	۱۷۱، ۱۷۹، ۱۸۸، ۱۹۷، ۲۰۱
فیض اللہ خاں، نواب -	۲۲۶	۲۲۳، ۲۲۷، ۲۳۴، ۲۶۲
قطب الدین خاں -	۹۸	محمد صائب حسرت، میر - ۲۶۱
قراردین خاں، اعتماد الدولہ، نواب -		محمد علی خاں بہادر، ریدہ جنگ - ۴۹
	۲۲۳	محمد علی خاں روبیلہ - ۹۹
کلیان سنگھ، راجہ -	۱۸۹، ۱۱۷	محمد نادر کھن، مرزا - ۶۹
کمال، شاہ -	۷۴	محمد قاسم خاں، میر، نواب - ۱۵۹
کتاب رائے، صاحبہ -	۲۵۴	محمد کبیر شیخ - ۲۲۶
گھیشا،	۱۸۹، ۱۷۷	محمد محمود، میر - ۲۶۱
لطف اللہ، حافظ -	۶۹	محمد علی خاں، خواجہ - ۱۷۷، ۱۷۷
لطف اللہ خاں، صادق، نواب -	۱۳۵	مرزا علی خاں، نواب - ۱۳۹
لطف علی خاں -	۶۸	مظفر علی خاں - ۶۷
ماشا، اللہ مقصد، میر -	۶۴	مظفر قاضی - ۱۸۳
ملک الدولہ، نواب -	۲۱۹، ۱۰۰	مول، شاہ - ۲۵۸
محمد اکرم خاں، میر -	۱۵۵	منزل، منظوم، میر - ۱۱۲
محمد باقر حزیں و ظہور، میر -	۱۶۰	موسن جنگ، مرزا - ۱۳۸
محمد برکت، مولوی -	۹۷	مہاجن جنگ، نواب -
محمد تقی خاں، میر -	۲۵۹	۱۸۲، ۱۷۷، ۱۵۲، ۶۱

۹۳ ، ۶۲ ، ۵۰	شاہ عالم -	۲۳۱	حسین الدین خاں ، نواب -
۱۵۷ ، ۱۰۳		۲۵۴	حسین دوست ، میر -
۵۱	شاہنوش گھالیاری -	۱۶۷	حسین علیہ السلام
۱۸۹ ، ۱۸۸ ، ۱۱۷ ، ۱۱۶ ، ۱۱۵ ، ۱۱۴ ، ۱۱۳ ، ۱۱۲ ، ۱۱۱ ، ۱۱۰ ، ۱۰۹ ، ۱۰۸ ، ۱۰۷ ، ۱۰۶ ، ۱۰۵ ، ۱۰۴ ، ۱۰۳ ، ۱۰۲ ، ۱۰۱ ، ۱۰۰ ، ۹۹ ، ۹۸ ، ۹۷ ، ۹۶ ، ۹۵ ، ۹۴ ، ۹۳ ، ۹۲ ، ۹۱ ، ۹۰ ، ۸۹ ، ۸۸ ، ۸۷ ، ۸۶ ، ۸۵ ، ۸۴ ، ۸۳ ، ۸۲ ، ۸۱ ، ۸۰ ، ۷۹ ، ۷۸ ، ۷۷ ، ۷۶ ، ۷۵ ، ۷۴ ، ۷۳ ، ۷۲ ، ۷۱ ، ۷۰ ، ۶۹ ، ۶۸ ، ۶۷ ، ۶۶ ، ۶۵ ، ۶۴ ، ۶۳ ، ۶۲ ، ۶۱ ، ۶۰ ، ۵۹ ، ۵۸ ، ۵۷ ، ۵۶ ، ۵۵ ، ۵۴ ، ۵۳ ، ۵۲ ، ۵۱ ، ۵۰ ، ۴۹ ، ۴۸ ، ۴۷ ، ۴۶ ، ۴۵ ، ۴۴ ، ۴۳ ، ۴۲ ، ۴۱ ، ۴۰ ، ۳۹ ، ۳۸ ، ۳۷ ، ۳۶ ، ۳۵ ، ۳۴ ، ۳۳ ، ۳۲ ، ۳۱ ، ۳۰ ، ۲۹ ، ۲۸ ، ۲۷ ، ۲۶ ، ۲۵ ، ۲۴ ، ۲۳ ، ۲۲ ، ۲۱ ، ۲۰ ، ۱۹ ، ۱۸ ، ۱۷ ، ۱۶ ، ۱۵ ، ۱۴ ، ۱۳ ، ۱۲ ، ۱۱ ، ۱۰ ، ۹ ، ۸ ، ۷ ، ۶ ، ۵ ، ۴ ، ۳ ، ۲ ، ۱	نواب -	۱۷۷	حسین علی خاں ، نواب -
	شیخ احمد ولد ، نواب -	۱۳۹	حفیظ اللہ شاہ ، مولوی -
۲۵۴ ، ۲۵۲ ، ۱۴۰ ، ۵۱		۲۶۲	خان جہاں لودی -
۶۴	نور الدین بہاری ، شاہ -	۲۲۹ - ۱۱۰	خواجہ (محمد) باسط -
۶۴	شمس الدین ہروی ، قاضی -	۸۷	دلیر خاں ، نواب -
۱۳۰ ، ۱۱۷	شہامت جنگ ، نواب -	۶۳	دولت رام ، راجہ -
۹۷	شیرنگن خاں باسلی -	۲۲۷	راے بشن ناتھ -
۲۴۳	مخدوم جنگ ، نواب ، وزیر -	۲۲۸ ، ۲۲۶	رحمت خاں دوسید ، حافظ -
۱۵۶	عالم گیر -	۲۲۷	رستم علی خاں بہادر ، نواب -
۲۴۳	عالم گیر ثانی -	۱۳۷	زعفران -
۱۷۸ ، ۱۳۵ ، ۶۷	عالی جاہ ، نواب -	۱۵۴ ، ۱۱۵ ، ۵۵	سالار جنگ ، نواب -
۲۴۳	عبد الحلیل میر -	۱۵۹ ، ۱۰۰ ، ۷۴	سراج الدولہ -
۲۴۴	عبد اللہ سکین ، میر -	۹۷	سرفراز خاں علاء الدولہ ، نواب -
۱۷۳	عسکر علی خاں -	۲۲۷ ، ۱۳۷	سلطنت علی خاں ، نواب -
۲۷۵	عقیدت خاں نعمت اللہ ، نواب -	۱۷۲	سعد اللہ سورتی ، شاہ -
۱۱۸	علی ، براہیم	۹۹	صہید احمد خاں ، مولت جنگ -
۱۳۰	علی ، صفر ، میر -	۲۲۶	سلطان علی بیگ ، مرزا
۶۱	علی اکبر خاں	۲۱۸ ، ۶۰ ، ۵۸	سید الفہد -
۱۳۱	علی دوست	۲۵۸ ، ۲۳۵ ، ۲۴۴	
۴۹	علی مرتضیٰ	۱۷۷	سید محمد تادری ، میر -
۱۷۳	علی مردان خاں ، نواب	۱۳۸	سیف اللہ ، میر -
۱۷۶	علی نقی ، مرزا	۹۷	شاہ تیمور -

چاند پور ندیہ -	۱۹۸ ، ۱۶۵	سہرام -	۹۷
خاڑ گڑھ -	۷۱	شاہجہان آباد -	۱۹۶ ، ۵۹ ، ۵۱
چک سداشہ خاں ، دہلی -	۲۰۳	۱۱۸ ، ۱۳۱ ، ۱۳۶ ، ۱۶۷	
چمین پور -	۹۷	۱۷۳ ، ۲۰۵ ، ۲۲۲ ، ۲۳۵	
حیدر آباد -	۱۵۹	۲۶۲	
فادری -	۲۲۶	شس آباد منو -	۱۶۴
دکن -	۱۷۲ ، ۱۵۹ ، ۱۳۰ ، ۹۷	عظیم آباد -	۸۸ ، ۶۵ ، ۵۹ ، ۵۸
۱۷۴ ، ۱۷۷ ، ۱۷۸		۸۶ ، ۸۷ ، ۹۸ ، ۹۹	
دولت آباد -	۸۰	۱۰۰ ، ۱۱۰ ، ۱۱۲ ، ۱۱۳	
دہلی -	۷۲ ، ۶۰ ، ۵۷ ، ۵۵	۱۱۶ ، ۱۱۷ ، ۱۱۸ ، ۱۱۹	
۶۸ ، ۷۴ ، ۷۵ ، ۷۶ ، ۷۷		۱۳۵ ، ۱۵۸ ، ۱۵۹ ، ۱۶۵	
۹۸ ، ۱۰۳ ، ۱۱۰ ، ۱۱۵		۱۷۹ ، ۱۸۸ ، ۱۷۹ ، ۱۷۹	
۱۱۷ ، ۱۳۰ ، ۱۳۶ ، ۱۳۷		۲۳۷ ، ۲۳۷ ، ۲۳۷ ، ۲۳۷	
۱۳۹ ، ۱۴۰ ، ۱۵۵ ، ۱۵۸		غازی پور -	
۱۷۲ ، ۱۷۳ ، ۱۷۴ ، ۱۷۷		فرخ آباد -	۱۲۰ ، ۱۹۱ ، ۲۲۵
۱۷۸ ، ۱۷۹ ، ۱۸۳ ، ۱۸۸		فیض آباد -	۹۲ ، ۱۳۱ ، ۱۶۹
۱۹۲ ، ۱۹۶ ، ۱۹۸ ، ۲۰۲ ، ۲۱۸		۲۱۹ ، ۲۲۹ ، ۲۳۲ ، ۲۵۳	
۲۱۹ ، ۲۲۶ ، ۲۳۵ ، ۲۴۴		کشمیر -	۲۲۶
۲۶۵ -		کوٹہ فیروز شاہ -	۵۷ ، ۲۴۴
رام پور -	۲۲۶	کلکتہ -	۱۶۷
زمانیہ -	۶۴	کھنڈو -	۵۵ ، ۵۶ ، ۵۸
سارن -	۲۳۵	۶۰ ، ۶۴ ، ۶۵ ، ۶۶	
سنام -	۶۹	۶۹ ، ۷۰ ، ۷۲ ، ۷۶	
سنبھل مرلا آباد -	۱۳۱	۱۱۰ ، ۱۱۱ ، ۱۱۵ ، ۱۱۶	
سینہ -	۲۴۳	۱۳۰ ، ۱۳۷ ، ۱۳۸ ، ۱۳۹	

۲۲۹	نور الدین بیک خاں	۱۳۰	ہما زائیں، راجہ۔
۱۱۵	نوازش علی خاں	۲۰۳	میر علی۔
۱۶۰	دعید، ملا	۱۶۶	نادر شاہ۔
۱۵۷	ولایت اللہ شاہ	۱۱۸	ناصر، خواجہ۔
۹۸، ۶۰	ولایت اللہ خاں، میر	۵۵	نجم الدولہ اسفندی خاں۔
۲۲۹	ہاشم علی خاں	۲۵۴	نجیب خاں، نجیب الدولہ۔
۱۱۷	ہوشیار، مرزا	۱۷۹	ندیم، مرزا۔
۱۵۵	بجلی خاں، نذیب	۱۱۰	نصیر، میر
		۱۳۷	نظام الدین، ملا

مقامات کے نام :-

۱۰۰، ۷۴، ۵۶	بنگالہ۔	۱۸۷	اٹارہ۔
۱۷۲، ۱۵۹، ۱۶۶، ۱۱۷		۲۰۵، ۱۷۶، ۶۸	اکبر آباد
۲۱۹، ۱۸۸		۲۲۲، ۲۱۸	
۱۳۰	بہار	۱۷۷، ۱۳۵، ۹۷	الہ آباد۔
۸۷	پانی پت	۱۸۸	
۱۱۵	پہاڑیچ، دہلی	۲۲۵، ۱۷۰، ۱۵۷	امروہہ۔
۱۵۸، ۹۸	پھلواری	۱۷۹	اودھ
۵۹	تبریز	۱۵۵، ۹۶	ایران
۲۲۲	چان سو	۶۲	بلد پہ
	جلان آباد	۱۷۶	برہان پور
۱۷۷	جلان پور	۲۵۷	بگرام
۲۳۱، ۱۷۷	جھانگیر نگر	۲۲۷، ۱۳۸	بنارس

شعرا جن کا ذکر ایک جگہ سے زیادہ آیا ہے :-

۲۰۳، ۱۸۷، ۱۵۵، ۱۳۱، ۱۰۳، ۵۳، ۵۱	کریم
۲۴۵، ۲۴۲، ۲۳۳، ۲۲۲	
۴۰، ۵۹	آنٹی
۲۰۵، ۱۷۵، ۱۴۲، ۷۰، ۶۹، ۵۵	آرزو
۱۵۷، ۱۰۳، ۹۹، ۹۸، ۸۱	تابال
۲۲۶، ۱۶۵، ۹۷	بجرات
۱۲۶، ۸۷	چوشش
۱۵۸، ۹۸	جوہری
۱۷۰، ۹۳	جمالدار شاہ
۲۲۳، ۱۸۷، ۱۰۳	حاتم
۱۶۰، ۹۹	حزین
۲۷۵، ۲۲۶، ۱۹۸، ۱۳۸، ۹۳، ۸۷، ۱۱۳	حسرت (جعفر علی)
۶۷، ۱۱۰	حیران (میر حید علی)
۱۷۸، ۶۷، ۱۱۵	حسن
۲۵۲، ۱۶۳، ۱۵۹، ۹۸	حسنت
۱۷۷، ۱۷۰، ۱۶۴، ۹۸، ۷۷، ۶۳، ۶۲، ۱۱۸	درد
۲۵۹، ۱۹۸	
۱۱۰، ۷۰، ۱۳۰	دیوانہ
۲۲۵، ۱۳۸	درد (دہریان خاں)
۲۲۳، ۱۳۲	رند (میر ہمزہ علی)
۱۷۷، ۱۶۷، ۱۶۶، ۱۶۴، ۱۳۷، ۱۱۷، ۹۵، ۶۲، ۱۳۹	سقا
۱۸۸، ۱۰۹، ۱۹۸، ۲۲۵، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹	
۲۵۴، ۲۲۴	

۱۳۰، ۱۵۰، ۱۵۴، ۱۵۹،	مرشد آباد۔	۵۸، ۶۰، ۶۱، ۶۲،
۱۶۶، ۱۶۸، ۱۷۰، ۱۹۱،		۶۳، ۶۴، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳،
۱۹۸، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۸،		۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰،
۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۲، ۲۵۸،		۱۸۱، ۱۸۲، ۱۹۱، ۱۹۲،
۲۵۹، ۲۷۱،		۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴،

۶۴	سویان	۱۸۳	لاہور، النہر۔
۱۵۷	میوات	۲۰۱	محمد آباد بنارس۔
۲۲۶، ۶۷	نارنول	۹۸	مراد آباد

کتابوں کے نام :-

۵۰	تذکرہ گلدستہ معانی
۲۵۹	بستان خیال
۱۷۷	بہارستان جعفری
۹۸	تذکرہ میر محمد تقی
۲۰۲	ترجمہ نصوص المحکم
۲۰۲	رسالہ عروض و قافیہ
۲۰۵، ۵۰	گلشن سخن
۱۳۸	مشتوی ریختہ - از جعفر علی خاں زکی
۱۹۱	یوسف زلیخا - از فدوی لاہوری

۲۲۹، ۱۹۱، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۱۹، ۱۰۹، ۱، ۱۹۹

سند

۱۳۶، ۱۹۹

مصمّم الدولہ

۱۱۵، ۱۹۹

ضاحک

۲۵۵، ۲۰۳، ۱۵۳، ۱۱۵، ۹۵، ۹۲، ۱۹۶

ضیاء

۸۴، ۸۰، ۷۰، ۱۹۴

عزت

۸۶، ۱۸۹

فرد

۲۹۱، ۱۸۳

فرحت

۲۲۹، ۲۳۶، ۲۰۳، ۱۵۸، ۹۶

فغان

۱۹۱۷، ۹۵، ۱۸۸

فقیر

۲۲۳، ۱۷۰، ۹۹، ۱۹۸

قائم

۲۹۱، ۲۵۹، ۲۱۹، ۲۰۳، ۱۹۲

قدرت

۹۲، ۲۲۹

صیبت

۲۹۲، ۱۷۳، ۱۲۹، ۲۲۲

مضمون (شعرت المذین)

۱۷۱، ۱۷۰، ۱۳۰، ۹۹، ۹۸، ۲۱۸

منظر

- ۲۹۵، ۲۲۹، ۱۹۹

۸۷، ۲۲۳

موزوں (ماجا رام زائن)

۹۶ - ۲۳۰

منت

۱۹۹، ۱۵۷، ۱۳۹، ۱۳۹، ۱۳۱، ۲۰۵

نیر

۲۷۵، ۲۳۵، ۲۲۳، ۱۹۱

۱۵۸، ۲۳۳

نابجی

۱۷۹، ۲۳۳

نعمت

۲۲۹، ۷۰، ۲۹۲

یک رنگ